شرحِ اسمائے حسنیٰ

جلد اول

- قرآن کریم واحادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر و تشریح اور ائمہ کرام کے اقوال سے مزین تعریفات
- علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح ، بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات
- توحید باری تعالیٰ سے محبت ، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
- ہر اسم مبارک سے متعلق مفید فوائد و نصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان و یقین میں اضافے کا باعث اور عبادت ، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تقدیم
حضرت مولانا حسن جان صاحب

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

جمع و ترتیب
محمد حنیف عبدالمجید
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب

کلمات تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

بیت العلم ٹرسٹ کراچی

اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دلنشین تشریح

اسمائے حسنیٰ

جلد اوّل

- ★ قرآن کریم و احادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر و تشریح اور ائمہ کرام کے اقوال سے حسین تعریفات
- ★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
- ★ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
- ★ ہر اسم مبارک سے متعلق مفید فوائد و نصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان و یقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہم
شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم پشاور

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

جمع و ترتیب
محمد حنیف عبدالمجید
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلم ٹرسٹ

دوکان نمبر 1، فدا منزل، گوالی لین نمبر 3، نزد مقدس مسجد،
اردو بازار، کراچی۔ فون: 32726509

بشکریہ: بیت العلم

اردو بازار، کراچی۔

کتاب کا نام:.................. شرح اسمائے حسنیٰ (جلد اول)

تاریخ اشاعت:.............. رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق جون ۲۰۱۲ء

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون: 32726509-21-92+ موبائل: 2583199-322-92+

ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار لاہور۔	فون: 37112356-42-92+
☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔	فون: 37228196-42-92+
☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔بی روڈ، ملتان۔	فون: 4544965-61-92+
☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔	فون: 5771798-51-92+
☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔	فون: 662263-81-92+
☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔	فون: 5625850-71-92+
☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدر آباد۔	فون: 3640875-22-92+

نوٹ: یہ کتاب اب آپ ادارۃ السعید سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے سیلز و مارکیٹنگ: 32726508-21-92+, 2645540-312-92+, 3647578-312-92+

لاہور: 4472693-315-92+, 4361131-321-92+

شرحِ اسمائے حسنیٰ (جلدِ اوّل)

الأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

بِمَوْقِفِ ذُلِّيْ دُوْنَ عِزَّتِكَ الْعُظْمٰى
تیری عظیم ذات کے سامنے عجز وانکساری کے اظہار کے ذریعہ

بِمَخْفِيِّ سِرٍّ لَا أُحِيْطُ بِهٖ عِلْمًا
ان مخفی رازوں کے صدقے جہاں تک میرے علم کی رسائی نہیں

بِإِطْرَاقِ رَأْسِيْ، بِاعْتِرَافِيْ بِذِلَّتِيْ
اپنا سر جھکاتے ہوئے، اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے

بِمَدِّ يَدِيْ، أَسْتَمْطِرُ الْجُوْدَ وَالرُّحْمٰى
دستِ سوال پھیلا کر رحم و کرم کی التجا کرتا ہوں

بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى الَّتِيْ بَعْضُ وَصْفِهَا
آپ کے ان اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے جس کی عظمت کے

لِعِزَّتِهَا يَسْتَغْرِقُ النَّثْرَ وَالنَّظْمَا
تھوڑے سے ذکر میں سارے نظم و نثر ختم ہو جائیں

بِعَهْدٍ قَدِيْمٍ مِنْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
عہد أَلَسْتُ کے اس عہد و قدیم کے واسطے سے

بِمَنْ كَانَ مَكْنُوْنًا فَعُرِّفَ بِالْأَسْمَا
اس عظیم ذات سے جو مخفی تھی اور اسمائے حسنیٰ سے جانی گئی

أَذِقْنَا شَرَابَ الْأُنْسِ يَامَنْ إِذَا سَقٰى
ہمیں بھی شراب محبت پلا اے وہ عظیم ذات

مُحِبًّا شَرَابًا لَا يُضَامُ وَلَا يَظْمَا
کہ جس کا پلایا ہوا نہ کبھی رسوا ہوتا ہے نہ پیاسا

(دیوان الامام الشافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی: ۲۱۹)

بِـالـلّٰـهِ يَـا نَـاظِـرًا فِـيْـهِ وَ مُـنْـتَـفِـعًـا
مِـنْـهُ سَـلِ الـلّٰـهَ تَـوْفِـيْـقًـا لِّـجَـامِـعِـهٖ
وَقُـلْ اَنِـلْـهُ اِلٰـهَ الْـعَـرْشِ مَـغْـفِـرَةً
وَاقْـبَـلْ دُعَـاهُ وَجَـنِّـبْ عَـنْ مَّـوَانِـعِـهٖ
وَخُـصَّ نَـفْـسَـكَ مِـنْ خَـيْـرٍ دَعَـوْتَ بِـهٖ
وَمَـنْ يَّـقُـوْمُ بِـمَـا يَـكْـفِـيْ لِـطَـابِـعِـهٖ
وَالْـمُـسْـلِـمِـيْـنَ جَـمِـيْـعًـا مَّـا بَـدَا قَـمَـرٌ
اَوْ كَـوْكَـبٌ مُّـسْـتَـنِـيْـرٌ مِّـنْ مَّـطَـالِـعِـهٖ

منفرد علمی اور دینی تحفہ

"شرحِ اسمائے حسنیٰ"

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ "دینی علوم سے واقفیت ہے" اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب تحفہ میں پیش کرکے ہم "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا"[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنیٰ: "تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔"

❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں ...... رشتہ داروں ...... دفتر کے ساتھیوں ...... کاروباری حلقے ...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلّہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلّہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں

---

[1] موطّا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء فى المهاجرة: ٧٠٦، ٧٠٧

معاون و مددگار بنیے۔

④ کتاب کو تحفہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی باعمل بھی ہوں گے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصال ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب ھدیہ میں دے کر اس کا فائدہ عام کر دیں، مطالعہ کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ ہمارا یہ ھدیہ ان شاء اللہ بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

درجِ ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتا پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتا لکھیں۔

ہدیۂ مبارکہ

مِنْ From

....

....

إِلٰی To

....

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... ہم نے اس کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اَغلاط وغیرہ نظر آئیں تو اَزراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ''خط'' دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ .... کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس کتاب کا مطالعہ کس طرح کریں

❶ اگر ممکن ہو تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ کر پڑھیں کہ اے اللہ! مجھے ان اسمائے مبارکہ سے دین کی کامل معرفت عطا فرما اور، اپنی کامل محبت و عظمت میرے دل میں بٹھا دے، اور کتاب پڑھتے ہوئے آسانی اور ممکن ہو تو وضو کا اہتمام کریں ہمارے بعض اکابر و بزرگانِ دین، دین کی کوئی کتاب بغیر وضو کئے نہیں اُٹھایا کرتے تھے۔
لہٰذا ''اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی تشریح'' کا مطالعہ وضو کے اہتمام کے ساتھ شروع کریں، ان شاء اللہ باوضو مطالعہ بہت خیر کا ذریعہ بنے گا۔

❷ نیز مطالعہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت کا استحضار کر کے مطالعہ کیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے ذریعے، میں ان کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ دل سے اللہ تعالیٰ کے غیر کو نکالنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔
اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللّٰہ ضرور نصیب ہوگا۔

❸ اس بندہ عاجز نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا ہے کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں اور یہ تو سب ہی کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہمارے سینوں میں پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہماری نگاہ نہ رہے، اور یہ کہ رضا اور امید و خوف صرف اللہ ہی سے رہے، اس ضرورت کے لئے جتنا بھی توجہ و دھیان کے ساتھ، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے دعائیں مانگتے ہوئے پڑھیں گے، اتنا ہی ان شاء اللّٰہ فائدہ ہوگا۔

❹ اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض معرفتِ الٰہی اور ایمان مضبوط، یقین کامل حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

❺ مطالعہ کے دوران آپ کو جو مفید باتیں محسوس ہوں وہ ایک جگہ لکھتے رہیں اور اپنے گھر والوں اور دوست و احباب سے اُن کا مذاکرہ بھی فرماتے رہیں تو ان شاء اللّٰہ سب کا فائدہ ہوگا۔

فہرستِ مضامین

Muhammad Hassan Jan
Shaikul Hadith, Jamia Imdaadul Uloomul Islamia, Peshawar Cantt,
M.A. Islamic University of Madina Munawara
M.A.(Gold Medalist) Peshawar University
Vice President Wifaq Almadaris
Ex.Member National Assembly Pakistan
Ex. Member Council of Islamic Ideology Pakistan
Tel: Office:271497 Res:844302

محمد حسن جان
شيخ الحديث بجامعة امداد العلوم الاسلامية بشاور صدر باكستان
(خريج الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)
الماجستير من جامعة بشاور
نائب رئيس وفاق المدارس
عضو البرلمان الوطني سابقاً
عضو مجلس الفكر الاسلامي بجمهورية باكستان الاسلامية سابقاً
هاتف الجامعة:٢٧١٤٩٧ هاتف المنزل:٨٤٤٣٠٢

Ref No:
Date: ٢٠٠٦/٣/٥
١٤٢٧/٢/١٠ھ

تصدیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَنَحْنُ نَدْعُوْهُ بِهَا. وَصَلَاتُهٗ وَسَلَامُهٗ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ الْمُجْتَبٰى وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰى مَنِ اقْتَدٰى بِسِيْرَتِهٖ وَاهْتَدٰى:

وَبَعْدُ! فَإِنَّ هٰذَا الْكِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بَيْنَ يَدَيْكَ أَيُّهَا الْقَارِى الْكَرِيْمِ. كِتَابٌ قَيِّمٌ وَصَحِيْفَةٌ عِلْمِيَّةٌ نَيِّرَةٌ، أَوْضَحَ فِيْهِ أَخُوْنَا فِي اللّٰهِ تَعَالٰى "مُحَمَّد حَنِيْف" -اَلْمُحْتَرَمُ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- أَسْمَآءَ اللّٰهِ الْحُسْنٰى الَّتِي وَرَدَتْ فِى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَشَرَّحَهَا مُفَصَّلاً، وَاعْتَنٰى بِكَلِمَاتِهَا وَمِيْزَاتِهَا، وَمَا وَرَدَ فِي فَضَائِلِهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ الْمُطَهَّرَةِ، وَمَا اهْتَمَّ بِهٖ سَلَفُنَا الصَّالِحُ فِي وِرْدِهَا وَذِكْرِهَا، وَفِي مَا جَعَلُوْهُ لِحَلِّ مَشَاكِلِهِمِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْأُخْرَوِيَّةِ فِى التَّوَسُّلِ بِهَا، وَمَا بَيَّنُوْا مِنْ مَّعَالِمِ الْهِدَايَةِ فِيْهَا لِلْأُمَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ.

وَلَقَدْ أَعْجَبَنِي جِدًّا مَا مَرَحْتُ فِي أَوْرَاقِهِ الْبَرَّاقَةِ مِنْ نَظْرِى الْفَاتِرِ فِي عُجْلَةِ الْمُسْتَوْفِزِ. وَأَرْجُو اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى أَنْ يَّنْفَعَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَالنَّاشِئَةَ مِنَ الطَّلَبَةِ، وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ مِمَّنْ طَالَعُوْهُ بِحُبِّ الْقَلْبِ وَعَزْمِ الْإِسْتِفَادَةِ مِنْ أَضْوَائِهٖ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَأَنْ يَّجْعَلَهٗ وَسِيْلَةً لِنَجَاةِ الْمُؤَلِّفِ الْمُحْتَرَمِ وَ إِخْوَانِهِ الَّذِيْنَ سَاعَدُوْهُ فِي جَمْعِهٖ وَطَبْعِهٖ وَذُخْراً لِعِقَابِهِمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ وَهُوَ وَلِيُّ ذٰلِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ.

اخوکم فی اللہ
محمد حسن جان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلماتِ تبریک

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ نے بہت مختصر عرصے میں کئی مفید کتابیں مرتب فرمائی ہیں: مثالی اُستاذ، مثالی ماں، تحفۂ دلہن اور تحفۂ دولہا، ان کی مرتبہ کردہ مقبول عام کتابیں ہیں۔ اس ناکارہ نے ان کی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور دورانِ مطالعہ محسوس ہوا کہ انہوں نے کتاب ترتیب دیتے وقت ہمارے معاشرے کی نفسیات کو بطورِ خاص پیش نظر رکھا ہے، ان کا اسلوب عام فہم، انداز انتہائی سہل لیکن سنجیدہ و پروقار، تحریر کے بین السطور میں ایک داعی و مبلغ کا درد اور اصلاح کا جذبہ نمایاں، اکابر کی تحریروں سے جگہ جگہ مفید اقتباسات، خوب صورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ کتاب کی طباعت اور اشاعت ان کی اور ان کے ادارے کی کتابوں کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

زیرِ نظر کتاب انہوں نے ''اسمائے حسنیٰ'' کے موضوع پر مرتب فرمائی ہے۔ یہ ایک معطر اور مشک بار موضوع ہے، اللہ کے ایک ایک اسم میں جو مٹھاس، حلاوت اور روحانیت ہے اس کا احساس ایک قلبِ مؤمن ہی کو ہو سکتا ہے۔

اس ناکارہ نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھا، ان کے قلم کی خصوصیت اس میں بھی اس طرح جھلکتی ہے، انہوں نے اولاً ایک اسم ذکر کیا ہے، اس کے معنیٰ لکھے ہیں، پھر اس کی سیر حاصل تشریح کی ہے اور اس اسم سے متعلق دوسری کئی مفید بحثوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے قلم بند کیا ہے، جو کچھ لکھا اس کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلاً: ''السّلام'' کے تحت سلام کرنے کی فضیلت، سلامتی کا مفہوم اور سلامتی کی دعائیں بھی ذکر کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور قارئین کے لئے مفید بنائیں۔

(مولانا) ابن الحسن عباسی (صاحب)

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ عفا اللہ عنہ
استاد حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فقہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵
خطیب جامع مسجد گلشن عمرؓ۔ فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰
کراچی۔ پاکستان

Moulana Hafiz Qari Miftahullah
USTAD HADIS, TAFSEER, FIQAH & ASOOL-E-FIQAH
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah,
Allama Banuri Town, Karachi-5.
KHATIB JAMIA MASJID GULSHAN-E-UMER
Federal 'B' Area, Block No. 20,
Karachi-Pakistan.

DATE ۰۱ - ۰۹ - ۱۴۲۶

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ! اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں مختلف لوگوں کو مختلف اعمال واشغال کے لئے پیدا کیا ہے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اُورا در دلش انداختند[1]

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کا خاندان ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے کئی گراں قدر تصانیف کی ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ "تحفۂ دلہن"، "تحفۂ دولہا"، "والدین کی قدر کیجئے"، مقبولِ عام وخاص ہیں۔ ان ہی میں سے زیرِ نظر تصنیف "اسمائے حسنیٰ" ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے مفید بنائے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر ہے، اور انسان اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء کا محتاج ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے ان شاء اللہ وہ تمام معلومات حاصل ہوں گی جو اسمائے مبارکہ سے متعلق ہیں۔

ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول ونافع بنائے، آمین ثم آمین۔

مفتاح اللہ
یکم رمضان المبارک
۲۶ / ۱۴ ھ

---

[1] ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے مخصوص لوگ پیدا فرمائے ہیں، اور ان لوگوں کے دل میں اُس کام کا میلان اور شوق بھی پیدا فرمایا ہے۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث و نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

احقر نے برادرِ مکرم مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب زید مجدہم اور ان کے احباب کی مرتب کردہ کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' دیکھی اور اس کے کچھ صفحات متفرق مقامات سے پڑھے تو احقر کو قلبی طور پر بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اکابر کے علوم بہت آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور اس کا نفع خوب عام فرمائیں، آمین۔

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ
جامعہ دار العلوم کراچی (۷۵۱۸۰)
۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ طبع اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ، اَمَّا بَعْدُ:

انسانی مزاج میں تحقیق وجستجو کا عنصر غالب ہے اور یہی عنصر اسے مختلف چیزوں کی تلاش وجستجو کی طرف راغب کرتا ہے۔ اب جس ذات باری جل جلالہ نے انسان کو پیدا فرمایا، ساتھ ہی اس کی طبائع ومزاج اور ضروریات کا لحاظ کر کے تمام نعمتیں اور سہولتیں مہیا فرمائیں، بجائے اس کے کہ کسی اور کی جستجو وتحقیق میں وقت برباد کیا جائے، وہ اس سے کہیں زیادہ حق دار ہے کہ اس کی معرفت دل میں بٹھائی جائے۔ قرآنِ حکیم اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے موافق اپنی زندگی کو ڈھالیں اور ان کے اوامر ونواہی کے مطابق حیاتِ طیبہ وصالحہ گزاریں۔

معرفتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ یہ اسمائے حسنیٰ بھی ہیں جس میں بلاشبہ ہر ایک معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے۔ اب جتنا انسان ان ناموں کو پہچانے گا اور قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے معرفت حاصل کرے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا یقین پختہ اور مضبوط ہوتا جائے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی کا کام بھی اٹکا ہوا ہو تو وہ پریشان مارا مارا پھرتا ہے۔ ایسے میں کوئی کہتا ہے: ”فلاں صاحب سے میری جان پہچان ہے میں کہہ دوں گا تو تمہارا کام کردے گا۔“ اتنی جان پہچان اللہ تعالیٰ سے پیدا ہو جائے کہ بندہ کا دھیان ہر (حاجت وضرورت کے) وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رہے۔ بندے کو شرم آئے کہ میں اس رب کریم کے علاوہ اپنی حاجت کسی اور کے پاس لے کر جاؤں ......! اس کے علاوہ جس دوسرے کے پاس جاؤں گا اس کے پاس بھی اسی اللہ کا دیا ہوا ہے، کیوں نہ میں بھی اسی معطی ورزّاق اور ربُّ العٰلمین سے مانگوں، جس نے اس کو دیا ہے وہ مجھے بھی دے گا۔

اللہ ربُّ العزت کی یہ معرفت اور پہچان حاصل ہو جائے تو پھر شرک کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اسی معرفت الٰہی کے حصول کے لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے مبارکہ سے پکارے، خود ہی اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾[1]

حضرت مفتی شفیع رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ حمد وتسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات ومصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے حمد وثناء کرو تو اس کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے پکارو تو اسی کو پکارو اور پکارنے کا طریقہ بھی یہ بتلا دیا کہ ان ہی اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارو جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اپنی تجویز سے دوسرے الفاظ نہ بدلیں (بل کہ ان اسمائے حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہے اور یہ اس کی شایانِ شان ہیں، ان ہی کے ساتھ پکارو)۔“[2]

---

[1] الاعراف: ۱۸۰   [2] معارف القرآن: ۴/ ۱۳۰، الاعراف: ۱۸۰

"عُمْدَةُ الفقه" میں حضرت مولانا زوّار حسین شاہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

"ارباب حقائق لکھتے ہیں کہ اسمائے حسنیٰ سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلق اور تشبیہ حاصل کرے، تاکہ ان اسماء کی تجلیات کی بدولت اسفل سافلین کے گڑھے سے نکل کر اعلیٰ علیین کے مقام کو پہنچ جائے، چوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت "رَبُّ الْعٰلَمِیْن" ہے تو بندہ بھی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق کمزوروں کی تربیت سے غافل نہ رہے اور وہ "اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن" ہے تو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ رأفت و رحمت سے پیش آئے اور اسی طرح صفات مختصرہ کے علاوہ ہر ہر صفت کا مظہر بننے کی کوشش میں لگا رہے، تاکہ صحیح معنی میں رضائے الٰہی کا مصداق ہو۔"

اس چیز کی حقیقت دل میں بٹھانے کی غرض سے یہ ضعیف سی کوشش کی گئی ہے، جس کے لئے "اسمائے حسنیٰ" کی دونوں جلدوں میں درج ذیل ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے:

1. اسمائے حسنیٰ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔
2. قرآنِ کریم کی جن آیات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے ان میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔
3. قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسمائے حسنیٰ کی تشریح۔
4. اسمائے حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ایمان افروز واقعات اور مواعظِ حسنہ۔
5. ہر اسم کے تحت اس اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں۔
6. ہر اسم کے آخر میں اللہ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے فوائد ونصائح۔
7. کتاب میں ذکر کی جانے والی دعاؤں اور واقعات کی دونوں جلدوں کے آخر میں مستقل فہرست۔

تاہم یہ کام پایۂ تکمیل کو اس وقت تک نہ پہنچتا جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق الٰہی کے ساتھ مخلص احباب کی ایک جماعت اس کے لئے دن رات ایک نہ کر رہی ہوتی۔ خاص کر شروع کی تصحیح میں مولانا محمد فوزان اور مولانا غلام مصطفیٰ کے تعاون کا ممنون ہوں۔ ان حضرات کے بعد بھائی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ) کے زیرِ نگرانی مولانا ریاض احمد صاحب، مولانا ارشد محمود صاحب اور مولانا ارشد اقبال صاحب نے اس کتاب پر مزید محنت کی، کتاب میں اضافے کئے، حوالہ جات کی از سرنو تخریج و تحقیق کی اور اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ ہر بات مدلل ہو اور اس کے اصل مرجع کو ذکر کیا جائے، اور نہایت ہی عرق ریزی سے کتاب کو جدید طرز کے اسلوب میں ڈھالا، ان حضرات کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی معرفت بٹھا دے اور اس کتاب کو ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن.

آپ کی دعاؤں کا طالب:

محمد حنیف عبدالمجید

۱۵ / شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ طبع ثانی

﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحی:۱۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! میرے لئے زیرِ نظر کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' کا تالیف کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے۔ ہر انسان کی کوئی آخری تمنا ہوتی ہے، میری آخری تمنا یہی تھی کہ مولائے کریم اپنے ناموں کی تشریح وتفسیر کے لئے میرے قلم اور میرے ساتھیوں کو منتخب فرمائے۔

کتنا اس پر شکر کروں اور کتنی سعادت سمجھوں اپنے لئے، اپنے خاندان، اپنے اساتذہ ووالدین کے لئے کہ اُس مولائے کریم نے اپنے ناموں کا تعارف کروانے کی ہمیں سعادت بخشی۔

لَقَدْ جُدْتَّ اِنْعَامًا عَلَيَّ وَمِنَّةً　　وَفَضْلًا وَّاِحْسَانًا فَهَا أَنَا شَاكِرٌ[1]

یہ نام صرف نام نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی (جو اس کائنات زمین وآسمان اور انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کارخانۂ قدرت کا تنہا چلانے والا ہے) صفات ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خوبیوں، قدرتوں، کمالات اور اوصاف کا مالک ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کیسا تعلق ہے، وہ ان پر کتنا مہربان ہے،......وہ کتنا قابلِ محبت، مستحقِ اطاعت وعبادت اور تعظیم واحترام ہے، کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں، اور اس کے احاطۂ قدرت میں داخل نہیں؟ کائنات میں اس سے زیادہ محبت کرنے والا...... اچھائی کی قدر کرنے والا...... رحم کرنے والا...... انصاف کرنے والا...... چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا......اور بڑی سی بڑی چیز اور مشکل سے مشکل کام کو نیست (عدم) سے ہست (وجود) میں لانے والا اور ناممکن کو ممکن بنا دینے والا، اس کے علاوہ کون ہے؟ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اُٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کے منشاء پر چلا جائے، اپنی جان اپنے ماں باپ اور اولاد اور پیاری سے پیاری چیز سے زیادہ اس سے محبت کی جائے، پھر اس سب کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے، کسی سے دعا والتجا کرنے اور کسی کو کارساز ومشکل کشاء سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ تمام آسمانی صحیفوں اور مذہبوں اور تمام شریعتوں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات پر دیا ہے، اس کے بعد عبادات، طاعات، اور فرائض ومعاملات کی تفصیل بیان کی ہے۔

---

[1] ترجمہ: ''بلاشک وشبہ آپ نے مجھ پر انعامات اور احسانات کی بارش کر دی ہے، لیجیے میں آپ کے عظیم وعالی دربار میں شکر کرنے آپہنچا۔''

سارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور اُردو زبان جاننے والوں کے لئے خصوصاً یہ انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اس زبان کے اندر اگرچہ یہ انوکھا البیلا تو نہیں، البتہ ہمارے علم کے موافق اس طرح کا یہ پہلا کام ہے جو محض توفیقِ الٰہی ہم سے لیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! عربی زبان میں اس پر بے شمار کتب تیار ہو چکی ہیں کہ اسمائے حسنیٰ سے جو اصل مقصد ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اللہ تعالیٰ کی محبت، وہ انسانوں کو بتلایا جائے۔ اس لحاظ سے اس طرح کا کام اُردو زبان میں کم ہوا تھا۔ بِحَمْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی اب یہ کام مکمل ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ایڈیشن میں بندہ اپنے معاونین مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا نہایت ممنون ہے جنہوں نے پروف ریڈنگ، علامات ترقیم اور تصحیح وتخریج میں کافی تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کی قبولیت اور بندہ اور بندہ کے معاونین حضرات کے لئے صدقۂ جاریہ اور نجات کا ذریعہ بننے کے لئے آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس کتاب کو اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور تعلق والوں میں خوب عام کریں، تاکہ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی معرفت اور اللہ ربّ العزت سے محبت پیدا کرنے میں آپ کا بھی حصہ شامل ہو جائے، کیوں کہ انسانی معاشرے میں اگر ''اسمائے حسنیٰ'' سے حاصل ہونے والے اخلاق وصفات آ جائیں تو ہر کنبہ اور معاشرہ جنت کدہ بن سکتا ہے، ہر زمانے اور خاص طور پر مادیت کے اس دور میں ہزار ہا انسانی مسائل کا حل اسمائے حسنیٰ میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسماء مبارکہ کے فیوض وبرکات، انوار واسرار اور اخلاق وآثار نصیب فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبدالمجید

۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

اللّٰہ جلّ جلالہٗ

لفظ ''اللّٰہ'' اسمِ ذات ہے جس کے معنی ہیں ''وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔''

اللہ، اللہ، اللہ، کیا ہی شیریں کلمہ، کیا ہی عمدہ نام ہے اور جس ذات کا یہ نام ہے اس کی بڑائی کا بھی کیا کہنا، بولنے میں یہ کلمہ شیریں، کانوں میں رس گھولنے والا، دل کو محبوب، دھڑکن سے ملا ہوا، موجودات میں پنہاں، دلوں میں منقوش، ضمیر میں جاگزیں اور خون میں رچا بسا ہوا ہے۔

اسی اللہ تعالیٰ کے نام سے ہم ابتداء کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں، اسی کی عظمت کی ہم دُہائی دیتے ہیں، اسی کی بڑائی سے ہم ایمان کی مضبوطی حاصل کرتے ہیں، اسی کی صفات کو ہم محبت سے بیان کرتے ہیں، اور اس کے نبی محمد ﷺ پر ہم درود بھیجتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ ہی وہ ذات ہے جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ہمیں سرفراز کیا، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ دکھلائی اور ہمیں سکھلایا کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کریں، لہٰذا اُن ہی کا ارشاد ہے کہ ''تمہارا ربّ ثنا کو پسند کرتا ہے۔''

انسان کی پیدائش، اس کی قوتِ گویائی اور اس کا علم، اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے، اس کی بزرگی بیان کرنے، اس کی تسبیح اور اس کا ذکر کرنے ہی کے لئے تو ہے۔

اس سے زیادہ مستحقِ تعریف کون ہوسکتا ہے، اس سے بڑھ کر قابلِ مدح کون ہوسکتا ہے؟

اور اس سے بڑھ کر لائقِ بزرگی کون ہوسکتا ہے؟ (ہرگز ہرگز کوئی بھی نہیں ہوسکتا)۔[1]

---

[1] اَللّٰهُ، اللّٰهُ، اللّٰهُ، مَا أَعْذَبَ الْكَلِمَةُ، اَللّٰهُ مَا أَحْسَنَ الإِسْمُ، مَاأَجَلَّ الْمُسَمّٰى، كَلِمَةٌ حُلْوَةٌ فِي النُّطْقِ، عَذْبَةٌ فِي السَّمْعِ، حَبِيْبَةٌ إِلَى الْقَلْبِ، قَرِيْبَةٌ مِّنَ النَّفْسِ، سَاكِنَةٌ فِي الْوُجْدَانِ، مَنْقُوْشَةٌ فِي الْفُؤَادِ، مَحْفُوْرَةٌ فِي الضَّمِيْرِ، مُمْتَزِجَةٌ بِالدِّمَاءِ، بِاسْمِهٖ نَبْدَأُ وَعَلَيْهِ نَتَوَكَّلُ، وَ إِلَيْهِ نَلْجَأُ، وَبِعَظَمَتِهٖ نَشْدُوْ، وَبِجَلَالِهٖ نَشِيْدُ، وَبِصِفَاتِهٖ نَتَرَنَّمُ، وَعَلٰى نَبِيِّهٖ نُصَلِّيْ وَ نُسَلِّمُ. فَهُوَ الَّذِيْ دَعَانَا إِلَى اللّٰهِ...... وَعَرَّفَنَا بِاللّٰهِ......... وَدَلَّنَا عَلَى اللّٰهِ......... وَعَلَّمَنَا كَيْفَ نُثْنِيْ عَلَى اللّٰهِ (فَهُوَ الْقَائِلُ أَمَا إِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الثَّنَاءَ) وَالْقَائِلُ (وَلَاأَحَدَ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ) ......، وَهَلْ أَحَدٌ أَحَقُّ بِالثَّنَاءِ مِنْهُ؟ وَهَلْ خُلِقَ الإِنْسَانُ، وَأُعْطِيَ اللِّسَانُ وَعُلِّمَ الْبَيَانُ إِلَّا لِيُثْنِيَ عَلَى اللّٰهِ وَيُمَجِّدَ اللّٰهَ، وَيُسَبِّحَ اللّٰهَ وَيَذْكُرَ اللّٰهَ؟ مَنْ أَحَقُّ بِالثَّنَاءِ مِنْهُ وَمَنْ أَوْلٰى بِالْمَدْحِ مِنْهُ وَمَنْ أَجْدَرُ بِالتَّمْجِيْدِ مِنْهُ؟ (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد": ۳)

اللہ تعالیٰ سارے جہاں کا رب ہے، وہ رحم کرنے میں سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا، سب سے زیادہ قدرت والا، فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ مضبوط فیصلہ کرنے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اسی کے قبضے میں نفع ونقصان ہے۔ درحقیقت وہی سب سے پہلے موجود تھا، فطرت یعنی اپنی تخلیقات سے وہ پہچانا جاتا ہے اور تمام عقلیں اس کے وجود کا اقرار کرتی ہیں، بل کہ ہر موجود شئے اس کے وجود کی دلیل ہے۔ تمام مخلوقات اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر گواہ ہیں اور انسانی فطرت اس کا اقرار کرتی ہے۔ ہر حرکت وسکون اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے پر دلیل ہے، اس طرح وہ تمام چیزیں جو تھیں، جو ہیں، اور جو ہوں گی، سب کی سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اسی پانی کے ذریعے مختلف اقسام کی کھیتیاں خوب صورت باغات اُگائے اور اس پانی کو ذریعۂ حیات بنا کر تمام مخلوقات کو زمین میں پھیلا دیا۔[1]

اللہ ربُّ العزت سے ہر مصیبت وپریشانی میں مدد طلب کی جاتی ہے۔ تمام اچھائیاں اور بھلائیاں اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے ہوتی ہیں۔ اس کے آگے تمام چہرے خاک آلود ہوتے ہیں، تمام آوازیں پست ہو جاتی ہیں، زمین و آسمان اور تمام موجودات اس کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ سارے عالم کا پیدا کرنے، خطاؤں کو معاف کرنے اور تمام مخفی چیزوں کا جاننے والا ہے، حتیٰ کہ سینوں میں پوشیدہ نیتوں اور خیالات کو بھی جانتا ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت اور حلم ہر چیز پر حاوی ہے، اس کا فیصلہ تمام مخلوق پر غالب ہے۔

وہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس کی محبت کے بغیر روحوں کو سکون نہیں، اس کے ذکر سے غافل دلوں کو قرار نہیں، عقلیں اس کی معرفت کے بغیر پاکیزہ نہیں، اس کی توفیق کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

وہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس کی قربت، نرمی ومہربانی کے بغیر دل زندہ ہو نہیں سکتے۔

وہ اللہ جس کی اجازت نہ ہو تو حکم نافذ نہیں ہوتا، اس کی ہدایت نہ ہو تو گمراہ راہ نہیں پاتا۔

سمجھ نہیں آتی بغیر اس کے سمجھانے سے، مصیبت نہیں ٹلتی بغیر اس کی رحمت سے، کسی کام کا آغاز نہیں ہوتا بغیر اس کے نام سے، کوئی بھی کام پورا نہیں ہوتا بغیر اس کی مدد سے، کوئی بھی کام آسان نہیں ہوتا بغیر اس کے آسان کرنے سے، بخت (قسمت) نہ جاگے بغیر اس کی اطاعت سے۔

اس کی محبت ومعرفت کے بغیر زندگی پھیکی ...... اس کے دیدار وخطاب کے بغیر جنت بے مزہ ...... اس کے علم و

---

[1] اَللّٰہُ ......رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، وَأَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ، وَأَقْدَرُ الْقَادِرِیْنَ، وَأَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ، اَلَّذِيْ لَہُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ، وَبِیَدِہِ النَّفْعُ وَالضَّرُّ، اَلْأَوَّلُ بِالْحَقِّ، اَلْمَوْجُوْدُ بِالضَّرُوْرَۃِ، اَلْمَعْرُوْفُ بِالْفِطْرَۃِ، اَلَّذِيْ أَقَرَّتْ بِہِ الْعُقُوْلُ، وَدَلَّتْ عَلَیْہِ کُلُّ الْمَوْجُوْدَاتِ، وَشَھِدَتْ بِوَحْدَانِیَّتِہٖ وَرُبُوْبِیَّتِہٖ جَمِیْعُ الْمَخْلُوْقَاتِ، وَأَقَرَّتْ بِھَا الْفِطَرُ. اَلْمَشْھُوْدُ وُجُوْدُہٗ وَقَیُّوْمِیَّتُہٗ بِکُلِّ حَرَکَۃٍ وَسُکُوْنٍ، بِکُلِّ مَا کَانَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ وَمَا سَیَکُوْنُ. اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَأَنْبَتَ بِہٖ حَدَائِقَ ذَاتَ بَھْجَۃٍ مِّنْ أَنْوَاعِ النَّبَاتَاتِ، بَثَّ بِہٖ فِي الْأَرْضِ جَمِیْعَ الْحَیَوَانَاتِ. اللّٰہ...... اھل الثناء والمجد: ۳۲

رحمت اور فضل واحسانات کا ہر چیز پر احاطہ...... وہی معبودِ برحق...... وہی حقیقی پروردگار...... اور وہی حقیقی مالک ہے...... ہر اعتبار سے تمام کمالات میں یکتا ہے...... نقص وعیب سے یکسر پاک ہے...... ثناء خواں اس کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے خیال میں اپنی ساری زندگی طرح طرح اور قسم قسم کی تعریفات میں ختم کر دیں، اس کی تعریف اس سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے، اس کی ثناء تو وہی ہے جو بذاتِ خود اس نے اپنے لئے منتخب فرمائی۔

شیخ ناصر بن مسفر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو غالب فرمایا، اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد فرمائی۔ وہ آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ اسی کی تسبیح بیان کرنے میں زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، آسمان اور جو کچھ آسمان میں ہے، سب مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے: ''جو کوئی بھی آسمان وزمین میں ہے سب اسی کے مملوک ہیں اور جو کوئی اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں (یعنی فرشتے) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا، اور اس کا کوئی بھی ہم سر اور برابر نہیں، اور پہاڑوں کو اسی نے نصب فرمایا اور زمین کو بچھایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے، تاکہ وہ (زمین) تم کو لے کر ڈگمگانے (اور ہلنے) نہ لگے اور اس نے نہریں اور راستے بنائے، تاکہ (ان راستوں کے ذریعے سے اپنی) منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔''

اسی نے سمندروں کو چیرا، نہروں کو جاری فرمایا، دن کو رات پر لپیٹا اور رات کو دن پر۔'' [۱]

یہی شیخ ناصر ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی عظمت یوں بیان فرماتے ہیں: ''غلبہ اسی کا ہے، طاقت، عظمت، بڑائی، سلطنت، بادشاہت، فیصلہ اور قوت اسی کی ہے، تعریف، اور پاکی اسی کے لئے ہے۔ کتنی بڑی اس کی شان کتنی ہی قابلِ فخر اس کی بادشاہت، کتنا ہی بلند اس کا مکان، مخلوق سے وہ کتنا ہی قریب تر اور اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔

اسی کے نور سے آسمان وزمین روشن ہیں، اسی کی ذاتِ بابرکت سے اندھیریاں روشنی میں تبدیل ہوگئیں، اس کا جلال آنکھوں سے پوشیدہ ہے، دل کی آنکھیں بھی اسی کی جانب لگی ہوئی ہیں اور سینے کی مخفی زبانیں اسی سے مناجات میں مشغول ہیں۔

آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور نہ ہی وہم وگمان اسے پا سکتے ہیں۔ حوادث اس کی ذات پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور

---

[۱] اَللّٰهُ. أَعَزَّ جُنْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ، عَالِمُ الْخَفِيَّاتِ، فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ، يُدَبِّرُ الْأَمْرَ، وَيُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ، تُسَبِّحُ لَهُ الْأَرَضِيْنَ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَالسَّمٰوٰتُ، قَالَ تَعَالٰی: ﴿ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ١٩) رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ، نَصَبَ الْجِبَالَ، وَمَدَّ الْأَرْضَ ﴿ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (النحل: ١٥). شَقَّ الْبِحَارَ، وَأَجْرَى الْأَنْهَارَ، وَكَوَّرَ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ، وَاللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ. (اَللّٰه أهل الثناء و المجد: ٣٨)

صفات بیان کرنے والے اس کی صفات کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ وہ پہاڑوں کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے، سمندروں کی پیمائش اس کے علم میں ہے، وہ بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد بھی جانتا ہے، اور دن رات میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان کی تعداد سے واقف ہے۔" [1]

اللہ ربُّ العزت احسان کرنے والے ہیں، احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، وہ قدر دان ہیں قدر دانوں کو پسند فرماتے ہیں، جمال والے ہیں جمال کو پسند فرماتے ہیں، پاک ہیں پاکی کو پسند فرماتے ہیں، سخی ہیں سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، توبہ قبول کرتے ہیں توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، حیا والے اور دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالنے والے ہیں، اور حیا والوں اور پردہ پوشی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دیں، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے بھی حیا آتی ہے کہ کسی سفید ریش مسلمان کو عذاب دیں جس نے اپنی جوانی اسلام کی حالت میں گزاری ہو۔ وہ بخشنے والے، معاف کرنے والے ہیں، اور اپنے بندوں میں بھی معاف کر دینے والی صفت کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو بخش دیتے ہیں جب بھی وہ توبہ کرتے ہیں، جب بھی گناہ بڑھ جاتے ہیں بڑے بڑے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں اور دل سخت ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں انسان کو نقصان کا خدشہ ہوتا ہے اور انسان کو محروم ہو جانے کا خوف ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ انسان کو پکارتے ہیں۔

جس کا ترجمہ ہے:

"(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔" [2]

(اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ "اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو" کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیوں کر معاف کرے گا؟ بل کہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کرلے گا یا توبۃ النصوح (گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عزم) کرلے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا)۔

---

[1] اَلْعِزَّةُ لَهُ، وَالْجَبَرُوْتُ لَهُ، وَالْعَظَمَةُ لَهُ، وَالْكِبْرِيَاءُ لَهُ، وَالسُّلْطَانُ لَهُ، وَالْمُلْكُ لَهُ، وَالْحُكْمُ لَهُ، وَالْقُوَّةُ لَهُ، وَالتَّسْبِيْحُ لَهُ، وَالتَّقْدِيْسُ لَهُ، مَا أَعْظَمَ شَأْنَهُ! وَأَفْخَرَ مُلْكَهُ! وَأَعْلٰى مَكَانَهُ! وَأَقْرَبَهُ مِنْ خَلْقِهِ! وَأَلْطَفَهُ بِعِبَادِهِ! أَشْرَقَتْ لِنُوْرِهِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ، وَأَنَارَ بِوَجْهِهِ الظُّلُمَاتُ، وَحُجِبَ جَلَالُهُ عَنِ الْعُيُوْنِ، وَنَفَذَتْ إِلَيْهِ أَبْصَارُ الْقُلُوْبِ، وَنَاجَتْهُ أَلْسِنَةُ الصُّدُوْرِ. لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ، وَلَا تُخَالِطُهُ الْأَوْهَامُ وَالظُّنُوْنُ، وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ، وَلَا يُحِيْطُ بِصِفَاتِهِ الْوَاصِفُوْنَ. عَالِمٌ بِمَثَاقِيْلِ الْجِبَالِ، وَمَكَايِيْلِ الْبِحَارِ، وَعَدَدِ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَالْأَشْجَارِ، وَعَدَدِ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ، وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ. (الله اهل الثناء و المجد: ۳۹)

[2] الزمر: ۵۳

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مہربانی سے پکار رہے ہیں اور انتہائی شفقت سے بلا رہے ہیں: "اے میرے بندے! میری عزت اور جلال کی قسم! اگر تیرے گناہوں سے آسمان و زمین کے درمیان کا خلاء بھر جائے، پھر تو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں کوئی پروا کئے بغیر تجھے بخش دوں۔"

جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے دو ہاتھ قریب ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف چل کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ (باعتبار اپنی شانِ رحمت کے) اس کی طرف دوڑ کر چلتے ہیں۔[1]

تو دروازہ کھلا ہوا ہے، لیکن اس دروازہ سے داخل ہونے والا کون ہے؟

گنجائش وسیع ہے، لیکن قبول کرنے والا کون ہے؟

رسّی تو دراز ہے، لیکن اس کو مضبوطی سے پکڑنے والا کون ہے؟

خیر تو متوجہ ہے، لیکن خیر کے درپے ہونے والا کون ہے؟ نفع کو تلاش کرنے والے لوگ کہاں ہیں۔[2]

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو پالے گا، اور جو اللہ تعالیٰ سے اعراض کر کے اس کو قریب سے بھی پکارے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوگا، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید عطا فرماتے ہیں۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کا خیال رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی مرضی کا خیال رکھتے ہیں، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مدد کو شاملِ حال رکھ کر کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوہے کو بھی نرم فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہم مجلس ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نعمت کے حق دار ہیں۔ اس کے اطاعت گزار بندے اس کی جانب سے اعزاز کے مستحق ہیں، اور گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرماتے۔ اگر وہ توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے محبوب بن جاتے ہیں، اور اگر وہ گناہ گار توبہ نہیں کرتے تو بھی اللہ تعالیٰ ان پر رحیم ہوتے ہیں۔ وہ انہیں مصائب میں مبتلا فرماتے ہیں، تاکہ انہیں عیوب سے پاک کر دیں اور اپنی طرف متوجہ کریں، اللہ تعالیٰ اتنے قدر دان ہیں کہ ایک نیکی ان کے نزدیک دس سے لے کر سات سو نیکیوں کے برابر ہے، بل کہ اس

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات: ۲/۲۰۰

[2] ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر:۵۳) يُنَادِي عَبْدَهُ نِدَاءَ الْمُتَلَطِّفِ، وَيَدْعُوهُ دُعَاءَ الْمُشْفِقِ عَلَيْهِ: "يَا عَبْدِيْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ لَغَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ" وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ شِبْرًا تَقَرَّبَ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ ذِرَاعًا تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بَاعًا، وَمَنْ أَتَاهُ يَمْشِيْ أَتَاهُ هَرْوَلَةً، فَالْبَابُ مَفْتُوْحٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَلِجُ؟ وَالْمَجَالُ مَفْسُوْحٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَقْبَلُ؟ وَالْحَبْلُ مَمْدُوْدٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَتَثَبَّتُ بِهِ؟ وَالْخَيْرُ مَبْذُوْلٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَتَعَرَّضُ لَهُ؟ فَأَيْنَ الْبَاحِثُوْنَ عَنِ الْأَرْبَاحِ، وَأَيْنَ خُطَّابُ الْمِلَاحِ، (اللّٰه اهل الثناء والمجد: ۵۱)

سے بھی بہت زیادہ، اور برائی میں ایک کا شمار ایک ہی ہے۔ اگر بندہ اس برائی/گناہ پر نادم ہو کر معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل کی بھی قدر دانی فرماتے ہیں، خطاؤں کو بہت زیادہ معاف فرماتے ہیں اور سچی توبہ کر لینے والوں کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے تبدیل فرماتے ہیں۔[1]

جب افکار جمع ہونے لگتے ہیں، غم اپنے خیمے گاڑ دیتا ہے، پریشانیاں حد سے بڑھنے لگتی ہیں، بڑے بڑے معاملات رونما ہونے لگتے ہیں، نجات کی راہیں تنگ ہونے لگتی ہیں، تمام حیلے اور خلاصی کے راستے ختم ہوتے نظر آتے ہیں تو پکارنے والا پکارتا ہے:

''اے اللہ! اے اللہ!'' وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بزرگی والا بردبار ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا، جو عرشِ عظیم کا رب ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب ہے، عرشِ کریم کا رب ہے، پس وہی تو ہے جو غموں کو دور کرتا ہے، پریشانیوں کو ختم کرتا ہے، اور مصائب سے نجات عطا فرماتا ہے۔

جب مریض کا مرض بڑھ جاتا ہے اور جسم لاغر ہو جاتا ہے، رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے، خلاصی کے ذرائع اور راستے کمزور اور کم ہوتے نظر آتے ہیں، طبیب عاجز ہو جاتے ہیں، دوا بے اثر ہو جاتی ہے، نفس گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، ہاتھ کپکپانے لگتے ہیں، دل خوف زدہ ہو جاتا ہے، اور مریض بے حال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں مریض اس بلند مرتبہ، بزرگی وعظمت والی ذات کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور پکارتا ہے:

اے اللہ! اے اللہ! اس پکار کی برکت سے بیماری دور ہوتی جاتی ہے، صحت جسم میں سرایت کرنے لگتی ہے اور دعا سن لی جاتی ہے (حتیٰ کہ مریض شفایاب ہو جاتا ہے)۔[2]

وہ اللہ ہی تو ہے جو بیماری بھی پیدا فرماتا ہے کہ ''میرے بندے کسی طرح بھی میری جانب متوجہ تو ہوں'' پھر اس کی مصلحت ہوتی ہے تو بیماری دور کر کے شفا بھی عطا فرماتا ہے، اور اگر بیماری ہی میں مصلحت ہو تو بیماری پر صبر کی بدولت بندہ کو اللہ ربُّ العزت اَجرِ عظیم سے نوازتا رہتا ہے۔

جب کشتی چلتے چلتے گہرے سمندر میں دور نکل جائے، اور تیز وتند ہوائیں چلنے لگیں، فضا بادلوں سے بھر جائے، گھٹا

---

[1] وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ نَادَاهُ مِنْ قَرِيبٍ، وَمَنْ تَرَكَ مِنْ أَجْلِهِ أَعْطَاهُ فَوْقَ الْمَزِيدِ، وَمَنْ أَرَادَ رِضَاهَا أَرَادَ مَا يُرِيدُ، وَمَنْ تَصَرَّفَ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ أَلَانَ لَهُ الْحَدِيدَ؛ أَهْلُ ذِكْرِهِ أَهْلُ مُجَالَسَتِهِ، وَأَهْلُ شُكْرِهِ أَهْلُ زِيَادَتِهِ، وَأَهْلُ طَاعَتِهِ أَهْلُ كَرَامَتِهِ، وَأَهْلُ مَعْصِيَتِهِ لَا يُقَنِّطُهُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ، إِنْ تَابُوا إِلَيْهِ فَهُوَ حَبِيبُهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَتُوبُوا فَهُوَ رَحِيمٌ بِهِمْ، يَبْتَلِيهِمْ بِالْمَصَائِبِ لِيُطَهِّرَهُمْ مِنَ الْمَعَايِبِ. اَلْحَسَنَةُ عِنْدَهُ بِعَشَرَةِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَالسَّيِّئَةُ عِنْدَهُ بِوَاحِدَةٍ، فَإِنْ نَدِمَ عَلَيْهَا وَاسْتَغْفَرَ غَفَرَهَا لَهُ، يَشْكُرُ عَلَى الْيَسِيرِ مِنَ الْعَمَلِ، وَيَغْفِرُ الْكَثِيرَ مِنَ الزَّلَلِ. (''اللّٰه..... أهل الثناء والمجد'': ٥٢)

[2] اللّٰه اهل الثناء و المجد: ٢٦

ٹوپ بادلوں سے تاریکی چھا جائے، بجلی چمکنے لگے، بادلوں کی گرج ہو اور اندھیریاں تہ در تہ ہوں، کشتی موجوں میں ڈولنے لگے، کلیجے منہ کو آنے لگیں، کشتی ڈوبتی نظر آئے اور موت کی سواری تیار کھڑی ہو، ایسے میں دل کی گہرائیوں سے جس ذات کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے، اندر سے آواز آتی ہے کہ اب بچانے والی ذات صرف اور صرف ایک اللہ ہی کی ہے، اسی کی جانب دل متوجہ ہو جائیں اور آوازیں آنے لگیں: یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہو جائے، سخت اندھیرے میں روشنی پھوٹ پڑے، اور ہلاکت کی تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے ختم ہو جائیں۔

جب طیارہ آسمان کے اُفق پر اڑتا ہے پھر آسمان و زمین کے درمیان معلق ہو جاتا ہے، تند و تیز ہوائیں چلنے لگتیں ہیں اور جہاز کا کوئی پرزہ کام کرنا چھوڑ دے تو ہواباز (پائلٹ) بھی دہشت زدہ ہو جائے، اور سواریاں بھی پھنس کر رہ جائیں، آوازوں کا شور پیدا ہو، مرد رونے لگیں، عورتیں چلانے لگیں، بچے بلبلانے لگیں، سب پر رعب طاری ہو جائے، خوف اپنے خیمے گاڑ دے، اور گھبراہٹ بڑھ جائے، پکار میں آہ و زاری شروع ہو جائے اور ہر ایک کو اپنی موت آنکھوں سے دکھائی دینے لگے، کہ اب آئی، اور اب آئی، حفاظت کے سارے اسباب ختم ہوتے دکھائی دیں، ہلاکت و موت اپنے سارے اسباب و وسائل سمیت سامنے آجائے۔

اس وقت بھی انسان کی نگاہ حفاظت کے لئے اسی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس کو وہ بھول چکا ہوتا ہے، جو حقیقی محافظ ہے، پھر وہ ہر طرف سے دھیان ہٹا کر یک سوئی سے پکارتا ہے اور دعا کرنے لگتا ہے، اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! پس اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہو جائے، رحمت نازل ہونا شروع ہو، احسانِ عظیم کی برکت سے دل پر سکون ہو جائیں، تمام جانیں سکون پا جائیں، اور جہاز سلامتی کے ساتھ اُتر جائے۔[1]

وہ اللہ ہر دن ایک نئی شان میں ہوتے ہیں، وہ گناہوں کو بخش رہے ہیں، تکلیفوں کو دور کر رہے ہیں، کسی قوم کو بلند مقام عطا فرما رہے ہیں اور کسی قوم کو پست مقام، مردہ کو زندہ فرما رہے ہیں اور زندہ کو مردہ، پکارنے والے کی فریاد کو سن رہے ہیں اور بیمار کو شفا دے رہے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں عزت بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ذلیل فرما دیتے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑتے ہیں، فقیر کو مال دار بنا دیتے ہیں، جاہل کو عالم بناتے ہیں، گمراہ کو ہدایت دیتے ہیں اور حیران و پریشان شخص کی راہ نمائی فرماتے ہیں اور ننگے کو کپڑا پہناتے ہیں۔

وہ مصیبت زدہ کو عافیت عطا فرماتے ہیں، توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، نیکی کرنے والے کو اچھا بدلہ عطا فرماتے ہیں، مظلوم کی مدد فرماتے ہیں۔[2]

---

[1] اللّٰہ اهل الثناء والمجد: ۲۷

[2] اَللّٰهُ.. "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ"، يَغْفِرُ ذَنْباً، وَيُفَرِّجُ كَرْباً، وَيَرْفَعُ قَوْماً، وَيَضَعُ آخَرِيْنَ، وَيُحْيِ مَيِّتاً، وَيُمِيْتُ حَيًّا، وَيُجِيْبُ دَاعِياً، وَيَشْفِيْ سَقِيْماً، وَيُعِزُّ مَنْ يَّشَآءُ، وَيُذِلُّ مَنْ يَّشَآءُ، وَيَجْبُرُ كَسِيْراً، وَيُغْنِيْ فَقِيْراً، وَيُعَلِّمُ جَاهِلاً، وَيَهْدِيْ ضَآلاً، وَيُرْشِدُ حَيْرَانَ، =

لفظ اللّٰہُ ''أَلِہَ یَأْلَہُ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ ہے عطا کرنا، تو ذاتِ باری تعالیٰ کو ''اللّٰہُ'' اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عطا کرتا ہے، بل کہ صرف وہی عطا کرتا ہے اور کیا کچھ عطا نہیں کرتا۔ زندگی...... جسم ...... ہاتھ...... پاؤں...... بصیرت و بصارت...... سماعت و حرکت، غور و فکر کی قوت اور صلاحیت، دل اور دل میں ایمان کا نور، دماغ اور دماغ میں فکر کا شعور، یہ سب کچھ اسی کا عطا کردہ ہیں۔[1]

صاحبِ روح البیان نے اپنی تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرعون نے بھی اپنا نام اللہ نہ رکھا، اس لئے کہ وہ اس پر قادر نہ تھا، بل کہ اس نے اپنی قوم والوں سے یہ کہا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾[2] ''میں تمہارا بڑا رب ہوں۔[3]''

سرسوں کے دانے کی بساط کیا ہے، تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین کے سخت پردے کو چیرتا ہوا نرم و نازک سبز پتی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

شبنم کی بوندیں جن کو تم ذرا بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اس نوزائیدہ نونہال کی پیاس بجھاتی ہیں۔

سورج کی کرنیں جن کی روشنی کو تم روز پاؤں تلے کچلتے ہو، اس کو اپنی تیز و گرم، مگر مہربان گود میں لے کر پرورش کرتی ہیں۔

ہوا کے جھونکے اس نازک ترین پودے کو جھولا جھلاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ بچہ جوان ہو جاتا ہے، تم نے دیکھا کہ ذرا سے پودے کی کس سلیقہ، ترتیب اور نظم و ضبط کے ساتھ پرورش ہوئی۔ یہ اسباب جن کو کسی طرح بھی اتفاق نہیں کہا جا سکتا اس کی نشو و نما کے لئے جمع ہوئے، آخر اس ماحول کو پیدا کر کے اس کو سازگار اور ان سب اسباب کو جمع کرنے والی اس قوت کا نام ''اللہ'' ہے۔

یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے

یہ نام اس وقت بھی تھا جب کائنات میں کچھ بھی نہ تھا، اور اس وقت بھی ہوگا جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے۔ یہ دنیا اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کسی ایک زبان پر بھی یہ مقدس نام جاری رہے گا، اور اگر کوئی ایک زبان بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے ''اللہ اللہ'' کہنے والی باقی نہ رہی تو اس ساری کائنات کو لپیٹ دیا جائے گا۔

آسمان کی قندیلیں بجھادی جائیں گی، دریاؤں اور سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، پھولوں کا تبسم؛ عنادل کا معصوم

= وَيُغِيْثُ لَهْفَانَ، وَيَفِكُّ عَانِياً وَيُشْبِعُ جَائِعاً، وَيَكْسُوْ عَارِياً، وَيَشْفِي مَرِيْضاً، وَيُعَافِي مُبْتَلًى، وَيَقْبَلُ تَائِباً، وَيَجْزِي مُحْسِناً، وَيَنْصُرُ مَظْلُوْماً. (اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ۳۰)

[1] خزینه: ۳٦　　[2] النّٰزعٰت: ٢٤　　[3] اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ٢٤

شور، حسین صبحوں کی انگڑائیاں، ٹھنڈی راتوں کا سکون اور زندگی کے دل لبھانے والے نظارے موقوف ہو جائیں گے۔

یہ نام ہر مذہب والے کی زبان پر ہے۔ کسی نے اُسے "پرمیشور" کہہ کر پکارا، کسی نے "برہمن" کہہ کر، کسی نے "رام رام" کہہ کر، کسی نے "آہور مزدا" کہہ کر، کسی نے "الاھیا اور یزدان" اگر گوشِ ہوش (ہوش کے کانوں) کے ساتھ سنا جائے تو پھولوں کی مسکراہٹ ......، چڑیوں کی چہچہاہٹ ......، پتوں کی سرسراہٹ ...... اور کرنوں کی جگمگاہٹ ...... میں سے "اللہ اللہ" ہی کی آواز آتی اور اس کی قدرت جلوہ نما ہوتی ہے۔

یہ نامِ گرامی ایسا بابرکت نام ہے کہ اس کے پڑھنے والے محروم نہیں رہتے، انبیاء، اولیاء، صلحاء، اتقیاء سب ہی نے اسی نام کی صدائیں بلند کیں۔ اس نام کو حضرت آدم علیہ السلام نے وردِ زبان کیا تو ان کا اضطراب سکون میں بدل گیا۔

اس نام کی برکت سے حضرت زکریا علیہ السلام کے بڑھاپے کی خزاں میں یحییٰ علیہ السلام جیسا پھول کھلا۔

اس نام کی تاثیر سے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے دہکتا ہوا لاوا گلشن بن گیا۔ اس "اللہ" کو یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پکارا تو غم سے نجات ملی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پکارا تو پتھر سے چشمے رواں ہو گئے اور اُچھلتا کودتا دریا خشک ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "اللہ" کا نام لیا تو نابینا، بینا ہو گیا، کوڑی تندرست ہو گیا، مردہ زندہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "اللہ" کا نام لیا تو ایک کافر کے ہاتھ سے آپ پر سونتی ہوئی تلوار گر پڑی، کنکریاں بول اٹھیں، چاند دو ٹکڑے ہو گیا، چٹانوں سے زیادہ سخت دلوں میں ہدایت کے چشمے اُبل پڑے، عرب کے شہر اور بستیاں رُشد و صلاح کے نور سے جگمگا اٹھیں۔

اسمِ اعظم

یہ اسم مبارک اکثر علماء کے نزدیک ننانوے اسمائے حسنیٰ سے زیادہ عظمت والا ہے، اس لئے کہ یہ ساری صفات کا جامع ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْاِسْمُ الْأَعْظَمُ هُوَ اللّٰهُ لٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُ" وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ سِوَى اللّٰهِ۔[1]

اسمِ اعظم لفظِ "اللہ" ہی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کو اس مبارک نام سے پکاریں تو آپ کے دل میں کسی اور کا خیال تک نہ آئے۔ اس اسمِ جلالی کی خصوصیت یہ ہے کہ علماء نے فرمایا ہے: "یہ اسم تمام صفاتِ کمالیہ و جمالیہ کا جامع ہے۔" جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ إِنَّ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى هُوَالْجَامِعُ لِجَمِيْعِ مَعَانِي الْأَسْمَآءِ الْحُسْنٰى، وَالصِّفَاتِ الْعُلٰى۔[2]

"اللہ تعالیٰ کا اسم (یعنی لفظِ اللہ) تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی اور تمام بلند صفات کے مفہوم کو جمع کرنے والا ہے۔"

---

[1] المرقات شرح المشکاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵/۷۵ [2] بدائع الفوائد: ۲/۲۴۹

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل ۱۵)
"اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیے تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے۔"

اور یہ اسم ربِّ اعلیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا اطلاق ہمیشہ سے صرف اسی "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" کی ذات پاک کے لیے ہوا ہے۔ جس طرح کوئی اس کی ذات اور صفات میں اس کا شریک وحصہ دار نہیں۔ اسی طرح اس اسم اعظم میں بھی اُس کا کوئی ساتھی نہیں۔ اسی وجہ سے تمام اولیاء اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اسمِ ذات ہی اسم اعظم ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی لفظِ "اَللّٰہُ" ہی کو اسمِ اعظم فرمایا ہے، جیسا کہ امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے۔

"امام طحاوی، امام ابن قیم اور امام رازی رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے کہ اسمِ اعظم لفظِ "اَللّٰہُ" ہے جو کہ اللہ ربُّ العزت کا نام ہے۔ (اب لفظ "اَللّٰہُ" کے اسمِ اعظم ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ:

❶ لفظ "اَللّٰہُ" تمام اسمائے حسنیٰ اور تمام اعلیٰ صفات پر دلالت کرتا ہے۔"

❷ یہ اسم یعنی "اَللّٰہُ" اللہ ربُّ العزت کی ذات کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مطلب یہ ہے: کیا تم کسی ایسی ذات کو جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کی ہم نام (ہم صفات) ہو؟[1] حالاں کہ ایسا نہیں۔ لفظ "اَللّٰہُ" صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات پر بولا جاتا ہے۔

❸ تمام اسمائے حسنیٰ لفظِ "اَللّٰہُ" ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہو وہ منسوب سے افضل ہوتا ہے۔ تو اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوا کہ اصل موصوف لفظ "اَللّٰہُ" ہے۔ لہٰذا لفظ "اَللّٰہُ" تمام اسمائے حسنیٰ میں سب سے زیادہ افضل ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یوں کہا جاتا ہے "رحمٰن، رحیم، ملک، قدوس" یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، لیکن یوں نہیں کہا جاتا کہ "اَللّٰہُ" رحمٰن کا نام ہے یا "اَللّٰہُ" رحیم کا نام ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اسمائے حسنیٰ میں اصل اسم "اَللّٰہُ" ہے۔

❹ اللہ ربُّ العزت کے ارشاد کا ترجمہ ہے:

"کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔"[2]

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان ہی دو ناموں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے، پھر ان میں بھی نامِ مبارک "اَللّٰہُ" "اَلرَّحْمٰنُ" سے اشرف وافضل ہے۔ دو وجوہات کی بناء پر:

① اس آیت میں لفظِ "اَللّٰہُ" کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور "اَلرَّحْمٰنُ" کو بعد میں جس سے لفظ "اَللّٰہُ" کا افضل ہونا معلوم ہوا۔

② اسم "اَلرَّحْمٰنُ" کمالِ رحمت پر دلالت کرتا ہے جب کہ کمالِ قہر، غلبہ، عظمت، قدس اور عزت پر دلالت نہیں کرتا، جب کہ "اَللّٰہُ" اسم مبارک ان تمام صفات پر بھی دلالت کرتا ہے۔ (جس سے اس کا اشرف ہونا معلوم ہوا)

---

[1] مریم: ٦٥ [2] بنی اسرائیل: ۱۱۰

ان چند وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمِ اعظم لفظ ''اَللّٰہُ'' ہی ہے۔[1]

اللہ ربُّ العزت کے نام کا ادب

واقعۂ نمبر ①: ❶ ایک بزرگ حضرت بشر بن حافی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے پوچھا گیا کہ آپ کی اللہ کے ہاں مقبولیت کا کیا سبب ہے اس لئے کہ آپ کا نام لوگوں میں اس طرح مشہور ہے جیسے کسی نبی کا نام ہوتا ہے۔ فرمانے لگے:

یہ محض اللہ ربُّ العزت کا فضل ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں، میں ایک گناہ گار اور عیاش طبیعت آدمی تھا۔ ایک مرتبہ راستے سے گزرتے ہوئے ایک کاغذ پر نظر پڑی، میں نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا تو اس میں ———————۔ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کاغذ کو صاف کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ میرے پاس اس وقت صرف دو درہم تھے اور ان دو درہموں کے علاوہ میں کسی اور چیز کا مالک نہ تھا، میں عطر فروش کی دکان پر گیا اور ان دو درہموں سے میں نے ''غالیہ'' خوشبو خریدی۔ (غالیہ ایک خوشبو ہے جو مشک، عنبر، عود اور دُہن سے ملا کر بنائی جاتی ہے) اور وہ خوشبو اس کاغذ میں مل دی۔ اس رات جب میں سویا تو خواب میں میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا بِشْرَ بْنَ الْحَارِثِ! رَفَعْتَ اسْمَنَا عَنِ الطَّرِيْقِ وَطَيَّبْتَهٗ لَأُطَيِّبَنَّ اسْمَكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

تَرْجَمَۃ: اے بشر بن حارث! تو نے ہمارے نام کو راستے سے اٹھا کر صاف کر کے معطر کیا ہے، ہم تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے۔[2]

❷ اللہ تعالیٰ کا نام ادب سے لینا چاہیے، جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں تو ''تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى'' یا ''تَعَالٰى'' یا ''رَبُّ الْعِزَّتْ'' یا ''جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ'' ضرور لگائیں، لکھنے میں بھی اور بولنے میں بھی۔

---

[1] (وَقَدِ اخْتَارَ الْقَوْلَ بِأَنَّ الْإِسْمَ الْأَعْظَمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى هُوَ (اللّٰه).

① فَاسْمُ اللّٰهِ دَالٌّ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى وَالصِّفَاتِ الْعُلْيَا.

② إِنَّ هٰذَا الْإِسْمَ مَا أُطْلِقَ عَلٰى غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم: ٦٥) أَيْ هَلْ تَعْلَمُ مَنِ اسْمُهٗ (اللّٰه) سِوَى اللّٰهِ.

③ سَائِرُ الْأَسْمَاءِ مُضَافَةٌ إِلَيْهِ وَلَا مَحَالَةَ أَنَّ الْمَوْصُوْفَ أَشْرَفُ مِنَ الصِّفَةِ وَلِأَنَّهٗ يُقَالُ الرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ، الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ مُلْحَقًا مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يُقَالُ اَللّٰهُ اسْمُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَدَلَّ هٰذَا عَلٰى أَنَّ الْإِسْمَ هُوَ الْأَصْلُ.

④ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ (الاسراء: ١١٠) خَصَّ هٰذَيْنِ الْإِسْمَيْنِ بِالذِّكْرِ ثُمَّ إِنَّ اسْمَ (اللّٰه) أَشْرَفُ مِنْ إِسْمِ (الرَّحْمٰن) أَمَّا أَوَّلًا فَلِأَنَّهٗ يُقَالُ قَدَّمَهٗ فِي الذِّكْرِ. ثَانِياً اِسْمُ الرَّحْمٰنِ يَدُلُّ عَلٰى كَمَالِ الرَّحْمَةِ وَلَا يَدُلُّ عَلٰى كَمَالِ الْقَهْرِ وَالْغَلَبَةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْقُدْسِ وَالْعِزَّةِ وَأَمَّا اسْمُ اللّٰهِ فَإِنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى كُلِّ ذَالِكَ فَثَبَتَ أَنَّ اسْمَ ''اللّٰهِ'' تَعَالٰى أَشْرَفُ (ملخصاً عن النهج الأسمٰى: ١/٦٧، ٦٩)

[2] كتاب التّوابين للعلامة مقدسی: ٢٢٦

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے دورانِ وعظ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اس قدر بڑی شان ہے کہ اگر شاہانِ دنیا کی طرح اس کے خطاب کے لئے مناسبِ شان القاب وآداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار بھی اس کے نام لینے کی نوبت نہ آتی، القاب وآداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے، لوگ نام لینے کے لئے ترس جاتے، لیکن "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کیا رحمت ہے کہ اپنے نام لینے کے لئے کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔

جس وقت اور جس حالت میں جی چاہے اس کا نام لے کر خطاب کر سکتے ہیں، بجز چند خاص موقعوں اور چند خاص حالات کے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا خلافِ ادب ہے، غریب سے لے کر امیر تک اور عابد وزاہد سے لے کر فاسق و فاجر تک، ہر شخص کو بے تکلف خطاب کرنے کی اجازت ہے، ورنہ اس کی عظمت وجلال کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہماری زبان اگر سات سمندر کے پانی سے بھی دھوئی جاتی تب بھی اس کے نام لینے کے قابل نہ ہوتی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

ہزار بار گر بشویم دہن زمشک و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

تَرْجَمَکَ: اگر ہم ہزار بار اپنی زبان کو مشک وگلاب سے دھوڈالیں، پھر بھی زبان سے آپ کا نام لینا بے ادبی ہے۔
مگر قربان جایئے اس کی رحمت پر کہ اپنا نام لینا بندوں پر کس قدر آسان فرما دیا۔[1]

اللہ تعالیٰ کا نام بے گانوں کو یگانہ بناتا ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اسلامی معاشرہ، اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت اور اس کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت تب جائز ہوتی ہے جب وہ "اَللّٰہُ" کا نام بیچ میں لائیں، اللہ تعالیٰ کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے...... دُور کو نزدیک کرتا ہے...... غیروں کو اپنا بناتا ہے...... اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی ان کو ایسا قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیقِ حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں۔

شوہر اور بیوی کا تعلق محبت واعتماد کا تعلق ہے جو بے تکلفی، اعتماد، سادگی، فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام کا کرشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا/ غیر تھی، آج وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتا ہے/ جاتی ہے ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

---

[1] کتاب حسن العزیز: ۸

یہ ایک قرآنی معجزہ ہے کہ ﴿تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ﴾[1] کہہ کر انسانی معاشرے کا باہمی ارتباط...... پیوستگی...... وابستگی ...... اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا، ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع وعمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔ پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہیے۔[2]

بے چینی دور کرنے کے لئے دل میں اللہ کا نام بسا لیں

جس نے اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں بسا لیا، اس نے سکون و آرام پا لیا اور جس نے اپنے دل کو لوگوں سے کچھ ملنے کی اُمید میں، یا کچھ چھن جانے کے خوف میں الجھا دیا تو وہ پریشان ہو جائے گا اور بے چینی اس پر غالب آ جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے محبوب بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو اپنی محبت کے لیے منتخب کرتے ہیں اور اپنی عبادت کے لیے خاص کرتے ہیں، اس کی زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتی ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ سے تعلق کے ذریعے غم کی اندھیری رات ایک دن ضرور ختم ہو گی

یہ دنیا آزمائشوں کا مقام، مصائب کا مکان اور ایک امتحان گاہ ہے، آخرت کی کھیتی ہے۔

اس دنیا میں انسان پر طرح طرح کے حالات آتے ہیں، یہ حضرت انسان کبھی خوش ہوتا ہے اور کبھی غم کا شکار، ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے، لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ سارے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، اگر انسان پر ہمیشہ ایک ہی حالت رہتی تو وہ دوسری چیز کی قدر کیسے کرتا؟

غم بھی ایک ایسی کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر بعض اوقات آتی ہے، لیکن یہ ہمیشہ نہیں رہتی۔ یہ قرآنی قانون ہے ﴿إِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا﴾[4] یعنی ہر تنگی کے ساتھ دو راحتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے کسی بھی شخص کو غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، بل کہ ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی دنیا میں اچھا بدلہ اور ایسی راحت عطا فرماتے ہیں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور آخرت کا اجر تو کہیں نہیں گیا (وہ یقیناً ملے گا)۔ اس لئے کہ جس ذات نے یہ ہموم و غموم نازل فرمائے ہیں وہ ان غموں کو دور کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس ذات کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ مصیبت زدہ شخص اور پریشان اور بے چین شخص کے لئے عربی کے چند اشعار ذکر کئے جاتے ہیں جن میں شاعر نے اللہ

[1] النساء: ۱ [2] قرآنی افادات: ۱۹۹ [3] مَنْ وَطَّنَ قَلْبَهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ سَكَنَ وَاسْتَرَاحَ، وَمَنْ أَرْسَلَهٗ فِي النَّاسِ اِضْطَرَبَ وَاشْتَدَّ بِهِ الْقَلَقُ، إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِصْطَنَعَهٗ لِنَفْسِهٖ، وَاجْتَبَاهُ لِمَحَبَّتِهٖ، وَاسْتَخْلَصَهٗ لِعِبَادَتِهٖ فَشَغَلَ هَمَّهٗ بِهٖ وَلِسَانَهٗ بِذِكْرِهٖ وَجَوَارِحَهٗ بِخِدْمَتِهٖ. (فوائد الفوائد: ۲۶۳) [4] الانشراح: ۶

کے نام کے ساتھ تسلی حاصل کرنے کے لئے کہا ہے، ان اشعار کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا مشکل ہے، خصوصاً عربی زبان کی حلاوت وحرارت منتقل نہیں ہوسکتی، اِس کے باوجود اِس کا مفہوم پیش کیا جارہا ہے۔

ان اشعار[لہ] کو اپنی میز پر لگا لیجئے اور یاد کر لیجئے

❶ ''اے غمزدہ! غم تو (عن قریب) ختم ہونے والے ہیں، یہ سوچ کر خوش ہو جاؤ کہ کوئی بھی غم ہمیشہ انسان پر نہیں رہتا، اس لئے کہ ہرغم کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں۔

❷ مایوسی بسا اوقات انسان کی تمام صلاحیتیں ختم کر دیتی ہے، تو ہرگز مایوس نہ ہو! گو یہ سمجھ کہ اللہ نے (غم ختم کر کے) وُسعت دے دی یقین کر لے کہ غم کی اندھیری رات ختم ہوگئی۔

❸ اُن چیزوں سے جن سے تم نے پناہ چاہی ہے اللہ تمہارے لئے کافی ہے، اور خود ہی غور کرلو کہ اُس سے زیادہ محفوظ کون ہوگا جس کی نگرانی کرنے والا اللہ ہو، یعنی جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔

❹ مصیبتیں چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائیں، ان سب میں تمہارے لئے اللہ کافی ہیں۔

❺ تم پریشانیوں میں تسلی رکھو! اس لئے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے اور اللہ کی طرف سے جو فیصلہ ہو جائے اس میں بھلائی ہی ہوتی ہے۔

❻ اے میرے نفس! جو اللہ نے مقدر کیا ہے اس پر صبر کر اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کہ فیصلہ کرنے والا اللہ

[لہ]

يَا صَاحِبَ الْهَمِّ إِنَّ الْهَمَّ مُنْقَطِعٌ	أَبْشِرْ بِذَاكَ فَإِنَّ الْكَافِيَ اللّٰهُ
أَلْيَأْسُ يَقْطَعُ أَحْيَانًا بِصَاحِبِهٖ	لَا تَيْأَسَنَّ كَأَنَّ قَدْ فَرَّجَ اللّٰهُ
أَللّٰهُ حَسْبُكَ مِمَّا عُذْتَ مِنْهُ بِهٖ	وَمَنْ أَمْنَعُ مِمَّنْ حَسْبُهُ اللّٰهُ
هُنَّ الْبَلَايَا وَلٰكِنْ حَسْبُنَا اللّٰهُ	وَاللّٰهُ حَسْبُكَ فِيْ كُلٍّ لَكَ اللّٰهُ
هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الصَّانِعَ اللّٰهُ	وَالْخَيْرُ أَجْمَعُ فِيْمَا يَصْنَعُ اللّٰهُ
يَا نَفْسِ صَبْرًا عَلٰى مَاقَدَّرَ اللّٰهُ	وَسَلِّمِيْ تَسْلِيمِيْ فَالْحَاكِمُ اللّٰهُ
يَارُبَّ مُسْتَصْعَبٍ قَدْ سَهَّلَ اللّٰهُ	وَرُبَّ شَرٍّ كَثِيْرٍ قَدْ وَقَى اللّٰهُ
إِذَا بَكَيْتَ فَثِقْ بِاللّٰهِ وَارْضَ بِهٖ	إِنَّ الَّذِيْ يَكْشِفُ الْبَلْوٰى هُوَ اللّٰهُ

(سمير المؤمنين: ١٩٦)

بے چین وغمگین لوگوں کے لئے بندہ نے بتوفیقِ الٰہی ایک کتاب تیار کی ہے جس کا نام ''پریشان رہنا چھوڑ دیجئے'' ہے ہر پریشان حال شخص کے لئے یہ کتاب اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اُلجھن، ٹینشن، ڈپریشن ختم کرنے کے لئے بہت مفید رہے گی۔

ہے۔

۷ کتنے ہی تکلیفوں میں پڑے ہوئے لوگوں کی مصیبتوں کو اللہ نے آسان کر دیا اور ڈھیر سارے فتنوں سے اللہ نے بچایا۔

۸ جب تو آنسو بہائے تو اللہ پر بھروسہ کر اور اس سے راضی ہو جا، اس لئے کہ مصائب و تکالیف دور کرنے والا اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معیت کے استحضار کا واقعہ

واقعہ نمبر ۲: حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جارہے تھے، خدام ساتھ تھے، کھانے کا وقت ہو گیا، خدام نے دستر خوان بچھایا، سب کھانے کے لئے بیٹھے۔ ایک چرواہا بکریاں چراتا ہوا گزرا، اُس نے سلام کیا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اُس نے کہا: ''میرا روزہ ہے۔''...... حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

''اس قدر سخت گرمی کے زمانے میں کیسی لو چل رہی ہے اور جنگل میں تو روزہ رکھ رہا ہے؟''

اُس نے عرض کیا: ''میں اپنے ایامِ خالیہ کو وصول کر رہا ہوں (یعنی دنیا کے اوقات کو قیمتی بنا رہا ہوں)''

یہ قرآنِ پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ تھا، جو ''سورۃ الحاقّۃ'' میں ہے کہ حق تعالیٰ جنتی لوگوں کو فرمائیں گے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾[1]

ترجمہ: ''(ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ، ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے ہوئے زمانے میں (دنیا میں) کیے ہیں۔''

یعنی قیامت کے دن کہا جائے گا: ''دنیا میں تم نے اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اُٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں خوب رج (پیٹ بھر کر) کر کھاؤ پیو۔''[2]

اس کے بعد حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے امتحان کے طور پر اُس سے کہا: ''ہم ایک بکری خریدنا چاہتے ہیں، اُس کی قیمت بتا دو اور لے لو، ہم اس کو ذبح کریں گے اور تمہیں بھی گوشت دیں گے کہ افطار میں کام دے گا۔'' اُس نے کہا: ''یہ بکریاں میری نہیں ہیں میں تو غلام ہوں، یہ میرے سردار کی بکریاں ہیں۔'' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: سردار کو کیا خبر ہوگی، اُس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔'' اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

''فَأَيْنَ اللّٰهُ''...... تو اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی وہ پاک پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ جب وہ مالک الملک

---

[1] الحاقة: ٢٤ [2] تفسیر عثمانی: ۷۵۲ حاشیة: ۱۰

دیکھ رہا ہے تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ بھیڑیا کھا گیا)۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تعجب اور مزے سے بار بار فرماتے تھے کہ ایک چرواہا کہتا ہے:

''أَیْنَ اللّٰہُ، أَیْنَ اللّٰہُ'' (اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے۔)

اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہر میں واپس تشریف لائے تو اُس غلام کے آقا سے غلام کو اور بکریوں کو خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اُسی کو ہبہ کر دیں۔[1]

یہ اُس وقت کے چرواہوں کا حال تھا کہ اُن کو جنگل میں بھی یہ فکر تھی کہ اللہ دیکھ رہے ہیں۔

غیر اللہ کو دل سے نکالنے کی دعا

انسان کو چاہئے کہ دل پر ایسی محنت کرے کہ اس دل میں اللہ کے سوا نہ کسی سے امید باقی رہے، نہ اللہ کے غیر کا خوف رہے، اس نعمت کے حصول کے لئے ایک دعا اور ایک حدیث یاد کر لیں، دعا بار بار مانگتے رہیں اور حدیث کا اکیلے میں مراقبہ کرتے رہیں، سوچیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی یہ کیفیت اور یہ نعمتِ عظیمہ حاصل ہوگی کہ پھر اللہ کے غیر سے امید اور خوف ختم ہو جائے گا۔ دعا یہ ہے:

''اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَآئَكَ وَاقْطَعْ رَجَآئِیْ عَمَّنْ سِوَاكَ فَلَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَكَ''[2]

تَرْجَمَہ: اے اللہ! میرے دل میں صرف اور صرف اپنے سے امید پیوست فرما دے اور میرے دل سے اپنے غیر کی امید ختم فرما دے، یہاں تک کہ میں کسی سے بھی آپ کے سوا اُمید نہ رکھوں۔

مخلوق ہم پر مسلط ہوگی یا ہمارے لئے مسخر ہوگی

وَاقِعَہ نمبر ③: حضرت وہب بن ابان قرشی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک سفر میں گئے، وہ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں کچھ لوگ کھڑے ہوئے ملے، انہوں نے پوچھا:

''کیا بات ہے! یہ لوگ کیوں ایک جگہ کھڑے ہیں؟''

لوگوں نے بتایا: ''آگے راستے پر ایک شیر ہے جس سے یہ خوف زدہ ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی سواری سے نیچے اترے اور چل کر اس شیر کے پاس گئے، اس کے کان کو پکڑ کر مروڑا اور اس کی گردن پر تھپڑ مار کر اسے راستے سے ہٹا دیا پھر (واپس آتے ہوئے اپنے آپ سے) فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں غلط بات نہیں فرمائی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِنَّمَا یُسَلَّطُ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ مَاخَافَهُ ابْنُ اٰدَمَ، وَلَوْأَنَّ ابْنَ اٰدَمَ لَمْ یَخَفْ إِلَّا اللّٰهَ لَمْ یُسَلَّطْ

---

[1] أسد الغابة: ۳۳۸/۳ [2] تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۹۳

عَلَيْهِ غَيْرَهُ، وَ إِنَّمَا وُكِّلَ ابْنُ آدَمَ لِمَنْ رَجَا ابْنُ آدَمَ، وَلَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ لَمْ يَرْجُ إِلَّا اللّٰهَ لَمْ يَكِلْهُ إِلٰى غَيْرِهٖ"[1]

ترجمہ: ابنِ آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے جس سے ابنِ آدم ڈرتا ہے، اگر ابنِ آدم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے نہ ڈرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی چیز مسلط نہ ہو، ابنِ آدم اسی چیز کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس چیز سے اسے نفع ونقصان ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ اگر ابنِ آدم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے نفع یا نقصان کا یقین نہ رکھے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے کسی اور چیز کے بالکل حوالہ نہ کرے۔

"وَمَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا يَهْرُبُ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَخَافُ مِنْ شَيْءٍ سِوَاهُ."[2]

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی عظمت وصفات کے ساتھ پہچان لیا تو وہ کسی چیز سے نہیں بھاگے گا اور اللہ کے سوا کسی دوسری چیز سے خوف نہیں کھائے گا۔

آپ بڑے سے بڑے طاقت ور، بہادر سے بہادر جرنل، کرنل، جنات، بھوت، جادو اور آسیب وغیرہ کا خوف دِل سے نکال لیجئے کیوں کہ کوئی جن، بھوت اللہ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا، جیسے ایک چیونٹی راستے کے بیچ میں پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی کسی نے پوچھا خیر تو ہے کیوں بیٹھی ہو؟

کہنے لگی: سنا ہے یہاں سے آج ہاتھی گزرے گا تو اس کا راستہ روکنے بیٹھی ہوں یہ تو ایک کمزور مخلوق اور طاقت ور مخلوق کی مثال ہے کہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تعجب خیز اور کھیل معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، مخلوق کتنی بھی طاقت ور اور زور آور ہو، لیکن اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لہٰذا مخلوق کا دل سے اثر نکال لیجئے تو پھر وہ مخلوق آپ کے قدموں میں مسخر ہو جائے گی اور اگر مخلوق کا خوف، تأثر دل میں بٹھا لیا تو وہ مخلوق خواہ کتنی ہی کمزور ہو سر پر مسلط ہو جائے گی۔

"اَللّٰهُ مَعِيْ" ...... افضل الایمان ہے

"اللہ میرے ساتھ ہیں" کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے، لیکن اس کا استحضار (یقین) گناہوں سے بچانے کے لئے اور گھبراہٹ اور ٹینشن سے نجات کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ آدمی اکیلے میں بیٹھ کر سوچے کہ اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔ سورۂ حدید میں، خود اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾[3]

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

---

[1] كنز العمال: ٢٠٦/١٣ رقم الحديث ٣٧٢٥٤ [2] عُلُوُّ الهِمّة، "الحركة قيامة وبعث للروح": ٢٦٦، [3] الحديد: ٤

حافظ عماد الدین ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اور وہ تم پر نگہبان ہے، تمہارے اعمال پر گواہ ہے، تم جہاں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو...... سمندر میں ہو یا خشکی میں، ...... رات کا وقت ہو یا دن کا، ...... اکیلے گھر میں ہو یا جنگل میں ہو، ...... تم جہاں جس وقت بھی ہو...... اور جس حالت میں بھی ہو...... وہ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اس کے علم میں سب کچھ برابر ہے۔ سب کچھ اس کی نگاہ کے سامنے ہے۔ اس کی صفت اور قوت اور شانِ سماعت کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے کلام اور سرگوشیاں سنتا ہے، تمہارے مکان یعنی ٹھکانے کو جانتا ہے، اور تمہارے راز کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ سو خوب جان لو کہ نہ اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود۔ اُسی کا دھیان رکھنا چاہئے، اپنے آپ کو ہر وقت اس کی نگاہ کے سامنے سمجھنا چاہئے، اس پر ایمان رکھنا ہے۔''

جیسا کہ حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سے ارشاد فرمایا تھا: (جب انہوں نے ایک سائل بن کر پوچھا تھا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا:) کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یعنی اگر یہ دھیان نہ بنے) تو اتنا تو یقین (اور استحضار) رکھ کہ وہ ضرور تجھے دیکھ رہا ہے۔[1]

حکمت کا توشہ

وَاقِعَہ نمبر ④: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ایک شخص نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: مجھے حکمت کا کچھ توشہ عنایت فرمائیں جس کے مطابق میں زندگی گزاروں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''اللہ سے اس طرح شرماؤ جیسا کہ تم اپنے خاندان کے کسی ایسے با اثر شخص سے شرماتے ہو کہ جس کی نگرانی میں تم ہو۔''[2]

اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: جس نے تین کام کرلئے اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا (ایمان کی حلاوت کو پا لیا)

1. ایک یہ کہ وہ ''اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ'' کی عبادت کرے۔
2. دوسرے یہ کہ اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ہر سال ادا کرے (زکوٰۃ کے اندر بوڑھا اور بیمار جانور نہ دے بل کہ اپنے اموال میں سے درمیانی قسم کے اموال سے زکوٰۃ ادا کرے)۔
3. اور تیسرا کام اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

اُس شخص نے پوچھا: ''مَاتَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ؟'' ...... انسان کے نفس کا تزکیہ کیسے ہوتا ہے؟

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''یَعْلَمُ أَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُ کَانَ'' کہ وہ اس بات کو جانے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی عن الایمان والاسلام وغیرھما: ۱۲/۱

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱۳۰۷، الحدید: ٤

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ أَفْضَلَ الإِيْمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ." [1]

ترجمہ: سب سے بہتر ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بہترین اشعار منقول ہیں:

إِذَامَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ　　خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً　　وَلَا أَنْ مَا تَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

مفہوم: اگر تو تنہا کسی کمرے میں ہو اور چاروں طرف سے دروازے بند ہوں تو یہ ہرگز مت خیال کر کہ میں اکیلا ہوں، بل کہ یہ یقین رکھ کہ میرے ساتھ (میرا اللہ) میرا رقیب ہے، یعنی نگراں ہے۔

ہرگز یہ مت سمجھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے پل بھر کے لئے بھی غافل ہوسکتا ہے...... یہ بات بھی ہرگز نہ سوچ کہ جو باتیں تو اپنے طور پر چھپاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے واقعی چھپی ہوئی رہتی ہیں......اور نہ ہی ہرگز یہ گمان کر کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ اس سے چھپا ہوا ہے...... بل کہ حق یہ ہے کہ سب کا سب اُس کے سامنے ظاہر ہے، ہر چھپی ہوئی چیز بھی اس پر واضح ہے۔" [2]

ہر کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنا چاہئے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "ہر وہ اہم کام جو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، ادھورا ہے۔" [3]

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت، پانی پیتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، کوئی خط یا تحریر لکھتے وقت، غرض ہر قابلِ ذکر مشغلے کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: بظاہر یہ ایک مختصر سا عمل ہے جسے بعض اوقات ایک رسمی کارروائی سمجھ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ کوئی رسم نہیں، بل کہ اس سے ایک بہت بنیادی فکر کی آبیاری مقصود ہے، یہ ایک ایسی اہم حقیقت کا اعتراف ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے سے زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں انسان کا پورا نقطۂ نظر اور معاملات طے کرنے کے لئے اس کی پوری سوچ ہی بدل جاتی ہے۔

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اس کائنات کا کوئی ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا، انسان کو اپنی عملی زندگی میں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ضرور دیا گیا ہے، لیکن نہ تو یہ اسباب خود بخود وجود میں آگئے ہیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۴۵، الحدید: ٤　[2] تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۴۵، الحدید: ٤　[3] الدرّ المنثور: ۱/۲۳

اور نہ ان اسباب میں بذاتِ خود کوئی کارنامہ انجام دینے کی طاقت موجود ہے، حقیقت میں ان اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان میں تاثیر پیدا کرکے ان کے نتیجے میں واقعات کو وجود میں لانے والا کوئی اور ہے۔

اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ ہم جب پانی پینا چاہتے ہیں تو بسا اوقات غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں پی کر فارغ ہوجاتے ہیں، ایک ظاہر بین انسان زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ لیتا ہے کہ اسے یہ پانی کس کنویں، کس دریا، کس جھیل یا نہر سے حاصل ہوا، لیکن اس کنویں یا دریا اور جھیل تک پانی کیسے پہنچا؟

انسان کی پیاس بجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے کائنات کی کتنی قوتیں اس کی خدمت میں لگا رکھی ہیں؟ اور اس کے لئے کیسا عجیب وغریب نظام بنایا ہوا ہے؟ اس کا دھیان بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کا عظیم الشان ذخیرہ سمندروں کی شکل میں محفوظ فرمایا ہے اور اسے سڑنے سے بچانے کے لئے اوّل تو اسے نمکین بنا دیا ہے اور دوسری طرف اسے ہر دم اس طرح رواں دواں کردیا ہے کہ اس کی موجیں حرکت اور بے تابی کی علامت بن گئی ہیں اور باوجود یہ کہ اس میں روزانہ ہزار ہا جانور مرتے ہیں، پھر بھی یہ پانی کبھی سڑتا نہیں، لیکن انسان کے لئے پانی کے اس عظیم الشان ذخیرے سے براہِ راست فائدہ اٹھانا ممکن نہیں تھا۔

اس لئے کہ اوّل تو اس پانی کی کڑواہٹ ایسی ہے کہ اسے انسان پی نہیں سکتا، دوسرے اس پانی کا حصول صرف آس پاس بسنے والوں کے لئے ہی ممکن ہے، دور رہنے والے اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف سمندر سے مون سون اٹھا کر اس میں ایسا خودکار پلانٹ نصب کردیا ہے جس کے ذریعے سمندر کے کڑوے پانی کو میٹھا کرنے کا حیرت انگیز نظام کسی انسانی محنت یا مالی خرچ کے بغیر مسلسل جاری ہے، دوسری طرف اس مون سون کو بادلوں کی شکل دے کر ایک مفت ائیر کارگو سروس فراہم کردی گئی ہے، جس کے ذریعے یہ سیال پانی ہوا میں تیرتا اور سینکڑوں، بل کہ ہزاروں میل کی مسافت طے کرتا ہے۔ اور اس کی فضائی پرواز نے دنیا کے ہر خطے کو سمندر کا پانی میٹھا کرکے سپلائی کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔

لیکن نہ تو انسان یہ برداشت کرسکتا تھا کہ اس پر ہر وقت بادل چھائے رہیں اور بارش برستی رہے اور نہ اس میں یہ طاقت تھی کہ وہ سال بھر یا چھ مہینے کا پانی ایک ساتھ اکٹھا کرکے رکھ سکے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت نے یہ انتظام فرمایا کہ بادلوں کا یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اس کے منجمد ذخیرے برف کی شکل میں محفوظ فرمادیئے۔ پانی کا یہ دل فریب کولڈ اسٹوریج پہاڑوں کی چوٹیوں پر دل آویز نظارے تو فراہم کرتا ہی ہے، لیکن اس کا اصل کام ہماری پیاس بجھانے کا انتظام ہے۔

پھر انسان کو یہ تکلیف بھی نہیں دی گئی کہ وہ اس برفستان میں خود جا کر اپنی ضرورت پوری کرے، بل کہ اسے سورج کی گرمی سے پگھلا کر دریا اور پہاڑی نالے بنادیئے گئے اور اس کے علاوہ پانی کے سوتوں (پانی کے نکلنے کی جگہ) کے

ذریعے زمین کے کونے کونے میں ایسی پائپ لائن بچھادی گئی ہے کہ انسان جہاں سے زمین کھودے وہیں سے پانی برآمد ہوجاتا ہے۔

سمندر سے پانی اٹھا کر اسے پہاڑوں میں محفوظ کرنے اور زمین دوز پائپ لائن کے ذریعے دنیا کے چپے چپے تک اسے پہنچانے کے اس عظیم الشان سلسلے میں کہیں بھی انسانی عمل یا اس کی فکروکاوش اور منصوبہ بندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان بہتے ہوئے دریاؤں یا زمین میں پوشیدہ سوتوں (پانی نکلنے کی جگہ) سے اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کرلے، اگرچہ یہ کام پانی کی سپلائی کے مذکورہ بالا قدرتی اور آفاقی نظام کے مقابلے میں نہایت محدود اور مختصر کام ہے، لیکن اس محدود سے کام کی انجام دہی میں بھی انسان بڑی مشقت اٹھاتا، بہت روپیہ خرچ کرتا اور کائنات کے دوسرے وسائل سے کام لیتا ہے۔

پانی کا ہر وہ گھونٹ جو ہم ایک لمحہ میں اپنے حلق سے اتار لیتے ہیں، آب رسانی کے اس سارے طویل عمل سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے جس میں سمندر .... بادل .... پہاڑ .... آفتاب .... ہوائیں .... ندی نالے......... زمین .... اور اس میں پوشیدہ خزانے ...... اس پر چلتے ہوئے جانور، اور بالآخر انسان اور اس کے بنائے ہوئے آلات، سب اپنا اپنا کردار ادا کر چکے ہوتے ہیں۔

جب آں حضرت ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ پانی پینے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰہ" کہو، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پینا شروع کرو، تو درحقیقت اس کا مقصد یہی ہے کہ پانی کی اس نعمت کے استعمال سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کو یاد کرو جس نے تمہارے ہونٹوں تک پانی کے یہ گھونٹ پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے، اس پانی کے حصول کے لئے تم نے چند ظاہری اسباب ضرور اپنے عمل اور محنت سے اختیار کئے ہیں، لیکن ان ظاہری اسباب کی رسائی ایک خاص حد سے آگے نہیں، اس حد کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا وہ محیر العقول (عقل کو حیران کرنے والا) نظام کام کررہا ہے، جو انسان کے عمل ہی نہیں، اس کی سوچ اور تصور کی پرواز سے بھی اونچا ہے۔

پھر ایک عام آدمی کو اس سے زیادہ کسی بات سے سروکار نہیں ہوتا کہ اسے پیاس لگی تھی جسے اس نے ایک گلاس پانی پی کر بجھادیا، لیکن یہ پانی حلق سے اتر کر کہاں جارہا ہے؟

اور اس کے جسم کی کیا کیا خدمات انجام دے رہا ہے؟

اس کی طرف عام طور سے کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا، ذرا غور سے کام لیں تو درحقیقت ہماری جسمانی مشینری کے ایک ایک پرزے کو پانی کی ضرورت تھی جس کے بغیر یہ مشینری کام نہیں کرسکتی تھی، لیکن چوں کہ عام انسان یہ بھی پتہ نہیں لگا سکتا کہ اس کے جسم میں کب پانی کی مطلوبہ مقدار کم ہوگئی ہے، اس لئے قدرتِ خداوندی نے اسے پیاس کی شکل میں ایک عام فہم میٹر فراہم کردیا ہے، جو ہر عالم اور ہر جاہل، شہری اور دیہاتی، یہاں تک کہ ناسمجھ بچے کو بھی خود بخود یہ بتا دیتا

ہے کہ اسے پانی کی ضرورت ہے، وہ اسے صرف اپنے ہونٹ اور حلق کی ضرورت سمجھتا ہے اور ان ہی دو چیزوں کو تر کرکے مطمئن ہوجاتا ہے کہ پیاس بجھ گئی۔

لیکن درحقیقت پانی کا اصل فائدہ اس سے کہیں آگے ہے، وہ صرف ہونٹ اور حلق کی نہیں پورے جسم کی مانگ تھی، اور وہ حلق سے گزر کر جسم کے ہر اس حصے کو سیراب کرتا ہے جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضرورت تھی، اور اس طرح جسم کی اندرونی پائپ لائن کے ذریعے وہ پانی سر سے لے کر پاؤں تک ضرورت کی تمام جگہوں تک پہنچایا جاتا ہے، پھر جتنے پانی کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے، اتنا جسم میں باقی رہتا ہے اور باقی حصہ جسم کی دھلائی کے بعد اپنے ساتھ مضر اجزاء کو بہا کر دوبارہ جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔

اسی طرح روٹی کے اس نوالے کو دیکھ لیجئے جو ہم ایک لمحے میں حلق سے اتار لیتے ہیں، ایک ظاہر بین نگاہ صرف اس حد تک جاتی ہے کہ ہم نے اپنے کمائے ہوئے پیسوں سے بازار سے آٹا خریدا اور اس سے روٹی تیار کرلی، لیکن بازار تک اس آٹے کو پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی طاقتیں سرگرم رہیں؟

اس کی طرف عموماً نگاہ نہیں جاتی، انسان کا کام اتنا ہی تو تھا کہ وہ زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج ڈال دے، لیکن کون ہے جس نے اس چھوٹے سے بیج میں ایسا پروسسنگ پلانٹ (نظامِ عمل) لگایا کہ اس میں سے کونپل پھوٹ نکلی؟

کون ہے جس نے مٹی کی دبیز تہوں میں اس کونپل کی پرورش کی اور اسے یہ قوت عطا کی کہ وہ اپنے جسم کی لچک دار نوک سے زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہو اور ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل ہوجائے؟

پھر کون ہے جس نے اس پر چاند سورج کی کرنیں بکھیریں؟

اسے لہراتی ہوئی ہواؤں کا گہوارہ فراہم کیا؟

اس پر بادلوں کا شامیانہ تان کر اس کو جھلسنے سے بچایا...... اس پر رحمت کا مینہ برسا کر اس کی نشوونما کی رفتار تیز کردی ...... یہاں تک کہ ایک ایک کھیت میں سینکڑوں خوشے اور ایک ایک خوشے میں سینکڑوں دانے وجود میں آگئے۔

قرآنِ کریم اسی حقیقت کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ذرا بتاؤ تو سہی کہ جو کچھ تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے؟

لہٰذا! جب آں حضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰهِ" کہو تو اس کا مقصد اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اس نوالے کا حصول صرف تمہاری قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں، بل کہ یہ اس دینے والے کی دین ہے، جس نے اسے تم تک پہنچانے کے لئے کائنات کی عظیم طاقتوں کو تمہارے لئے رام کردیا، لہٰذا اس نوالے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس دینے والے کو فراموش نہ کرو، یوں تو اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اس کی ہر مخلوق کے لئے عام ہے، کھانا اور پانی

---

[1] الواقعة: ٦٣، ٦٤

جانوروں کو بھی ملتا ہے لیکن جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور بخشا ہے اس میں اور بے شعور جانور میں اتنا فرق تو ہونا چاہئے کہ یہ باشعور مخلوق ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے وقت غفلت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے محسن حقیقی کو یاد کرلیا کرے (اور گناہوں سے بچے)۔ ؎

ابرو بادومہ و خورشید و فلک درکارند تاتونانے بکف آری وبغفلت نہ خوری[1]

یہ دو تو سادہ سی مثالیں تھیں، لیکن زندگی کے جس کسی کام کو لیجئے غور کرنے سے ہر جگہ صورت حال یہی ملے گی، انسانی محنت اور ظاہری اسباب کا عمل بہت چھوٹے سے دائرے تک محدود ہے، اس محدود، دائرے کے پیچھے جھانک کر دیکھئے تو دنیا کا ہر چھوٹے سے چھوٹا واقعہ ایک ایسے نظامِ ربوبیت کے ساتھ بندھا ہوا ہے جس کی حکمتیں لامحدود ہیں .... اور جس میں انسان کی محنت، کوشش، وسائل اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں، لیکن عام طور سے انسان کی محدود نگاہ ظاہری اسباب کی تنگنائے (تنگ راستہ، تنگ کوچہ) سے آگے نہیں بڑھتی اور وہ شب وروز اسی تنگنائے کے خم وپیچ میں الجھا رہتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لئے دنیا میں تشریف لاتے ہیں کہ وہ انسان کو اس تنگ نظری سے نجات دلا کر اس کی نگاہ کو وسعت اور سوچ کو گہرائی عطا کریں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی تعلیم دے کر زندگی کے ہر شعبے میں انسان کا رشتہ اپنے مالک سے جوڑنے کی کوشش فرمائی ہے، کیوں کہ جب انسان اپنے ہر کام کو بالآخر اللہ تعالیٰ کی مشیت وتخلیق کے تابع قرار دیتا ہے اور بار بار اس حقیقت کا اعتراف کرکے اپنی عاجزی ودرماندگی کا اعلان کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کے دل میں یہ شعور جڑ پکڑ لیتا ہے کہ وہ اس دنیا میں خالق ومالک بن کر نہیں، بل کہ مخلوق اور اپنے مالک کا بندہ بن کر آیا ہے۔ یہ احساسِ بندگی اس کے دل میں تواضع .... عاجزی .... ہمدردی وغم گساری .... پیدا کرتا ہے اور فرعونیت، تکبر کے رذیل جذبات سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں جبر واستبداد (زبردستی) اور ظلم وستم کے واقعات اسی وقت وجود میں آتے ہیں جب انسان اپنی حقیقت کو فراموش کرکے اپنے خالق سے رشتہ توڑ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خالص اپنی قوتِ بازو کا کرشمہ قرار دے کر اپنے آپ ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، لیکن جو شخص قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یہ اعتراف کررہا ہو کہ میرا ہر کام میرے مالک وخالق کی مرہونِ منت ہے اس کے دل پر غرور وتکبر کی سیاہی کا کوئی دھبہ نہیں پڑتا اور وہ دوسری مخلوقِ خدا کے ساتھ بھی کبھی ظلم وتشدد کا روادار نہیں ہوسکتا۔

---

[1] یعنی اللہ ربُّ العزت نے انسان کو خوراک فراہم کرنے کے لئے ہوا کو، آسمان وبادل کو اور چاند وسورج کو کام میں لگایا ہوا ہے۔ ان سب کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں انسان کو غذا مل رہی ہے، لیکن تر نوالہ منہ میں ڈالتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے، اس کا شکر نہ بجالائے تو یہ کتنی بڑی غفلت ہوگی۔

"بِسْمِ اللّٰہ" "شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے" بظاہر مختصر لفظ ہیں، لیکن ان کے پیچھے حقائق ومعارف کی ایک کائنات پوشیدہ ہے اور آں حضرت ﷺ نے ہر کام کے شروع میں یہ الفاظ کہلوا کر انسان کو ایسا انسان بننے کی طرف متوجہ کیا جو فرعون ونمرود نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر دنیا میں امن سے رہنا چاہتا ہو، اور اس طرح انسان کے ہر کام کو عبادت وبندگی میں تبدیل کیا۔ تھوڑی دیر کتاب بند کر کے اس مضمون کو سوچیے، اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیے کہ یہ مضمون دل میں اُتر جائے۔[1]

اللہ جل جلالہ کے نام کی تاثیر

واقعہ نمبر ⑤: بادشاہِ روم قیصر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایک خط لکھا کہ میرے سر میں درد رہتا ہے، کوئی علاج بتائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پاس اپنی ٹوپی بھیجی کہ اسے سر پر رکھا کرو، سر کا درد جاتا رہے گا، چناں چہ قیصر جب وہ ٹوپی سر پر رکھتا تو درد ختم ہو جاتا، اتارتا تو درد دوبارہ لوٹ آتا، اسے بڑا تعجب ہوا، تجسس سے ٹوپی چیری تو اس کے اندر ایک رقعہ پایا جس پر "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم" لکھا تھا۔ یہ بات قیصر کے دل میں گھر کر گئی، کہنے لگا: "دینِ اسلام کس قدر معزز ہے اس کی تو ایک آیت بھی باعثِ شفاء ہے، پورا دین باعثِ نجات کیوں نہ ہوگا" اور اسلام قبول کر لیا۔[2]

واقعہ نمبر ⑥: "بِسْمِ اللّٰہ" کی تاثیر کا ایک اور واقعہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک قبر پر ہوا جس میں میت کو عذاب دیا جا رہا تھا، دوبارہ وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ قبر میں رحمت کے فرشتے ہیں، عذاب کی تاریکی کے بجائے وہاں اب مغفرت کا نور ہے، آپ کو تعجب ہوا، اللہ تعالیٰ سے اس عقدہ کو حل کرنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ "یہ بندہ گناہ گار تھا، جس کی وجہ سے مبتلائے عذاب تھا، مرتے وقت اس کی بیوی امید سے تھی، اس کا بچہ پیدا ہوا، وہ بچہ مکتب میں داخل کر دیا گیا، استاذ نے اسے پہلے دن "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھائی، تب مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ" میں زمین کے اندر اسے عذاب دیتا رہوں جب کہ اس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لیتا رہے۔"[3]

سینے میں ایک گھر

❶ امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس بات کو خوب سمجھ لو! اللہ تعالیٰ نے سینے میں ایک گھر پیدا کیا اور وہ دل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دل میں ایک تخت بچھایا۔ اور اس میں اپنی رحمت سے جنت، مانوسیت، محبوبیت اور اپنے ملنے کے شوق کا دروازہ کھولا۔ اور احکامات کے اقسام میں سے جیسے تہلیل، تسبیح، تحمید اور تقدیس کے پھولوں اور پھلوں سے لدے

---

[1] ذکر وفکر: ۹ تا ۱۷ [2] المواهب اللدنية شرح شمائل ترمذی: ۳

[3] تفسیر کبیر: ۱۷۲/۱، تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ ﷺ کے دل میں ہمیشہ سے یہ اشتیاق رہتا تھا کہ اپنے رب سے ملاقات کریں۔ محب کا دل ہر وقت اپنے محبوب کے دیکھنے اور اس کے حسن میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جب اس کے جلال کی طرف دیکھتا ہے تو اس کو بڑا سمجھتا ہے اور اس کے دل میں اس کا رعب پیدا ہوتا ہے اور جب اس کی مہربانیوں اور نعمتوں کی طرف دیکھتا ہے تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جب جنت کی نعمتوں کا مراقبہ کرتا ہے تو اس سے ملنے کا شوق بڑھتا ہے۔

❷ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یَخْرُجُ الْعَارِفُ مِنَ الدُّنْیَا وَلَا یَقْضِیْ وَطَرَہٗ مِنْ شَیْئَیْنِ: بُکَاؤُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ، وَشَوْقُہٗ إِلٰی رَبِّہٖ."[1]

"یعنی عارف کا دل موت آنے تک دو چیزوں سے نہیں بھرتا:

① اپنے نفس پر رونا ② اپنے رب سے ملاقات کرنے کا شوق۔"

❸ وَکَانَ أَبُوْ عُبَیْدَۃَ الْخَوَّاصُ لَیَمْشِیْ فِی الطَّرِیْقِ، وَیَصِیْحُ: "وَاشَوْقَاہُ إِلٰی مَنْ یَرَانِیْ وَلَا أَرَاہُ."

حضرت ابوعبیدہ الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ راستے میں چل رہے ہوتے اور ایک دم چیخ مارتے ہوئے کہتے:

"میں تو اپنے پروردگار سے ملاقات کا شوق رکھتا ہوں، جو مجھ کو دیکھتا ہے لیکن میں اس کو نہیں دیکھ رہا۔"[2]

کرب و پریشانی کے وقت یہ دعا مانگئے

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھلائی تھی اور فرمایا کہ کرب اور پریشانی کے وقت یہ دعا مانگا کریں:

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا أُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا.[3]

ترجمہ: اللہ اللہ میرے رب ہیں میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

لہٰذا پریشانی کے وقت یہ دعا ورد زبان رکھنی چاہیے۔

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ کا نام لینا بھی بے کار نہیں جاتا۔ قرآن میں تقریباً دو ہزار نو سو چالیس (۲۹۴۰) مرتبہ لفظ "اللہ" آیا ہے۔[4]

---

۱ اللہ اهل الثناء والمجد ۵۰　۲ اللہ اهل الثناء والمجد ۵۰　۳ ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء عند الكرب ۳۸۸۲

۴ المعجم المفهرس ۹۰

فوائد ونصائح

❶ مسلمان بندہ کو چاہئے کہ اس یقین کو دل میں بٹھا لے کہ میرا مولیٰ اور آقا میرے مسائل کا حل کرنے والا، میری پریشانیاں دور کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں سوائے اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے۔

❷ جب یہ یقین پکا ہو جائے گا تو پھر ایک اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کی ہی عبادت کرنے میں اور بندگی کرنے میں دن رات محنت وکوشش کرے گا۔

❸ جو بندہ اللہ ہی کی عظمت وکمال کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور غیر اللہ کو کسی طرح بھی اہمیت نہ دے تو ایسے شخص کو یہ صفات ملتی ہیں: غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، مصیبت وپریشانی میں فوراً اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے رابطہ کرتا ہے، اللہ کی رضا کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔[1]

❹ نبوت کے چھ سال بعد شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا جو قریش کے ظلم واستبداد کی ایک مثال ہے۔

مشرکین مکہ نے آپس میں یہ عہد وپیمان کیا کہ ہم ان مسلمانوں کا مکمل طور پر بائیکاٹ کریں گے ان سے میل جول نہیں رکھیں گے اور نہ ہی انہیں کھانے پینے کی اشیاء بیچیں گے اور ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیا گیا۔

اس معاہدہ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دیمک کو لگا دیا۔ جس نے اس معاہدہ کے تمام حروف چاٹ لئے اور صرف اللہ کا نام چھوڑا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابو طالب سے یوں کہا:

"یَا عَمِّ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ سَلَّطَ الْاَرَضَۃَ عَلٰی صَحِیْفَۃِ قُرَیْشٍ، فَلَمْ تَدَعْ فِیْھَا اسْمًا ھُوَ لِلّٰہِ اِلَّا اَثْبَتَتْہُ فِیْھَا وَنَفَتْ مِنْھَا الظُّلْمَ وَالْقَطِیْعَۃَ وَالْبُھْتَانَ۔"

تَرْجَمَہ: "چچا جان! اللہ تعالیٰ نے (خانہ کعبہ پر لگائے گئے) قریش کے صحیفے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اللہ کے اسمائے گرامی کو چھوڑ کر ظلم وقطع اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ کو صاف کر گیا ہے۔"[2]

جب اسے دیکھا گیا تو صرف "بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ" باقی رہ گیا ہے اور جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے۔

---

[1] منہج الاعلام ابن لعمر الجوزیۃ ۲۹۱ [2] البدایہ والنہایۃ ۳/۹۰ نقض الصحیفۃ

کرا دو کرنے میں، جب کہ صفتِ رحیم مؤمنوں کے ساتھ ان کی مغفرت کرنے میں اور انہیں جنت میں داخل کرنے میں خاص ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ "بِسْمِ اللّٰہِ" میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ کمال میں سے صرف یہ دو صفتیں جو لفظِ رحمت سے ماخوذ ہیں ذکر کی گئی ہیں، تاکہ ہر بندے کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اس کی رحمت عام بھی ہے اور تام بھی ہے۔

"اَلرَّحْمٰن" یعنی عام رحمت والی وہ ذات جس کی رحمت سارے عالَم اور ساری کائنات اور جو کچھ اب تک پیدا ہوا ہے اور جو کچھ ہوگا، سب پر حاوی اور شامل ہو اور "اَلرَّحِیْم" یعنی اس کی رحمت کامل و مکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ "اَلرَّحْمٰن" اللہ جل شانہٗ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، کسی مخلوق کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس کی رحمت عام ہو۔ اسی لئے جس طرح لفظ "اَللّٰہ" کا جمع و تثنیہ نہیں آتا کیونکہ وہ ایک ہی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے اور تیسرے کا وہاں احتمال ہی نہیں، اسی طرح "اَلرَّحْمٰن" کا بھی جمع و تثنیہ نہیں آتا۔[1]

لفظ "اَلرَّحْمٰن" قرآن کریم میں ۵۷ مرتبہ آیا ہے۔ ان میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

1. ﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۖ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾[2]
2. ﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾[3]
3. ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[4]

لفظ "اَلرَّحِیْم" قرآن کریم میں ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں

1. ﴿إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾[5]
2. ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[6]
3. ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[7]

"اَلرَّحْمٰن جل جلالہ" کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا ایک بڑا سبب

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سی قومیں (نعوذ باللہ) اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شاہنشاہ سمجھا، جو قہر اور غضب سے بھرپور ہے اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور (نعوذ باللہ) جس کے پاس گناہ گار اور خطاکار بندوں کے لئے بس لعنت ہی لعنت، غضب ہی

---

[1] تفسیر قرطبی تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱/۹۸ [2] البقرۃ: ۱۶۳ [3] مریم ۹۳
[4] طٰہٰ ۵ [5] البقرۃ ۱۶۰ [6] البقرۃ: ۱۴۳ [7] المزمل ۲۰

غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اور مہربانیاں کسی خاص خاندان یا خاص نسل اور خاص قوم کے لئے محدود ہیں، باقی ساری دنیا کے لئے وہ بڑا سخت گیر اور جبر و قہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گزارنا گویا ان کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطاکاروں اور گناہ گاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو وہ بالکل ناامید ہو گئے۔

شیطان نے ان کے کانوں میں پھونکا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے، انہیں راضی کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ اس لئے ان کے دامنوں میں تم جیسے گناہ گاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے، ان سے تعلق جوڑنے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بھی بچا جا سکتا ہے۔

بس اسی کو انہوں نے آسان سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے ناامید ہو کر شیطان کی بتلائی ہوئی ان ہستیوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے نام کی نذر و نیاز اس امید پر کرنے لگے کہ ان کی مہربانی سے ہم سرسبز رہیں گے اور ان کی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام بنتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بھی ان کا یہ تعلق ہمیں بچا لے گا۔

یونان اور بعض دوسرے ایشیائی ملکوں میں اسی پر بس نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات (تعریفوں اور خصوصیتوں) سے الگ کر کے ایک مجرد (تنہا اور خیالی) ہستی کی طرح مان لیا گیا، بلکہ اس کی ہر صفت کے لئے (جو زندگی کی ایک ضرورت ہے اور انسان اس کا محتاج ہے) ایک الگ خیالی وجود اور پیکر تجویز کر لیا گیا، مثلاً: رحم و شفقت کا فلاں دیوتا ہے ..... محبت کا فلاں ..... پانی برسانے والا اور کھیتی سرسبز کرنے والا فلاں ..... دشمن پر فتح دینے والا اور کامیاب کرنے والا فلاں ..... اولاد عطا کرنے والا اور قسمت بنانے اور بگاڑنے والا فلاں یہاں تک کہ بعض بیماریوں (چیچک وغیرہ) کو دور کرنے والا فلاں دیوتا یا دیوی ہے، اس کے نتیجہ میں خالقِ کائنات اور رب العالمین (سب جہانوں کا پالنے والا اور ان کو ان کی ضروریات مہیا کرنے والا) اللہ ایک خیالی ہستی اور ایک معطل وجود بن کر رہ گیا۔

الغرض! اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتا چلتا ہے کہ شرک میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ ان کی یہی گمراہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اور جود و کرم (سخاوت و مہربانی) کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صفتِ قہر و جبر والا اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور

شیطان کی بتائی ہوئی وقتی یا محض فرضی اور ذہنی ہستیوں کو انہوں نے اپنی امیدوں کا قبلہ بنا دیا۔

اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بے پناہ وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔

اسلام نے اس کے برخلاف ساری تعریفوں اور خوبیوں کا مستحق، ہر طرح کی قدرت کا مالک، نفع و نقصان، زندگی و موت، رزق، صحت و مرض، فقر و مالداری اور فتح و شکست کا دینے والا صرف ایک ہی اللہ وحدہ لاشریک لہ کو قرار دیا۔[1]

اسی لئے قرآن مجید میں جو اس دنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اجاگر کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و رأفت ... اور بخشش، غفاریت اور مخلوق کے ساتھ اس کی عنایت و محبت ... کو بیان فرمایا گیا ہے۔

جن نیک بختوں کو قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالیٰ کو "غَفُورٌ رَّحِيمٌ، رَءُوفٌ رَّحِيمٌ، تَوَّابٌ رَّحِيمٌ، خَيْرُ الرّٰحِمِينَ، أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ" کی صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" جو قرآن مجید کا سرنامہ ہے اس میں اس کی صفت رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

شیخ ناصر بن مسفر الزہرانی لکھتے ہیں: ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ رکعت جسے ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرتے ہیں اور ہر وہ نماز جس کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی دو صفت "الرَّحْمٰن، الرَّحِیْم" کا خوب ورد کریں۔ تو اسی وجہ سے ہم نماز "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کرتے ہیں اور ہر رکعت میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ پڑھتے ہیں۔ اور ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ہم "الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، یا الْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ یا الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" (جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غلبہ کا اظہار ہوتا ہو) کا ورد کریں۔

باوجود اس کے کہ یہ مقام خود رب العزت کے سامنے خشوع وخضوع کے اظہار اور اس ذات جبار کے سامنے کھڑے ہونے کا ہے، تاکہ ہمارے دل و دماغ میں یہ بات پیوست اور راسخ ہو جائے کہ ہم جس رب کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے مؤدب کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی پیشانی اس کے سامنے رگڑتے ہیں، وہ "رحمٰن و رحیم" ہے، تاکہ ہمارے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر تسلی اور اطمینان و سکون (القرار) حاصل ہو جائے۔[2]

[1] اسمائے حسنیٰ ...

[2] أُمِرْنَا فِي كُلِّ رَكْعَةٍ نَرْكَعُهَا لِلّٰهِ جَلَّ وَعَلَا، وَفِي كُلِّ صَلَاةٍ نَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَيْهِ أَنْ نُرَدِّدَ ... بِهٰذِهِ الصِّفَةِ فَنَسْتَفْتِحَ صَلَاتَنَا بِالْبَسْمَلَةِ، ثُمَّ نَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ وَلَمْ نُؤْمَرْ بِـ... الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ أَوِ الْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ أَوِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، رَغْمَ أَنَّ الْمَقَامَ مَقَامُ خُشُوْعٍ وَخُضُوْعٍ وَانْكِسَارٍ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ، وَلٰكِنْ لِيَتَرَسَّخَ فِي نَفْسِكَ وَتَعِيْشَ فِي وِجْدَانِكَ أَنَّ هٰذَا الرَّبَّ الَّذِيْ تَعْبُدُهُ وَتَقِفُ أَمَامَهُ وَتُمَرِّغُ جَبْهَتَكَ لِأَجْلِهِ هُوَ رَحْمٰنٌ رَحِيْمٌ، فَيَنْشَرِحُ صَدْرُكَ، وَتَسْلُوْ نَفْسُكَ، وَيَطْمَئِنُّ فُؤَادُكَ (اللّٰه... أهل الثناء والمجد ٢٦٣)

اس اجمالی بیان کے بعد چند مقامات پر ان کی تفصیل ملاحظہ فرمالیجئے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

ترجمہ: تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اور یہی بات کو سورۂ انعام میں یوں فرمایا:

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾[2]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے پر رحمت اور مہربانی لازم کرلی ہے (اس لئے وہ مجرموں کو یہاں سزا نہیں دیتا بلکہ اس نے اس پوری زندگی کی سب کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ جو چاہے معافی مانگ لے اور اپنے کو درست کر کے عذاب سے بچا سکے) اس نے مقرر کیا ہے کہ (حساب اور جزا کے لئے) تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا (اور اس دن ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ مل جائے گا۔ یہ بالکل یقینی اور اٹل بات ہے) اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔“

سبحان اللہ! اس آیت کا پہلا جملہ ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے پر لازم اور مقرر کر دیا ہے) ہم بندوں کے لئے کتنے اطمینان اور کیسی امیدوں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے رحمت والے پروردگار سے ناامیدی اگر کفر نہیں تو کیا ہے؟

اور پھر اسی سورۂ انعام میں چار رکوع کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کیسے پیارے انداز میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[3]

ترجمہ: ”اور جب تمہارے پاس ہمارے وہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اے پیغمبر! تم (شفقت و محبت سے ان کا استقبال کرو اور) کہو تم پر سلام! (اور انہیں خوش خبری سناؤ کہ) تمہارے پروردگار نے اپنے پر رحمت و مہربانی کو لازم کرلیا ہے (اس لئے تمہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ) تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا عمل کیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی تو بلاشبہ تمہارا رب بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔“

”آیات“ سے مراد اس جگہ آیات قرآنی بھی ہوسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں بھی، تو ایسے لوگوں کے متعلق رسول کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی کہ آپ ﷺ ان کو ”سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ“ سے خطاب فرمائیں۔

یہاں ”سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ“ کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

---

[1] البقرة ١٦٣ [2] الانعام ١٢ [3] الانعام ٥٤

خلافِ شان ہو، وہ دنیا کے لوگوں کی نظر میں نہایت معیوب اور مذموم ہونے کے باعث نامکمل بھی باقی ہے یہاں تو ہماری اطاعت و عبادات اور حسنات (نیکیوں) کا یہ حال ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہِ عالی کی نسبت سے دیکھا جائے تو سیئات (برائیوں) سے کم نہیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ قلبی غفلت اور معاصی سے بھی کوئی بشر خالی نہیں "اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ" (مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے) ان حالات میں انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ کوئی بھی عذاب سے نہ بچے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت نازل ہو رہی ہیں۔ یہ سب اسی رحمت کا نتیجہ ہے جو پروردگارِ عالم نے اپنے ذمہ لکھ لی ہے۔[1]

یقیناً بڑا شقی اور بدبخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے۔ جو اپنے پیغمبرِ رحمت عالم رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اپنے خطاکار اور گنہگار بندوں کو سلام کے بعد رحمت کا یہ پیام دلاتا ہے کہ اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہوں اور نہ ڈریں کیونکہ اس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے۔ اگر نادانی سے تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب توبہ کر لو اور اپنی حالت ٹھیک کر لو، میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں۔[2]

"اَلرَّحْمٰنُ جل جلالہ" کی رحمت اور مغفرت کے حق دار کون ہیں؟

سورۂ زمر کی آیتِ رحمت (آیت نمبر ۵۳) سے بھی معلوم ہوا اور اس سے پہلے آیتیں اسی مضمون کی گزر چکی ہیں (جن میں تمام قسم کے گناہگاروں اور خطاکاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی گنجائش کا اعلان کیا گیا ہے) ان سب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور کشادگی کا عالم تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے بڑے سے بڑے مجرموں اور سیاہ کاروں کے لئے اس میں گنجائش ہے۔ لیکن اس کے دروازے میں داخلے کی یہ لازمی شرط ہے کہ بندہ اس رحمت والے آقا کی طرف رجوع ہو اور اس کے ساتھ اپنے معاملے کو درست رکھنے کا ارادہ رکھتا ہو، اگرچہ اس سے پہلے ساری عمر باغی اور نافرمان رہا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بخشش و مغفرت کے بیان کے ساتھ اس کی دوسری صفت عدالت اور سرکش مجرموں کو سزا دینے کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝﴾ کے ساتھ اس کی صفت ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝﴾ کو بھی ذکر فرمایا گیا۔ اس کا مقصد اور منشا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی وسعت کے ان قرآنی اعلانات سے کوئی یہ غلط نتیجہ نہ نکالا جائے کہ اب نافرمانیوں کی کھلی چھٹی ہے اور زندگی خودسری اور آزادی کی گزاری جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ تو ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ بلکہ یہ سمجھ لیں کہ جزا و سزا کا بھی ایک دن مقرر ہے اور اس دن کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔

---

[1] معارف القرآن ۳: ۲۳۲ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ص ۲۳

بہر حال اسی غلط فہمی سے بچانے کے لئے قرآن مجید میں جا بجا رحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدالت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل کی چند آیتیں پڑھیے:

﴿فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾[۱]

ترجمہ: "(اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ (اس واضح بیان اور اتمامِ حجت کے بعد بھی) تمہاری تکذیب ہی کریں تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے (اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے، لیکن یاد رہے کہ مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے، اس لئے اگر تم باغیانہ اور مجرمانہ زندگی سے باز نہ آئے تو ضرور اس کی سخت سزا پاؤ گے) اور مجرموں پر سے اس کا عذاب ہٹایا نہیں جا سکتا۔"

اور فرمایا:

﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾[۲]

ترجمہ: "میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں اور ساتھ ہی میرے عذاب بھی دردناک ہیں۔"

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾[۳]

ترجمہ: "وہ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے (اور اسی کے ساتھ سرکش مجرموں کے لئے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے، سب پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے، سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"[۴]

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مہربان ہیں اسی طرح گناہ گاروں کو عذاب دینے والے بھی ہیں، لہٰذا اس کے غضب سے بچنا چاہیے۔

"الرَّحْمٰنُ جل جلالہ" سے رحم اور مہربانی مانگیے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والے ہیں جتنا کہ ماں اپنے بچے پر رحم دل ہوتی ہے۔"[۵]

اور ماں کی شفقت، اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کا کہاں مقابلہ کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہر چیز کو شامل

ہے جیسے

---

[۱] الانعام: ۱۴۸ [۲] الحجر: ۴۹، ۵۰ [۳] المؤمن: ۳ [۴] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ص ۲۵، ۲۶

[۵] بخاری، ادب، رحمۃ الولد... رقم ۵۹۹۹

وہ ذات جو اپنے بندوں پر ان کے ماں اور باپ سے بھی زیادہ رحم کرنے والی ہے..... جب بندہ دشمن کے خوف سے یا مصیبتوں سے ڈر کر اس ذات کی جانب دوڑتا ہے اور اس کے دروازے پر اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے اور اس کے سامنے روتے ہوئے اپنے رخسار کو اس کی چوکھٹ کی خاک میں رگڑتا ہے اور کہتا ہے:

"اے رب! اے رب! اس بندے پر رحم کر جس پر تیرے سوا کوئی رحم کرنے والا نہیں، تیرے سوا جس کا کوئی مددگار نہیں، تیرے سوا اسے کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں، وہ تیرا بندہ ہے کوئی اس کا فریاد رس نہیں۔ میں تیرے ہی سامنے عاجزی کرنے والا ہوں، تیرا ہی محتاج ہوں، تجھ ہی سے سوال کرنے والا ہوں، تجھ ہی سے امید رکھنے والا ہوں تیرے سوا کوئی جائے پناہ ہے نہ ٹھکانہ، تو ہی پناہ دینے والا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رحمت وشفقت سے ایک جزو ماں کو عطا کیا ہے۔ اگر اس کے بچے کا کان بھی گرم ہوتا ہے تو وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ راتوں کو اس کے لئے جاگتی ہے اور چاہتی ہے کہ فوراً اس کی تکلیف دور کر دے، وہ ذرا روتا ہے تو وہ فوراً اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے وہ اس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی، خود بھوکی رہتی ہے مگر اس کا پیٹ بھرتی ہے، خود جاگتی ہے مگر اسے سلاتی ہے، خود گرمی وسردی ہر برداشت کرتی ہے مگر اس پر آنچ نہیں آنے دیتی، ہر وقت اس کی تکلیف کا خیال رکھتی ہے اور یہ "رأفت وشفقت" جو اس کے دل میں ہے ظاہر ہے کہ خود اس کی پیدا کردہ نہیں ہے، کسی دوسری ہستی کی پیدا کردہ ہے۔

اس سے کہیں زیادہ کرم اس "الرحمن والرحیم جل جلالہ" کا ہے وہ ماں باپ سے زیادہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے مگر عذاب وعتاب بھی کرتا ہے۔ حشر ونشر کے بعد وہ اپنے خطاکار بندے سے پوچھے گا کہ اے میرے بندے! تو نے فلاں وقت میرا حق ادا نہیں کیا، فلاں وقت تو نے میرے ساتھ ایسا کیا، فلاں وقت ایسا کیا۔ وہ کہے گا ہاں اے پروردگار۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! میں نے اپنے حقوق تو معاف کئے، مگر تو نے جو دوسروں کی حق تلفی والے جرائم کئے ان کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ وہ تو وہی لوگ معاف کر سکتے ہیں۔[2]

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سو رحمتیں ہیں۔

---

[1] ويدل قوله صلى الله عليه وسلم "لله ارحم بعباده من هذه بولدها". وانى تقع رحمة الوالدة من رحمة من وسعت كل شيء.

لا هو ... بمن هو ارحم بعبده من الوالدة بولدها، ومن الوالدة بولدها إذ فزعته إليه وهرب من غضبه إليه، وألقى بنفسه طريحا ببابه. يمرغ خده في ثرى أعتابه باكيا بين يديه يقول: "يا رب يا رب ارحم من لا راحم له سواك ..... ولا ناصر له سواك ..... ولا مؤوي له سواك ..... ولا مغيث له سواك، مسكينك وفقيرك وسائلك ومؤملك ومرجيك. لا ملجأ له ولا منجا له منك إلا إليك. أنت معاذه وبك ملاذه." الخ. (اهل الفقه، صفحه ١٩٥)

[2] شرح اسماء الحسنى للقشيري ٧٢، ٧٣

مبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی۔[1] چاہے لاکھ تدبیریں کرے اور اگر کسی دنیاوی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بدعتی میں اللہ نہ کرے مبتلا ہو جائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کر لے، حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔"[2]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ"[2]

ترجمہ: "تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔"

دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ۔"[3]

ترجمہ: "جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا اللہ جل شانہ اس پر رحم نہیں فرماتے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَۃُ اِلَّا مِنْ شَقِیٍّ"[4]

ترجمہ: "رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو۔"

یاد رکھیں! انسان سگا بھائی یا سگی بہن خود کسی کو نہیں بنا سکتا، اللہ نے جس کا انتخاب کیا ہے وہی سگا بھائی یا بہن ہے، لہٰذا انسان کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ سگے بھائی یا بہن سے رشتہ ناطہ توڑے اور ناراض ہو کر بے رحم اور سخت دل لوگوں میں شامل ہو۔

ہر جاندار قابل رحم ہے

زمین پر رہنے والی مخلوق عام ہے۔ مسلمان، کافر، ملازم، انسان، حیوان، سب ہی داخل ہیں۔ ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلامی تعلیم ہے اور اللہ جل شانہ کو محبوب ہے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ وہ چلی جا رہی تھی، اس نے ایک کنوئیں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے۔ اس عورت نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اتارا اور اس کو اپنی چادر میں باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلا دیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا: کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے سلسلے میں بھی ثواب ملتا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے۔" (احسان

---

[1] بعض بے ٹھکانا بھی عاملین کے پاس جاتے ہیں، جادو ٹونہ، جنات وغیرہ کے بارے میں پریشان ہوتے ہیں اور کئی قسم کے تعویذ، جادو وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ عاملین کرام وہ حقیقت قطع رحمی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو چاہیے کہ صلہ رحمی کریں اور شرعی طور پر میراث تقسیم کریں۔

[1] فضائل صدقات ص ۲۸۵ [2] ترمذی کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الناس ۱۴/۲

[3] ایضاً [4] ایضاً

اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(حقیقی بادشاہ)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ امام غزالی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے مستغنی ہے۔ ہر موجود اس کا محتاج ہے بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں۔ صفات میں۔۔۔ وجود میں۔۔۔ بقا میں۔۔۔ غرض کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں۔ موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شے سے ہے۔ اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات وصفات میں اس کی مملوک ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ الغرض اسکی ذات ملک مطلق ہے۔[1]

❷ اللہ ربّ العزت کی ذات ہی حقیقی طور پر رب کہلانے کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور رب ہے ہی نہیں۔ وہ تمام پالنے والوں کا پالنے والا، تمام سلطنت کا مالک اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔[2]

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے امام قرطبی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت تمام پالنے والوں کا بھی رب ہے، تمام بندوں کا معبود، تمام مخلوق اور بادشاہوں پر اس کی بادشاہت ہے۔ تمام بندوں پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی ان کا خالق اور ان کا رازق ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی خالق اور رازق نہیں ہے۔

مخلوق اگر کسی چیز کی مالک ہے بھی تو اسے اللہ ربّ العزت کی جانب سے عارضی طور پر مالک بنایا گیا ہے، حالاں کہ جس وقت وہ دنیا میں آئے تو وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ تھے، اور جو ملکیت انہیں اب حاصل ہے یہ ملکیت بھی عارضی ہے، کسی بھی وقت ان کی ملکیت زائل ہو سکتی ہے، اور ان کی ملکیت بھی چیدہ چیدہ اشیاء پر ہے جب کہ "اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ملکیت اس کے برخلاف کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ تو خالق اور مخلوق کی صفات میں یہی فرق ہے۔[3]

---

[1] رسائل امام غزالی: ۲۷۶/۱

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ الْمَلِكُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ، فَلَا رَبَّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ سِوَاهُ، وَهُوَ رَبُّ الْأَرْبَابِ وَمَالِكُ الْمُلْكِ، وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى.

[3] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ رَبُّ الْأَرْبَابِ، وَمَعْبُوْدُ الْعِبَادِ، يَمْلِكُ الْمَمَالِكَ وَالْمُلُوْكَ وَجَمِيْعَ الْعِبَادِ، وَهُوَ خَالِقُ ذٰلِكَ =

اضافہ ہوگا، ایمان "المَلِكُ جَلَّ جَلَالُهٗ" پر پکا ہوگا، اطمینان اور سکون نصیب ہوگا۔ پھر بندہ خوشی و غم میں مالکِ حقیقی ہی کی تعریف اور اسی سے پناہ طلب کرے گا، "المَلِكُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہی کی پناہ میں آئے گا، ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج سمجھے گا۔"[1]

۴ بندے کو چاہیے کہ یقین رکھے کہ میری جان، میرا مال، میرا وقت یہ میرے پاس امانت ہے حقیقی مالک اللہ ہے، اپنے بشری تقاضوں کو پورا کرکے باقی وقت اور جان اور مال اللہ کے دین کو پھیلانے کی محنت میں گزارے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

---

[1] التسبیح للنوری: ۱۱۱

القُدُّوسُ جَلَّ جَلَالُهُ

(ہر عیب سے پاک ذات)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

① "اَلْقُدُّوْسُ هُوَ الطَّاهِرُ مِنَ الْعُيُوْبِ، الْمُنَزَّهُ عَنِ الْأَوْلَادِ وَالْأَنْدَادِ"[1]

ترجمہ: "امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "القدوس" جل جلالہ وہ ذات ہے جو تمام عیوب سے پاک ہے اور اولاد اور اپنے ہمسروں (شریکوں) سے بری (بے نیاز) ہے۔"

② "اَلْقُدُّوْسُ أَيِ الْمُنَزَّهُ عَنِ النَّقَائِصِ، الْمَوْصُوْفُ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ"[2]

ترجمہ: "امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: القدوس یعنی جو تمام کمیوں کوتاہیوں سے پاک ہو اور صفات کمال سے متصف ہو۔"

③ "القدوس" جل جلالہ وہ ذات ہے جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہے جو اس کے شایان شان نہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔

① ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾[3]

ترجمہ: "وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زورآور اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔"

وہ ذات ہر قسم کے شرک اور شائبہ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات و صفات میں کرتے رہتے ہیں پاک ہے، کوئی مخلوق کتنی ہی شرف والی ہو اس کی شریک کی حیثیت سے کسی درجے میں بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ ذات پاک ہر عیب اور نقص، ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اس کی ذات میں اس بات کا امکان ہی نہیں کہ آئندہ بھی کوئی نقص یا کوئی عیب اس میں پیدا ہو سکے۔[4]

---

[1] النہج الاسمیٰ [illegible]   [2] النہج الاسمیٰ [illegible]   [3] الحشر: ۲۳   [4] تفسیر [illegible]

سورۂ حشر کی ان آخری آیات کی فضیلت یہ ہے کہ ترمذی میں حضرت معقل بن یسار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو صبح کے وقت تین مرتبہ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں ﴿ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ سے آخر سورت تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں، جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس دن میں وہ مر گیا تو اسے شہادت کی موت حاصل ہوگی اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو صبح تک یہی درجہ اس کو بھی حاصل ہوگا۔[1]

❷ ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: "(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ (جو) بادشاہ، نہایت پاک (ہے) غالب و باحکمت ہے۔"

ان تمام سورتوں میں جو مُسَبِّحَات (جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ ہے) ہیں، اُن سب میں تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے۔ یہ تسبیح حالی یعنی بزبانِ حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا ذرہ ذرہ اپنے صانعِ حکیم کی حکمت و قدرت پر گواہی دیتا ہے، یہی اس کی تسبیح ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے طرز میں حقیقی تسبیح کرتی ہے کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ شعور و ادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر و حجر اور ہر چیز میں اس کے حوصلے کے مطابق رکھا ہے۔ اس عقل و شعور کا لازمی تقاضہ تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾[3]

جس طرح اللہ پاک خود قدوس ہیں تو جس پاک ذات نے جس چیز پر رحمت کی تجلی کر دی، وہ زمان (جیسے رمضان، لیلۃ القدر، یوم عرفہ)، وہ مکان (جیسے بیت اللہ شریف اور مساجد)، اور (جیسے انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کی) ہستیاں بھی تقدس مآب ہو گئیں۔ اسی طرح وادیٔ طویٰ بھی، جو کوہِ طور کے دامن میں ہے، ان ہی مقاماتِ مقدسہ میں سے ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی﴾[4]

تَرْجَمَۃ: "آپ پاک میدان طویٰ میں ہیں۔"

یہ اسم مبارک مندرجہ ذیل دعاؤں میں بھی مذکور ہے۔

رکوع، سجود اور وتر کے بعد کی دعا

❶ "ام المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رکوع اور سجدہ میں:

---

[1] الترمذی: ۲/۱۲۰، أبواب فضائل القرآن، باب فی فضل قراءة آخر سورة الحشر
[2] الجمعة: ۱
[3] معارف القرآن: ۵/۴۷۲، بنی اسرائیل: ۴۴
[4] طٰهٰ: ۱۲

"سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ" پڑھا کرتے تھے۔[1]

② آپ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تو تین مرتبہ "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" پڑھتے۔[2]
ترجمہ: ہمارا بادشاہ پاک اور ہر طرح کے عیب سے منزہ (پاک) ہے۔

فوائد ونصائح

① اس اسم مبارک سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے کہ جس طرح اس "اَلْقُدُّوْسُ" جَلَّ جَلَالُهُ کی ذات ہر عیب وشرک سے پاک ہے اسی طرح وہ اپنے اسمائے حسنیٰ میں بھی ہر قسم کے عیب سے پاک وبرتر ہے۔[3]

② لوگوں کو بھی زیادہ سے زیادہ "اَلْقُدُّوْسُ" جَلَّ جَلَالُهُ کی پاک ذات کا تعارف وپہچان کرائے اور اس ذات کی اطاعت وفرماں برداری میں دنیا وآخرت کا فائدہ ملنے کی خوب رغبت دے۔

③ اس اسم مبارک کے تحت رکوع، سجدوں اور نماز وتر کے بعد کی جو دعا ذکر کی گئی ہے اسے یاد کریں اور نمازوں میں پڑھتے رہیں۔

---

[1] مسلم: الصلوٰة، باب ما يقال في الركوع والسجود، رقم: ۱۰۹۱
[2] ابوداؤد، الوتر، باب في الدعاء بعد الوتر، رقم: ۱۴۳۰
[3] النهج الاسمى للحمود: ۲۷۵

السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سلامتی والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی ہوئی ہیں:

❶ السَّلَامُ: أَيْ مِنْ جَمِيْعِ الْعُيُوْبِ وَالنَّقَائِصِ لِكَمَالِهِ فِيْ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ.[1]

ترجمہ: امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے، جو تمام عیبوں سے اور تمام نقائص سے پاک ہو اور اپنی ذات، صفات اور افعال میں کامل ہو۔

❷ ”هُوَ الَّذِيْ تُرْجٰى مِنْهُ السَّلَامَةُ.“[2]

ترجمہ: ”وہ ذات جس سے حفاظت وعافیت کی امید رکھی جائے۔“

یہ اسم مبارک ”السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ قرآن پاک میں ایک مرتبہ آیا ہے۔

﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾[3]

وَهُوَ السَّلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ سَالِمٌ مِنْ كُلِّ تَمْثِيْلٍ وَمِنْ نُقْصَانٍ[4]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ”السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہیں اور وہ حقیقت اللہ تعالیٰ ہر مثل اور عیب سے منزہ ہیں۔“

علامہ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: سفیان ابن عیینہ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: انسان کو وحشت زدہ کرنے والے تین مواقع ہوتے ہیں:

① ایک وہ موقع جس دن بچہ پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو اپنے محل ومستقر سے (جہاں وہ نو ماہ گزار چکا ہوتا ہے) نکلا ہوا پاتا ہے۔

② جس دن انسان مرتا ہے، اس دن وہ ایسی قوم کو دیکھتا ہے، جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا (یعنی فرشتوں کو)۔

③ جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو ایک بڑے محشر میں پائے گا۔ اللہ رب العزت نے ان تینوں مواقع پر اپنے پیغمبر حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو سلامتی عطا فرمائی، اور ان کا اکرام فرمایا، ارشاد ربانی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] السلامة: النجاة، ومنه قيل للجنة: دار السلام لأنها دار السلامة من الآفات. (لسان العرب: ۳:۲۰۷۸)

[2] تفسیر ابن کثیر: ۴۹۴/۲، الحشر: ۲۳ [3] روح المعانی ۶۳/۲۸ (الحشر ۲۳)

[4] الحشر: ۲۳ [5] قال ابن القيم في النونية نقلاً عن النهج الأسمى ۱/۱۶۰

کسی چیز میں فلاح نہیں۔ نماز چھوڑ کر اگر لاکھوں بھی کما لیے تو وہ فلاح کا سبب نہیں بنیں گے۔ بلکہ خسران ہی خسران ہوگا۔

❹ (الف) کسی کا حق دبا کر کاروبار نہ کریں۔

(ب) والدین کے انتقال کے بعد بہنوں اور بھائیوں کا حق ان کو دے دیں۔

(ج) ادھار پر جو مال خریدا ہے پیسہ آتے ہی فوراً صاحبِ حق کا حق ادا کریں۔

(د) جھوٹ اور دھوکا دے کر کوئی کاروبار نہ کریں کہ جھوٹ بول کر یا بغیر عیب بتائے سودا بیچ کر جو مال آئے گا وہ بیماریوں کے علاج یا روحانی جھوٹے دعوے کرنے والے عاملوں کے پاس اور جھوٹے مقدمات کی وجہ سے عدالتوں کے چکر لگانے میں ہی ضائع ہوگا۔

رزقِ حلال میں برکت ہوتی ہے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو جب کہ حرام اور ناجائز مال میں برکت نہیں ہوتی خواہ وہ مقدار میں زیادہ ہو۔ اپنے حق سے زیادہ پیسے لینا اور جھوٹ اور دھوکہ دہی سے تنخواہ بڑھانا، بغیر زائد وقت دیے اوور ٹائم لگا لینا، یا دورانِ ملازمت کام سے غائب رہنا، یا کام صحیح طریقے پر لگن اور اخلاص سے انجام نہ دینا، یا ادارے کی مراعات کو غلط استعمال کرنا، یا ملازموں کے حقوق ادا نہ کرنا، صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے ملازموں کی ضروریات اور قابلیت کے موافق اجرت نہ دینا، ان کی خوشی وغمی میں مدد نہ کرنا، یہ سب گناہ کے کام ہیں جو انسان کی آمدنی کو بے برکت اور حرام بنا دیتے ہیں اور اس کا اثر انسان کی ساری عبادتوں اور عمل وخیال پر بھی پڑتا ہے۔

بدن کی سلامتی

ہر فرض نماز کے بعد "آیۃ الکرسی" اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ان دو سورتوں کو اہتمام سے پڑھیں اور جسم پر دم بھی کر دیں۔ فجر اور مغرب کے بعد ۱۰۰ مرتبہ یا کم از کم دس۱۰ مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھ لیں۔ ترمذی کی روایت ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد دس مرتبہ چوتھا کلمہ "يُحْيِي وَيُمِيتُ" کے ساتھ پڑھنے سے مسلح فرشتوں کی جماعت صبح تک حفاظت کرے گی۔[1]

ہمارے استاذ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عجیب بات فرماتے تھے کہ "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" قرآن کریم کی بالکل آخری دو سورتیں ہیں اور ان کو آخر میں لانے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ان دو سورتوں کی مسلمانوں کو آخر زمانے (قربِ قیامت کے دور) میں (جو کہ وہ زمانہ فتنوں سے بھرا ہوگا) زیادہ ضرورت پڑے گی، لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ اس زمانے میں خصوصاً ان دو سورتوں کو کثرت سے پڑھنے کا معمول بنالیں۔[2]

---

[1] ترمذی، الدعوات: ۱۹۲/۲ [2] مستند معمولات صبح وشام: ۱۲

اولاد کی سلامتی

● اولاد کی سلامتی کے لئے صدقہ کی کثرت سے اہتمام کریں۔ گھر میں ایک تھیلی یا ڈبہ لگا کر رکھیں، جس پر لکھ دیں "صدقہ" اور ایک تھیلی پر لکھیں "للّٰہ"۔ اب جب بھی تنخواہ ملے یا کسی قسم کی آمدنی ہو تو دسواں حصہ یا بیسواں حصہ جتنی بھی استطاعت ہو ان دو تھیلیوں میں ڈال دیں۔ پھر یہ تھیلیاں آپ کو مجبور کریں گی یعنی یاد دلاتی رہیں گی کہ انہیں خرچ کرو اور اپنا مصرف تلاش کرو۔

اسی طرح بچا بچا کر چیزیں نہ رکھیں۔ چند روز یا ایک ماہ بعد اپنی الماری صاف کریں۔ جوتے، سوئیٹر، کپڑے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی ضرورت کبھی بھی نہیں پڑتی۔ سالہا سال بعد ضرورت پڑتے پڑے رکھے جاتے ہیں، ان کو صدقہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور بچوں کو نئے کپڑے دیں تو پرانے صدقہ کر دیں۔ (البتہ بچے اگر ان کپڑوں کے مالک بنا دیئے گئے تھے مگر وہ کپڑے اب ان کے کام کے نہیں رہے تو صدقہ کرتے وقت ان کپڑوں کی قیمت فروخت کا اندازہ کر کے اتنی رقم نابالغ بچوں پر استعمال کر دیں، یہ ضروری ہے۔)

❷ بچوں کو نظرِ بد سے بچنے کی دعائیں یاد کروا دیں۔ چھوٹے بچے ہوں تو ان پر دم کر دیں یا یہ دعا لکھ کر گلے میں باندھ دیں:

"أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔"[1]

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیطان اور ہر زہریلی چیز اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ کے شر سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے (ہر شر سے بچاؤ کی) اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں بیٹوں کے لئے بھی ان ہی کلمات کے ذریعے پناہ طلب کرتے تھے۔

ہمیں بھی اپنی اولاد کو ہر قسم کے فتنوں سے، دشمنوں، شیطانوں اور زہریلی چیزوں وغیرہ سے بچانے کے لئے اس دعا کو خوب اہتمام سے مانگتے رہنا چاہئے۔

❸ بچے جب گھر سے باہر جائیں تو ان کو "فِیْ أَمَانِ اللّٰہِ" کہیں اور یہ دعا دیں:

"أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔"[2]

اسی طرح منزل جو چند آیات پر مشتمل ہے اور جس کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث

---

[1] ابن ماجہ: کتاب الطب، باب ما عوّذ به النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، رقم: ۳۵۲۵

[2] ابو داؤد: کتاب الجهاد، باب فی الدعاء عند الوداع: ۲۲۰۲

بار بار دو شروع کر دیا کریں، شیخ اس کام کے لئے اُجرت دے کر کسی قاری یا حافظ کو مقرر کیا جائے کہ وہ اس مکان میں پڑھتے رہتے کریں۔ فائدہ ہوتا ہے اور پڑھانے والے کو اگر مجبوری نہ ہو تو آپ خود قرآن پڑھیں، بچیوں کو دے کر دم کروا لیں یا پڑھ پڑھوائیں اور اگر کوئی خود نہ پڑھ سکتا ہو تو ٹیپ سے سننا بھی فائدہ دیتا ہے۔ سحر، خیال، جنات وغیرہ کے اثر میں اس طرح سے بھی اثرات کو ختم کرتا ہے۔

❸ اگر کسی شخص پر جادو کر دیا گیا ہو تو اس کو ختم کرنے کے لئے سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "حُكْمُ السِّحْرِ وَالْكَهَانَةِ" میں فرمایا:

بیری کے سات پتے لے کر ان کو پیس لیا جائے، پھر ان کو ایک برتن میں رکھ کر اس میں اتنا پانی ڈالا جائے کہ وہ غسل کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اس پر "آیۃ الکرسی" سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ کی آخری تین آیات، سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ، سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ اور مُعَوِّذَتَيْن (سُوْرَةُ الْفَلَقِ، سُوْرَةُ النَّاسِ) پڑھے۔ نیز آیات سحر یعنی سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ آیات ۱۱۷ تا ۱۲۲، سُوْرَةُ يُوْنُسَ آیت ۷۹ تا ۸۲، سُوْرَةُ طٰهٰ آیت ۶۵ تا ۶۹ بھی پڑھے۔ یہ آیات پڑھ کر پانی پر دم کرنے کے بعد مریض اس پانی کو تین مرتبہ پئے اور باقی پانی سے غسل کر لے۔ ان شاء اللہ اس سے بیماری ختم ہو جائے گی۔ نیز اس طریقۂ علاج کو ایک سے زیادہ مرتبہ بھی مرض کے ختم ہونے تک استعمال کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

❹ نمازوں کی پابندی رکھیں اور کوشش کریں کہ نوافل اور سنتیں گھر میں پڑھیں۔ نیز اس بات کی بھی کوشش کی جائے کہ مکان، دکان یا جہاں کہیں برکت چاہتے ہوں وہاں نوافل اور ذکر و اذکار کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ جب بھی موقع ملے دو چار رکعت نفل پڑھ لئے جائیں یا تھوڑی دیر ذکر کر لیا جائے۔

❺ گھر یا دکان والی ہر قسم کی چیز جن میں جانداروں کی تصویریں ہوں ان کو نکال دیں یا ان کے سر وغیرہ مٹا دیئے جائیں۔ دفتر، گھر، دکان وغیرہ میں اگر کوئی تصویر یا مجسمہ وغیرہ ہے تو اسے ہٹا دیجئے کیونکہ جہاں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

گھر سے نکلتے وقت "اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" سے سلامتی کی دعا مانگنے کی فضیلت

❻ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں خصوصاً بیت الخلاء جاتے ہوئے دعا پڑھنا، گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کی دعائیں اور "بسم اللہ" پڑھی جائے اور خصوصاً گھر سے نکلتے وقت۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ[1] کے ساتھ یہ دعا بھی کی جائے۔

[1] امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فتح الباری" (۱۰/۲۳۳) میں اور علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "عمدۃ القاری" (۱۰/۲۰۵) میں نسب کی ... حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ... (کتاب ... ۲۶۸)

... ایک ... سے ... گئے ہیں۔

● ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ... اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ... اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ''[1]

ترجمہ: ''یا اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگتا ہوں۔ یا اللہ! میں آپ سے معافی اور عافیت (دنیا و آخرت کے مصائب سے نجات) کا سوال کرتا ہوں اپنے دین میں بھی، اپنی دنیا میں بھی، اپنے گھر والوں کے لئے بھی اور اپنے مال کے لئے بھی۔ یا اللہ! میرے جملہ عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف اور پریشانی کو امن و امان سے بدل دے، یا اللہ! میرے سامنے سے بھی میری حفاظت کیجئے، میرے پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی اور اوپر سے بھی (کہ کوئی آفت آسمان سے بھی نہ آئے) اور میں آپ کی عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ اپنے نیچے (زمین کے کسی عذاب یعنی زلزلے سے) ہلاک کر دیا جاؤں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے اور اس مبارک دعا کا معمول اخیر عمر تک رہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔''[2]

یہ دعا بہت مبارک ہے اور اس کو صبح و شام ضرور مانگنا چاہئے۔

● حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: ''لَوْلَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِی الْیَهُوْدُ حِمَارًا'' اگر میں چند کلمات (دعا) نہ پڑھوں تو یہود مجھے گدھا بنا دیں۔'' ان سے کہا گیا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ تو فرمایا:

''اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ۔''[3]

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں جس سے بڑھ کر عظمت والی کوئی چیز نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ذریعے جن سے آگے نہ کوئی نیک بڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی برا، اور اس کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعے جن کو میں جانتا ہوں اور جنہیں میں نہیں جانتا۔ میں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، اس کی تمام مخلوقات کی برائی سے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد جو دعائیں مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ مندرجہ ذیل دعا بھی ہے۔

---

[1] ابن ماجة، ابواب الدعاء، باب ما یدعو به الرجل اذا اصبح واذا امسٰی ۲۷۸
[2] سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی دعائه حین یمسی وحین یصبح لم یدعها حتی فارق الدنیا او حتی مات.
[3] مشکوٰة، باب الاستعاذة، ۲۱۸

(۸) سورۃ الجن آیت ۳۔

(۹) سورۃ الاخلاص اور معوذتین [1]

"دَارُ السَّلَامِ" کی طرف دعوت

اللہ رب العزت نے دنیوی مصائب و مشکلات سے سلامتی کے اسباب بنا کر اس جہانِ فانی میں بھی انسان کو امن عطا فرمایا اور اس فانی زندگی کے بعد آنے والی دائمی اور ابدی زندگی میں بھی اپنے نیک بندوں کے لئے سلامتی والا گھر تیار کر رکھا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ [2]

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے۔"

یعنی ایسے گھر کی طرف جس میں ہر طرح کی سلامتی ہی سلامتی ہے۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوئی تکلیف ہے، نہ رنج و غم، نہ بیماری کا خطرہ، نہ فنا ہونے یا حالت بدل جانے کی فکر۔

"دَارُ السَّلَامِ" سے مراد جنت ہے، اس کو "دَارُ السَّلَامِ" کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی اور امن و سکون ہر شخص کو حاصل ہوگا۔

دوسری وجہ بعض روایات میں ہے کہ "جنت" کا نام "دَارُ السَّلَامِ" اس وجہ سے بھی رکھا گیا ہے کہ اس میں بسنے والوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا، بلکہ لفظ "سلام" ہی اہلِ جنت کی اصطلاح ہوگی، جس کے ذریعے وہ اپنی خواہشات کا اظہار کریں گے اور فرشتے ان کو مہیا کریں گے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں بطور نصیحت عوام کو خطاب کر کے فرمایا:

اے آدم کے بیٹے! تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دَارُ السَّلَامِ کی طرف بلایا تو تو اس دعوتِ الٰہیہ کی طرف کب اور کہاں سے قدم اٹھائے گا؟

خوب سمجھ لے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے اگر تو نے دنیا ہی سے کوشش شروع کر دی تو وہ کامیاب ہوگی اور تو دارالسلام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر تو نے اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد یہ چاہا کہ قبر میں پہنچ کر اس دعوت کی طرف چلوں گا تو تیرا راستہ روک دیا جائے گا تو وہاں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے گا، کیوں کہ وہ دارالعمل نہیں۔

---

[1] ابن ماجۃ، الطب، باب الفزع والارق وما یتعوذ منہ، رقم: ۳۵۴۹۔

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ان قرآنی آیات کو "منزل" کے نام کے ساتھ جمع کر دیا ہے، صبح و شام ان آیات کے ورد کا معمول بنا لینا چاہئے۔ یہ "منزل" کتابچے کی صورت میں بازار میں دستیاب ہے۔

[2] یونس: ۲۵

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: دَارُالسَّلَامِ جنت کے سات ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی گھر کا نام دَارُالسَّلَامِ رکھنا مناسب نہیں، جیسے جنت یا فردوس نام رکھنا درست نہیں۔[1]

جس طرح اس آیت میں اللہ رب العزت نے دعوت کی نسبت اپنی ذات کی جانب فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دَارُالسَّلَامِ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو دَارُالسَّلَامِ کی طرف دعوت دے۔ دعوت اتنا مبارک عمل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ یہ عمل فرماتے ہیں۔ نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ سلامتی کی طرف وہی بلاتا ہے جو شفیق ہوتا ہے اور دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے اور ظاہر ہے اللہ رب العزت سے بڑھ کر کون شفیق اور مہربان ہو سکتا ہے۔

لہٰذا جب انسان سلامتی کے راستے کی طرف دعوت دے گا تو یہ عمل انسان کے جذبہ شفقت اور مہربانی کے تحت ہوگا اور اس عمل سے یہ جذبہ اور ابھرے گا اور اس عمل میں لوگوں کی خلاف طبیعت باتیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی، صبر سے کام لینا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس صبر کا بڑا اجر عطا فرمائیں گے اور ہدایت کے فیصلے جاری فرمائیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ کہنے کی فضیلت:

مندرجہ بالا مضمون سے معلوم ہوا کہ جنت کا نام "دَارُالسَّلَامِ" رکھنے کی ایک وجہ جنت میں اہل جنت کا تکیہ کلام "تَحِیَّةٌ وَّسَلَامٌ" ہوتا ہے۔ اس سے سلام کی اہمیت وافادیت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی سلام کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہئے۔ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

1. "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ (یعنی تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے؟ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔"[2]

2. "حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سلام کو خوب پھیلاؤ، تاکہ تم بلند ہو جاؤ۔"[3]

3. "حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو صرف جان پہچان کی بنیاد پر سلام کرے

---

[1] معارف القرآن: ۵۲۸/۴، ۵۲۹

[2] لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔ (مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انه لا یدخل الجنة الا المؤمنون: ۸۱)

[3] اَفْشُوا السَّلَامَ کَیْ تَعْلُوْا۔ (مجمع الزوائد: ۶۸/۸، رقم: ۱۲۷۲۴)

سلام کا پھیلانا اسلام کے بڑے بڑے شعائر میں سے ہے جس میں اکثر لوگ سستی کرتے ہیں۔

سلام ان چیزوں میں سے ہے جن پر ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے دوڑے چلے آئے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ میں نے آپ ﷺ کے چہرے کو غور سے دیکھا اور نبوت کے آثار تلاش کرنے کی کوشش کی تو مجھے یقین آگیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر پہلی بات جو میں نے آپ ﷺ کے کلام سے سنی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور راتوں کو جس وقت لوگ سو رہے ہوتے ہیں نماز پڑھو تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔[1]

چند باتیں ایسی ہیں جن سے آپس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے ان میں سے ایک سلام بھی ہے

1. جب بھی اپنے مسلمان بھائی سے ملیں تو اسے سلام کریں۔
2. مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کریں۔
3. اُسے اس کے محبوب نام کے ساتھ پکاریں۔
4. اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے دوستوں رشتہ داروں کے سامنے اس کی بھلائیاں اور خوبیاں بیان کریں اس کے عیوب اور خامیوں پر پردہ ڈال کر اس کی اصلاح کے لئے دعا کریں۔

جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونے کے لئے چار اعمال

① لوگوں کو کھانا کھلانا ② صلہ رحمی کرنا ③ سلام کا پھیلانا ④ تہجد کی نماز پڑھنا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ[2]

ترجمہ: "اے لوگو! تم سلام کو عام کرو اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، رات کو اس وقت نماز

---

[1] إفشاء السلام من شعائر الإسلام العظيمة التي يتهاون بها كثير من المسلمين وهو من أوائل ما دعا إليه النبي صلى الله عليه وسلم عندما وصل إلى المدينة فعن عبد الله بن سلام قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة انجفل الناس إليه فكنت فيمن جاءه فلما تأملت وجهه واستثبته عرفت أن وجهه ليس بوجه كذاب قال: وكان أول ما سمعت من كلامه أن قال: أيها الناس أفشوا السلام وأطعموا الطعام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام" (الترمذي كتاب صفة القيامة، باب أفشوا السلام، رقم ۲۴۸۵)

نقلا عن الترغيب (الأصلي ۳/۲)   [2] المستدرك للحاكم، كتاب البر والصلة، ۴/۱۲۹، رقم ۷۲۸۷

پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

کتنے آسان ہیں یہ چار کام، خصوصاً سلام کو پھیلانے میں تو کوئی پیسہ نہیں لگتا۔ ہمیں چاہئے کہ ایک دوسرے کو خوب سلام کریں، اور پورا سلام کریں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ اپنے دل میں ہر ایک کے لئے سلامتی پیدا کریں یہ اس لئے کہ ہم اسی "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے بندے ہیں۔

فوائد ونصائح

- اس اسم سے تعلق پیدا کرنے کے لئے یقین رکھنا ہوگا کہ سلامتی صرف اور صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، سلامتی اور عافیت حفاظت صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنی ہے۔ اس کے لئے جو واقعات لکھے گئے ہیں ان کو ذہن نشین کر لیجئے اور دوسروں کو بھی بیان کیجئے۔

۲. جان کی سلامتی کے لئے چھ دعائیں یاد کرلیں اور مانگنے کا اہتمام کریں۔

۳. مال کی سلامتی کے لئے بہنوں اور بھائیوں کا حق نہ دبایئے۔ مال ہوتے ہوئے قرض اپنے اوپر نہ رکھئے فوراً قرض ادا کریں، زکوٰۃ واجب اور نفلی صدقہ، اور رشتہ داروں کے ساتھ مالی صلہ رحمی کا بھی اہتمام کیجئے۔

۴. لوگوں کو دارُالسَّلَام کی طرف دعوت دیجئے یعنی جنت کے اعمال کی طرف بلایئے اور جنت میں سلامتی سے داخلہ کے چار اعمال کا مذاکرہ کرتے رہیں۔

۵. اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ کی کثرت کیجئے۔ آپ سے سلام کرنے میں کوئی سبقت نہ لے جائے، رکشہ، ٹیکسی والے سے بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، دکان دار سے بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، فون، موبائل پر بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ گھر میں داخل ہونے کے بعد بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا اہتمام کریں۔

۶. ان تمام باتوں کی دعوت اپنے آپ کو بھی دیں اور لوگوں کو بھی دیں کہ: "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہر عیب سے سلامت ہے، اس کی صفات میں بھی سلامتی ہے، اولاد اور بیوی سے سلامت ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو ہم شکل، شریک، موت، نیند، اونگھ، تھکاوٹ، پریشانی اور بھول چوک ان تمام سے سلامت ہے اسی طرح اس ذات کا کسی کو سزا دینا ظلم وستم سے اور انتقام سے پاک ہے اور حکمت ومصلحت پر ہی "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کا ہر فیصلہ ہوتا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر الاسماء للزجاج ۲۸

المؤمن جل جلالہ

(امن دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ "المؤمن جل جلالہ" وہ ذات ہے جس نے اپنی تعریف کامل صفات، انتہائی بزرگی اور جمال سے فرمائی ہے۔ جس نے رسول بھیجے، اپنی کتابیں واضح نشانیوں اور دلائل کے ساتھ نازل فرمائیں، ہر ہر نشانی اور دلیل سے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق فرمائی اور انبیاء علیہم السلام کی سچائی پر خود وہ نشانیاں بھی دلیل تھیں، جو وہ لے کر مبعوث ہوئے۔[1]

❷ "المؤمن جل جلالہ" کا ایک معنی تصدیق کرنے والا بھی آتا ہے، اب اس لفظ کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں:

① ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا فرماتے ہیں اور ان کو دنیا میں بھی پورا پورا رزق عطا فرماتے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان بندوں کے اچھے اعمال پر آخرت میں بھی ان کو پورا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

② دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گمان کو (جو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رکھتے ہیں) پورا فرماتے ہیں اور انہیں ناامید نہیں فرماتے۔[2]

قرآن کریم کی اس آیت میں یہ اسم مبارک مذکور ہے

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾[3]

---

[1] قال السعدي: (المؤمن) الذي أثنى على نفسه بصفات الكمال، وبكمال الجلال والجمال، الذي أرسل رسله وأنزل كتبه بالآيات والبراهين، وصدق رسله بكل آية وبرهان يدل على صدقهم وصحة ما جاؤوا به. (النهج الأسمى: ١/١٢٥)

[2] المؤمن: المصدق، وقد يحتمل ذلك وجهين أحدهما أن يصدق عباده وعده ويفي بما ضمنه لهم من رزق في الدنيا، وثواب على أعمالهم الحسنة في الآخرة، والوجه الآخر أنه يصدق ظنون عباده المؤمنين ولا يخيب آمالهم. (شأن الدعاء ٥١)

[3] الحشر: ٢٣

ہے اور جس حد تک ان سے کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جس گندے خطے کو چاہتا ہے اس سے اپنی امان اٹھا لیتا ہے تو وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

اس عالم کون و مکان کا سب سے بڑا مقصد تو خود یہ حضرت انسان ہی ہے۔ دنیا چوروں، ڈاکوؤں، ظالموں، رشوت خوروں، لوٹنے والوں، شریروں، فتنہ پروروں اور قاتلوں سے بھری پڑی ہے، پھر بھی مخلوق خدا میٹھی نیند سوتی ہے۔ کیوں کہ اس "المؤمن جل جلالہ" نے ان کو لگام دے رکھی ہے، اگر وہ نہیں تو یہ ایک منٹ نہ رکھتا تو ایک دوسرے کو کھا جاتے۔[1]

شہری امن ایک بڑی نعمت ہے

امن اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس شہر یا جس ملک میں امن نہ ہو وہاں آدمی دین یا دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا، شہر میں ساری دنیا کی نعمتیں ہوں، لیکن امن نہ ہو تو اس شہر میں رہنا مشکل ہے۔ شیخ ایوب بری امام مسجد قباء (مدینہ منورہ) جب کراچی تشریف لائے تو ایک عجیب حکمت کی بات فرمائی کہ شہر میں امن ہونا بہت ہی بڑی نعمت ہے۔

(اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعائیں حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عجیب دعا کی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾[2]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے۔"

یعنی سب سے اہم ہے کہ شہر میں امن ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب "سورۃ التین" میں شہر کی قسم کھائی تو اس کی صفت "امین" لائے ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾[3] جس سے معلوم ہوا کہ شہر کی سب سے زیادہ عظیم اور اہم صفت، جس سے وہ شہر رہنے کے قابل بنے امن ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے سب خاندان کے افراد سے کہا کہ آپ سب بحکم خداوندی مصر میں بے خوف و خطر بغیر کسی پابندی کے داخل ہو جائیں:

﴿ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: "مصر میں چلیے (اور) ان شاء اللہ (وہاں) امن چین سے (رہئے گا)۔"

اسی طرح سورۂ قریش میں جو اللہ تعالیٰ نے دو بڑی بڑی نعمتیں ذکر فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی: ﴿وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ یعنی انہیں امن دیا خوف سے۔ چوں کہ مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد و شاداب ملک ہے۔ لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۱۷۲ [2] ابراھیم: ۳۵ [3] التین: ۳ [4] یوسف: ۹۹

جب یہ پوری قدرت رکھتے ہیں اس سے تو تم ڈرتے نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی مصیبت آجائے گی اور جن چیزوں میں نہ نفع ہے نہ قدرت ان سے ایسے ڈرتے ہو! یہ ہوئے بے عقلی کے اور کیا ہے؟ ذرا صاحب اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے بچا ہے اور جس کا اس پر ایمان ہو وہ کسی خطرے میں نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر مشرک و بت پرست ہو جائے بلکہ وہ آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے مگر کسی فرشتے یا رسول یا کسی ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ کا شریک ٹھہرائے۔ اس میں اُن عوام کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزارات و حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات ان کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ۔[1]

پھر جاہل ساتھ یہ بھی عقیدہ ہو کہ ان اولیاء اور خاصانِ خدا کو یہ خداوندی مخصوص صفات بوجہ ان بندوں کے مقرب ہونے کے خود اللہ تعالیٰ ہی نے دی ہیں اور وہ جب چاہیں ان سے سب کچھ کر لے اور اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر اس عقیدے کے باوجود بھی ایسے فاسد خیالات والے شرک کے جرم سے بری نہیں، کیوں کہ مکہ کے مشرکوں کا بھی اصل شرک یہی تھا، چنانچہ یہ طواف کرتے ہوئے کہتے تھے:

"لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ."[2]

تَرْجَمَۂ: میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں سوائے ایک شریک کے جو آپ کا ہے، آپ اس کے مالک ہیں اور اس چیز کے بھی مالک ہیں جس کا وہ شریک مالک ہے۔

اس لئے شرک سے بچنے اور بچانے کی خوب محنت کرتے رہنا چاہئے اور شرک سے بچنے کی یہ دعا مانگتے رہنا چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَأَنَا أَعْلَمُ بِهِ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ بِهِ."[3]

تَرْجَمَۂ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤں اور میں یہ جانتا بھی ہوں اور تجھ سے استغفار کرتا ہوں اس گناہ پر جس کو میں نے لاعلمی میں کیا ہو۔"

❷ دوسری بات جس سے اللہ تعالیٰ نعمتِ امن کو خوف و بے چینی سے بدل دیتے ہیں وہ ناشکری کا گناہ ہے، لہٰذا جہاں کہیں امن ہو وہاں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرنا چاہئے اور شرک اور گناہوں سے بچنا چاہئے کہ یہ دونوں چیزیں غضب کے موجب ہیں [illegible] اور فقر و فاقہ تنگ دستی لے آتی ہیں [illegible]

---

[1] معارف القرآن: ۴/۶۸۹ [2] اصلاح المختصر [illegible]

[3] أورده السيوطي في "الجامع الصغير" طائفة مأثورة في كتابه عمل اليوم والليلة [illegible] وذكره عبد الرؤوف المناوي [illegible] الأول منه فقط في كتابه الكنوز الحقائق وعزاه إلى الطبراني [illegible] انظر [illegible] تخريج الحديث [illegible] محمد عبد الوحيد [illegible]

اسی طرح عورتیں بھی سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک اپنے جسم کی حفاظت کریں کہ کوئی نامحرم نہ دیکھے۔ جو عورت اپنا جسم دوسروں کو دکھاتی پھرتی ہے، گھر کے ڈرائیور، نوکر سے پردہ نہیں کرتی یا خالہ زاد، پھوپھی زاد نامحرموں کے سامنے بے پردہ آتی جاتی ہے تو وہ عورت اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کو دعوت دے رہی ہوتی ہے، وہ امن میں کیسے آ سکتی ہے۔

لہٰذا آج سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی امان میں داخل ہونے کے لئے ساری شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ گھروں سے گندہ اور لغویات کا سامان نکال پھینکیں۔ ہمت کر کے حکمت کے ساتھ ٹی وی گھر سے نکال دیں اور بچوں کی دینی تربیت کریں۔ گناہوں سے بچیں اور پیار محبت اور دعاؤں کے ذریعے دوسروں کو بھی بچائیں تو اپنی ذات میں، گھر میں اور ملک میں بھی امن و امان قائم ہوگا۔

ایمان کی حفاظت کیجئے

عام طور پر دو چیزیں ایمان کے کمزور ہونے کا سبب بنتی ہیں لہٰذا اس کی نگرانی کرتے ہوئے ایمان کی حفاظت کیجئے۔

① سب سے پہلی بات: ایمان کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کرنا کیونکہ جس نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت کو واپس نہ لے لیں، نعمت تب باقی رہتی ہے جب انسان اس نعمت پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اسی لئے دعائیں سکھلائی گئیں "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا" تو ہم اپنے دل میں بھی سوچیں، ہم اپنے رب سے راضی ہیں، وہ ہمارا پروردگار ہے، ہم نبی ﷺ سے راضی ہیں، وہ ہمارے آقا اور سردار ہیں اور ہم دین سے راضی ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی تو پہلی بات کہ ہم نعمت ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں۔[1]

② دوسری بات دین داروں سے نفرت کرنا: دین یا دین داروں سے کبھی نفرت نہ کریں کیونکہ ہمارے نفرت کرنے سے ان کا کیا نقصان! اپنی ہی آخرت خراب ہوتی ہے، چنانچہ بجائے نفرت کے ان سے محبت کریں، دین خود سیکھیں، ایمان بڑھائیں، دینی ماحول میں شرکت کرتے رہا کریں، تاکہ ایمان کی حفاظت اور بڑھوتری خوب ہو۔

ایمان دل میں رچ بس جائے اس کے لئے یہ دعائیں مانگیں

① "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُصِيْبُنِيْ إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَرَضِّنِيْ مِنَ الْمَعِيْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ"[2]

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں رچ بس جائے اور وہ یقین کہ میں خوب

---

[1] مجلس سے زندگی تک: ۴۴۰

[2] کنز العمال، کتاب الاذکار، قسم الاقوال: ۱۸۰/۲، رقم: ۳۶۵۴

جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے بس وہی مجھ کو پہنچ سکتی ہے اور مجھے راضی کردے اس زندگانی پر جو تو نے میرے لئے تقسیم فرمادی ہے۔"

۲ "اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَرَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ." [1]

ترجمہ: "اے خدا مجھے ایسا ایمان و یقین دے جس کے بعد کفر نہ ہو اور وہ رحمت عطا فرما جس کے سبب میں دنیا و آخرت میں تیری عطا کردہ بزرگی کا شرف حاصل کرسکوں۔"

۳ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَعْلٰى دَرَجَةِ الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ." [2]

ترجمہ: "الٰہی! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو نہ چھوٹے اور ایسی نعمت کا طالب ہوں جو ختم نہ ہو اور اپنے نبی محمد ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت کے سب سے اونچے درجے میں جو ہمیشہ رہنے کی جنت ہے۔"

۴ "اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ." [3]

ترجمہ: "اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کردے اور راہ دکھانے والا اور خود راہ یافتہ بنادے۔"

فوائد و نصائح

۱ مکہ مکرمہ کے امام شیخ عبدالرحمان السدیس یہ مختصر دعا امن کے لئے مانگتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ آمِنَّا فِيْ أَوْطَانِنَا."

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں ہمارے وطنوں میں امن نصیب فرما۔"

۲ حضرت شیخ عبدالغفور عباسی مدنی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی "بہار غوثیہ" میں لکھتے ہیں۔

جو شخص فجر اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ گیارہ دفعہ (سورۂ قریش) کو پڑھے اور ﴿أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ﴾ پڑھتے وقت رزق کی تنگی کے دور ہونے اور ﴿وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ پڑھتے وقت دشمن کے خوف سے حفاظت کا دل سے طالب ہوگا) اس کے رزق میں وسعت ہوگی اور دشمن کے شر سے محفوظ رہے گا۔

ابوالحسن قزوینی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا جس شخص کو کسی دشمن یا کسی مصیبت کا خوف ہو اس کے لئے ﴿لِإِيْلَافِ قُرَيْشٍ﴾ کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ اس کو امام جزری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے نقل کرتے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔

---

[1] الترغیب والترهیب: ۲/۴۳۵　[2] مستدرک حاکم کتاب الدعاء: ۷۰۵/۱، رقم ۱۹۸۰

[3] النسائي کتاب السهو: ۱۳۰۵　[4] تفسیر مظہری: ۳۸۵/۱۰

● خوف وپریشانی کو امن میں بدلوانے کے لئے یہ دعا مانگنی چاہئے:

"اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَآمِنْ رَوْعَاتِیْ" [1]

ترجمہ: اے اللہ (میں درخواست کرتا ہوں کہ) آپ میرے تمام عیوب کی پردہ پوشی فرمادیں اور میرے خوف وپریشانی کو امن میں بدل دیں۔

ایمان کی حقیقت حاصل کرنے کا نسخہ

● مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے مؤمنین اس کے شر اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے" کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کون مؤمن نہیں ہے؟

فرمایا: "وہ شخص جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔"

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کامل مؤمن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔

لہٰذا اس بات کی پوری کوشش ہو اور پکا ارادہ ہو کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خصوصاً پڑوسیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: بھلا میں تمہیں نہ بتاؤں مؤمن کے بارے میں؟ مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان ومال محفوظ ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔ [2]

ایک حدیث میں آیا ہے:

"مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی إِنْفَاذِہٖ مَلَأَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَلْبَہٗ أَمْنًا وَإِیْمَانًا۔" [3]

ترجمہ: "جس شخص نے غصے کو ضبط کر لیا باوجود اس کے کہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ

---

[1] أبوداؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا أصبح، الرقم ۵۰۷۴.

[2] إنما المؤمن أهلٌ وحبّ قلبه أن يأمن المؤمنون شره وبوائقه. لقد قال صلى الله عليه وسلم: "والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن" قيل: ومن يا رسول الله؟ قال: الذي لا يأمن جاره بوائقه. (البخاري، كتاب الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه) أي لا يكون الرجل مؤمنًا كامل الإيمان حتى يأمن جاره بوائقه، أي شروره وغوائله. وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم من سلم الناس من لسانه ويده والمؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم. (الترمذي، الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون... الرقم: ۲۶۲۷) النهج الأسمى: ۱/۲۲۷

[3] جامع الصغیر: ۲/۱۷۷

المھیمن جل جلالہ

(پوری نگہبانی فرمانے والا)

اس اسمِ مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "المھیمن" نام ہے اس ذات کا جو تین صفات کے مجموعے کے ساتھ موصوف ہو:

پہلی صفت...... ہر چیز کے تمام احوال کا علم ہو۔

دوسری صفت...... اس چیز کے فوائد حاصل کرنے پر مکمل قدرت ہو۔

تیسری صفت...... ان فوائد و مصالح کو پابندی سے حاصل بھی کر سکے۔ ان صفات کے جامع کا نام "المھیمن" ہے۔ اور یہ تینوں صفات اللہ رب العزت کے سوا کسی اور میں کہاں ہو سکتی ہیں؟ [1]

❷ (المھیمن): المُطَّلِعُ عَلٰى خَفَايَا الْاُمُوْرِ، وَخَبَايَا الصُّدُوْرِ، اَلَّذِيْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا. [2]

ترجمہ: "المھیمن جل جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام مخفی امور سے آگاہ ہو اور دلوں میں چھپی ہوئی باتوں پر مطلع ہو اور جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہو۔

"المھیمن جل جلالہ" کے دوسرے معنی شاہد کے ہیں۔ یعنی ایسا حاضر اور باخبر جس کے علم سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہوتا۔ صاحب مرقاۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المھیمن" کی تعریف اس طرح کی ہے:

❸ "اَلْقَائِمُ بِاُمُوْرِ الْخَلْقِ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَاَرْزَاقِهِمْ وَاٰجَالِهِمْ وَاَخْلَاقِهِمْ." [3]

ترجمہ: "مخلوق کے تمام کاموں کی نگرانی کرنے والا، ان کے رزق، ان کی عمروں اور اخلاق، ان سب کی نگرانی کرنے والا۔"

قَالَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِي الصَّلْتِ:

---

[1] اِسْمٌ لِمَنْ كَانَ مَوْصُوْفًا بِمَجْمُوْعِ صِفَاتٍ ثَلَاثٍ، اَحَدُهَا: اَلْعِلْمُ بِاَحْوَالِ الشَّيْءِ، وَالثَّانِيْ: اَلْقُدْرَةُ التَّامَّةُ عَلٰى تَحْصِيْلِ مَصَالِحِ ذٰلِكَ الشَّيْءِ، وَالثَّالِثُ: اَلْمُوَاظَبَةُ عَلٰى تَحْصِيْلِ تِلْكَ الْمَصَالِحِ، فَالْجَامِعُ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ اِسْمُهُ "الْمُهَيْمِنُ" وَلَنْ تَجْتَمِعَ عَلَى الْكَمَالِ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى (النهج الأسمى ۲۳۶/۱)

[2] النهج الأسمى: ۲۳۶/۱ [3] مرقاۃ: کتاب اسماء اللہ تعالیٰ ۵/۷۴

حفاظت کی ضمانت ہے۔ کسی کو اس قدر زور آور اور طاقتور بنایا ہے کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے۔

بعض کو حفاظت کے لئے ڈنک عطا کئے ہیں۔ ریچھ بڑے مزے سے شہد پی جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔

درختوں کی حفاظت ان کی جڑیں اور دور دور تک پھیل جانے والی شاخیں کرتی ہیں۔ زمین کی حفاظت پہاڑ کرتے ہیں اور ستاروں کی حفاظت ان کی آپس کی کشش، ان کی فضا اور ان کا ماحول۔ ایک فلک کو دوسرے فلک کا ماحول راس نہیں آتا، چنانچہ وہ ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہو پاتے اور ان کے مقدر سے ان ہی کی تنہائی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔[1]

"الحفیظ جل جلالہ" نے بعض جانوروں کے منہ میں ایسا لعاب پیدا کر دیا کہ کانٹوں سے بچے کھاتے ہوئے اگر کانٹے ان کے منہ میں چبھ بھی جائیں تو وہ فوراً اس کے لعاب کی وجہ سے پگھل جاتے ہیں۔ الحفیظ جل جلالہ نے اس کی زبان اور اس کے منہ کے اندرونی حفاظت کے لئے اس کی ایسی نگہبانی کی کہ اس کے لعاب میں ایسا تیزاب پیدا کر دیا کہ حلق میں وہ کانٹے پگھل جاتے ہیں۔ "فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ"

الحفیظ جل جلالہ سے حفاظت طلب کرنے کی ایک پیاری دعا

یہ دعا دعائے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس دعا کو روزانہ مانگنے کا معمول بنائے:

"اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللهِ عَلَى نَفْسِي وَدِينِي، بِسْمِ اللهِ عَلَى أَهْلِي وَمَالِي، بِسْمِ اللهِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِي رَبِّي، بِسْمِ اللهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ، بِسْمِ اللهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ دَاءٌ، بِسْمِ اللهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللهِ تَوَكَّلْتُ، اللهُ اللهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ بِخَيْرِكَ مِنْ خَيْرِكَ الَّذِي لَا يُعْطِيهِ غَيْرُكَ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، اِجْعَلْنِي فِي عِيَاذِكَ وَجِوَارِكَ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَمِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَجِيرُكَ مِنْ جَمِيعِ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْتَ وَأَحْتَرِسُ بِكَ مِنْهُنَّ وَأُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيَّ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، اللهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، عَنْ أَمَامِي وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَمِنْ تَحْتِي"[2]

ترجمہ: اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے۔

[1] شرح اسماء الحسنیٰ ملا زہری
[2] کنز العمال، کتاب الاذکار، باب ادعیہ انس

۴ المُھَیمِنُ کی تین تعریفات بیان کی گئی ہیں۔ آپ ان تینوں تعریفات کو اپنے دوستوں اور گھر والوں میں ضرور بیان کریں۔ گھر میں ایک بورڈ (بلیک بورڈ) رکھیں اور بچوں کو اللہ پاک کے مبارک ناموں کی تشریح دلچسپ انداز میں ضرور سمجھائیں اور پھر ان سے مختلف سوالات کریں تو ان کا شوق بھی بڑھے گا اور دین کی باتوں کی سمجھ بھی پیدا ہوگی۔ بچوں سے اس طرح سوال کریں کہ المُھَیمِنُ کی جس تعریف میں تین صفات کا ذکر کیا گیا ہے آپ ان میں سے دو بتائیں یا کاپی میں لکھیں۔

العزیز جل جلالہ

(سب پر غالب)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْعَزِيْزُ) اَلشَّدِيْدُ فِي انْتِقَامِهِ مِمَّنِ انْتَقَمَ مِنْ أَعْدَائِهِ.

(اَلْعَزِيْزُ) فِي انْتِقَامِهِ مِمَّنْ أَرَادَ الْاِنْتِقَامَ مِنْهُ لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ يَدْفَعُهُ عَنْهُ.[1]

ترجمہ: ”علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”العزیز جل جلالہ“ وہ ذات ہے جو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں سخت ترین ہے اور جب کسی کو سزا دینے کا ارادہ فرمالیں تو کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کی سزا کو ہٹا سکے۔“

❷ (اَلْعَزِيْزُ) أَيِ الَّذِيْ قَدْ عَزَّ كُلَّ شَيْءٍ فَقَهَرَهُ وَغَلَبَ الْأَشْيَاءَ فَلَا يُنَالُ جَنَابُهُ لِعِزَّتِهِ وَعَظَمَتِهِ

وَجَبَرُوْتِهِ وَكِبْرِيَائِهِ.[2]

ترجمہ: ”علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”العزیز جل جلالہ“ وہ ذات ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور سب اس کے جلال و عظمت کے سامنے دبے ہوئے ہوں اور اس کے غلبے، عظمت اور بڑائی کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو۔“

❸ (اَلْعَزِيْزُ) مَعْنَاهُ الْمَنِيْعُ الَّذِيْ لَا يُنَالُ وَلَا يُغَالَبُ.[3]

ترجمہ: ”امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”العزیز جل جلالہ“ وہ ذات ہے جس کا غلبہ اور شان و شوکت، قوت اور طاقت سب پر اتنی حاوی ہو کہ کوئی چیز اس کو عاجز نہ کر سکے، کوئی اس کو شکست نہ دے سکے، اس کی قدرت و طاقت سے کوئی چیز باہر نہ ہو، اس کے قبضے سے کوئی اپنے آپ کو چھڑا نہ سکے اور اس پر کوئی غلبہ نہ پا سکے۔“

❹ ”العزیز جل جلالہ“ وہ ذات ہے کہ ہر طرح کی شان و شوکت اسی کے لئے ہے۔ قوت بھی اس کے پاس ہے، غلبہ بھی اسی کا ہے۔ تمام تر تصرفات بھی اسی کے اختیار میں ہیں، مخلوقات میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی

---

[1] جامع البیان: ۲/۲۹۰، نقلا عن النهج الأسمى: ۱/۱۲۲ [2] تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۲۹، الحشر ۲۳

[3] القرطبی: ۳/۱۰۱، البقرة ۲۲۸

❶ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[1]

❷ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾[2]

❸ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾[3]

خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے

غزوۂ بدر، اُحد، خندق، حنین اور تبوک وغیرہ میں اسی "العزیز جل جلالہ" ہی نے مسلمانوں کو غلبہ وعزت سے سرفراز کیا تھا۔ ایران وعراق، شام ومصر، اور فلسطین واسپین میں بھی "العزیز جل جلالہ" نے مسلمانوں کو غالب کیا تھا ورنہ مسلمانوں کے پاس ظاہری اسباب میں سے کچھ بھی نہ تھا؟[4]

یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات: یہ نظامِ ارضی ونظامِ فلکی یونہی اٹکل سے نہیں چل رہا ہے۔ اُسی ذات کے قانون کے مطابق اور اسی کے ضابطے کے ماتحت چل رہا ہے جو "العزیز جل جلالہ" ہے۔ ہر قانون پر غالب، ہر قادر پر قادر، جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے، جس کی ہر جنبش تکوینی وتخلیق بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے اور جو ہر علم وحکمت کا مبداء بھی ہے اور منتہیٰ بھی۔

رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی تلی تلی گردش، اس کی شرح رفتار اور مقدار، یہ سب اُسی قادرِ مطلق، علیم وحکیم کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبۂ موجودات کا اکیلا حاکم وناظم ہے، اُس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندرماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافات کی انتہا ہے۔

افسوس ہے کہ شرک کرنے والوں نے ستاروں کو اپنا معبود بنا لیا، ستاروں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے لگے، اپنے نفع اور نقصان کو ستاروں سے متعلق کر دیا، حالانکہ یہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں، انسان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے، کیوں کہ[5]

قرآن مجید کے نویں پارہ میں سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۹۷ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

جن کو تم پوجتے ہو نہ وہ تمہیں کچھ مدد دے سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ بقول نصاریٰ مسیح کے یہود نے سولی دی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ اسی طرح اور بزرگ جن کو تم پوجتے ہو موت اور بیماری سے نجات نہ پا سکے (وہ تمہاری کیا

---

[1] البقرة: ۲۰۹ [2] آل عمران: ۴ [3] الشعراء: ۹

[4] شرح اسماء الحسنیٰ للازهری: ۴۹۲ [5] تفسیر ماجدی: ۳/۲۰۲، الانعام: ۹۷ (باختصار)

دوبارہ جانے کی کہ ان کی پریشانیاں ختم ہوں وہاں سے اور زیادہ پریشان ہو کر واپس لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

جو نصیب سے نہیں مانگا
وہ سب سے مانگا ہے

بعض اوقات تو یہ عامل اور پیر انسان کی زندگی ہی سے کھیل بیٹھتے ہیں، آئے دن اخبارات و رسائل میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں عامل نے فلاں کو جان سے ہی مار ڈالا۔

یا پھر عجیب و غریب علاج بتاتے ہیں کہ فلاں رنگ کا بکرا ذبح کرو جس کا سر ایسا ہو، تا کہ ایسی ہو، فلاں قبرستان میں رات گزارو، فلاں چیز سے پرہیز کرو۔

ایسے میں نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔

اسی طرح کی ایک خبر روزنامہ اسلام میں شائع ہوئی کہ عامل نے ایک عورت کا جن نکالنے کے بہانے اسے اتنا مارا کہ نہ صرف یہ کہ اس عورت کی گردن ٹوٹ گئی بلکہ وہ ہلاک ہی ہوگئی۔

اسی طرح ایک جعلی عامل نے بے چاری پریشان خاتون کو شرط لگائی کہ میرا تعویذ تب اثر کرے گا جب تم سر منڈوا کر آدھی رات یہ تعویذ قبرستان میں دفن کرو گی۔ اس بے چاری نے مجبور ہو کر ایسا کر دیا، جس کے بعد شوہر تو بیوی کو دیکھ کر ڈر ہی گیا آخر نقلی بال لگوانے پڑے۔

لہٰذا کبھی بھی اس قسم کے غلط عاملوں، پنڈتوں، پیروں اور گمراہ پیروں کے پاس مت جایئے، بلکہ اپنی پریشانیوں میں "العزیز، الجبار جل جلالہ" کو پکاریے اور پریشانی کے وقت کی جو دعائیں ہیں انہیں پکے یقین کے ساتھ مانگنے کا اہتمام کیجئے۔

ہر قسم کی مدد "العزیز جل جلالہ" ہی سے طلب کریں

حضرت ابو العباس المرسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ما رأيت العز إلا في رفع الهمة عن المخلوقين"[1]

"یعنی عزت اور مرتبہ اسی کو ملتا ہے جو مخلوق کی طرف سے اپنی نگاہ ہٹا لے۔"

جو مخلوق خود ہی اپنی عزت کروانے میں کسی کی محتاج ہو وہ کسی کو کیا عزت دے گی، جو مخلوق سے اپنی امیدیں ختم کرے گا کہ مخلوق سے کچھ بھی نہیں ملے گا مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ خود اپنی نگاہ میں بھی عزیز ہوگا اور دوسروں کی نگاہ میں بھی۔

واقعہ نمبر ⑥ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیکھا کہ میں اپنی

---

[1] مرقاة، كتاب اسماء الله تعالى ٥/٥٠

پریشانیوں اور مصیبتوں کی شکایت اپنے ایک دوست کے پاس کر رہا تھا۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور فرمایا:
اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس شکوہ شکایت کرنے سے بچو، جس کے پاس تم شکوہ کرو گے وہ تمہارا دوست ہوگا یا دشمن، دوست یہ سن کر غمگین ہوگا اور دشمن خوش ہوگا (اور مصیبتوں بلاؤں کو نہ دوست دور کر سکتا ہے نہ دشمن، پھر ان کو شکایت کرنے کا کیا فائدہ؟)

پھر آپ نے اپنی ایک آنکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میری اس آنکھ کی طرف دیکھو، اللہ کی قسم! میں نے گزشتہ پندرہ برس سے اس آنکھ سے نہ کوئی شخص دیکھا اور نہ راستہ، لیکن میں نے کسی کو (آج تک) نہیں بتایا تھا صرف آج تجھے سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں کہ بار بار ہر ایک سے پریشانیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔[1]

کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ جملہ نہیں سنا:

﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾[2]

ترجمہ: ”میں اپنا شکوہ غم اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔“

اور یہ بھی فرمایا:

”فَاجْعَلِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مَشْكَاكَ وَمَحْزَنَكَ عِنْدَ كُلِّ نَائِبَةٍ تَنُوبُكَ فَإِنَّهُ أَكْرَمُ مَسْئُولٍ وَأَقْرَبُ مَدْعُوٍّ“

ترجمہ: ”ہر مصیبت کے وقت اپنے حزن و ملال اور غم و اندوہ کا شکوہ اللہ ہی کے دربار میں پیش کیا کرو، وہی سوالیوں کی عزت رکھنے والا ہے اور بے کسوں کی التجائیں سننے والا ہے اور وہ تمام مانگنے والوں کے قریب تر ہے۔“

واقعہ نمبر ⑮: قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا واقعہ ہے:

ایک دن کسی شخص کو دوسرے سے کچھ مانگتے ہوئے دیکھا تو بڑے پیار سے نصیحت کی اور فرمایا:

”اے میرے بھتیجے! جو کسی انسان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے مانگے گویا اس نے اپنے آپ کو اس انسان کی غلامی کے سپرد کر دیا۔ اگر اس شخص نے جس سے مانگا تھا سوالی کی ضرورت کو پورا کر دیا تو اس نے گویا اسے اپنا ذہنی غلام بنا لیا اور اگر اسے جواب دے دیا تو دونوں ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹے ایک بخل کی ذلت کے ساتھ اور دوسرا مانگنے کی ذلت اور رسوائی کے ساتھ۔

جب بھی تجھے کچھ مانگنا ہو تو اپنے اللہ سے مانگو اور جب بھی مدد طلب کرو تو اپنے اللہ سے مدد طلب کرو خوب اچھی

---

[1] يا ابن أخي ... إياك والشكوى لغير الله عز وجل ... فإن من تشكو إليه لا يخلو أن يكون صديقًا أو عدوًا ... فأما الصديق فتحزنه ... وأما العدو فيشمت بك ... ثم قال انظر إلى عيني هذه وأشار إلى إحدى عينيه فوالله ما أبصرت بها شخصًا ولا طريقًا منذ خمس عشرة سنة ... ولكني ما أخبرت أحدًا بذلك إلا أنت في هذه الساعة ...

[2] یوسف: ۸۶

جو فرمانبرداری ہوتی ہے تو مغفرت فرماتے ہیں (مجبور و بے کس کی دعا سنتے اور قبول فرماتے ہیں) ضعیف کو آپ ہی مدد کرتے اور بیماری سے شفا عطا فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں۔ آپ کی نعمتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا، اور کسی کی تعریف آپ کی تعریف تک نہیں پہنچ سکتی۔

عزت کا طالب "الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ" سے عزت طلب کرے

صاحب "النہج الاسمیٰ" فرماتے ہیں

"جو کوئی عزت کا طالب ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ رب العزت سے ہی عزت طلب کرے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: "جو عزت پانا چاہے تو اللہ ہی کے لئے ہے ساری عزت۔"

یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں عزیز ہو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کو لازم پکڑے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا و آخرت (کی تمام عزتوں) کے مالک ہیں اور ساری کی ساری عزتیں اسی کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ جو اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں عزت عطا فرماتے ہیں۔

اس بات پر غور و فکر کرنے سے ان لوگوں کی گمراہی واضح ہو جاتی ہے جو "الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے سوا کسی اور سے عزت کے طالب ہیں۔ حالانکہ وہ "الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ" کی اطاعت اور مومنین کے طریقے کو بھی چھوڑے ہوئے ہیں اسی طرح جنہوں نے "الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ" سے اعراض کر کے اور شریعت اور مومنین کی جماعت کو چھوڑ کر "الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے دشمن یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے یہ گمان رکھ کر دوستی کر لی کہ یہی عزت کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں پر نکیر فرماتے ہیں، ارشاد باری ہے جس کا ترجمہ ہے۔

"وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں؟ (معلوم رہے کہ) ساری عزت تو اللہ ہی کے پاس ہے۔" [۱]

---

[۱] فمن طلب العز فليطلبه من رب العزة كما قال تعالى ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ فَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ [فاطر: ۱۰]

أي من كان يحب أن يكون عزيزا في الدنيا والآخرة فليلزم طاعة الله تعالى فإنه يحصل له مقصوده لأن الله تعالى مالك الدنيا والآخرة وله العزة جميعا.

وبذلك نعلم ضلال من يبحث عن العزة عند غير الله تعالى ويترك طاعته والتزام نهج المؤمنين، فعادى رب العزة وشريعته وحارب حزبه المؤمنين ووالى أعداء الله من المشركين واليهود والنصارى وظن أن عندهم سبيل العزة وطريقها، قال تعالى منكرا عليهم:

﴿ٱلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ ٱلْعِزَّةَ فَإِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ [النساء: ۱۳۹] النهج الأسمى

دونوں جہانوں کی عزت "العزیز جل جلالہ" کی اطاعت میں ہے

"إِنَّمَا يَعْرِفُ اللّٰهَ عَزِيْزًا مَنْ أَعَزَّ أَمْرَهُ وَطَاعَتَهُ وَأَمَّا مَنِ اسْتَهَانَ بِأَوَامِرِهِ فَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَكُوْنَ مُتَحَقِّقًا بِعِزَّتِهِ"[1]

ترجمہ: "جو اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی عزت وعظمت کا استحضار کرکے اس کی اطاعت کرے گا، وہ ہی اس کی صفت "العزیز" کی معرفت حاصل کرسکے گا اور (عقل نہ کرے) جو اس کے حکموں کی توہین کرے گا اس کے لئے صفت "العزیز" کی معرفت حاصل کرنا مشکل ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ رَبَّكُمْ يَقُوْلُ كُلَّ يَوْمٍ أَنَا الْعَزِيْزُ فَمَنْ أَرَادَ عِزَّ الدَّارَيْنِ فَلْيُطِعِ الْعَزِيْزَ"[2]

ترجمہ: "تمہارا پروردگار روزانہ یہ اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں۔ لہٰذا جو دونوں جہاں میں عزت کا طالب ہو اسے چاہئے کہ "العزیز جل جلالہ" کی اطاعت کرے (گناہوں سے بچے)۔"

"العزیز جل جلالہ" کی اس صفت کا اتنا دل میں استحضار ہو کہ اس کی نافرمانی کی جرأت نہ ہو سکے کہ اتنی بڑی قوت وغلبہ والے جل جلالہ کو کیسے ناراض کیا جا سکتا ہے، اسی طرح "العزیز جل جلالہ" کے بندوں پر ظلم نہ ہو، کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

اس بات کو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

پہلے زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے اور اپنے مالک کے مملوک ہوتے تھے، مالک ان کو بازار میں باقاعدہ بیچ سکتا تھا، آقا ان کی ہر چیز کا مالک ہوتا تھا، مالک جو بھی حکم دے گا غلام کو کرنا ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں سفر میں جا رہا ہوں، میری غیر موجودگی میں اب تم حکمرانی کرو، اب وہ حکمرانی کر رہا ہے۔ گورنر بنا ہوا ہے، لیکن ہے غلام کا غلام، لہٰذا اس غلام کے دماغ میں یہ بات آہی نہیں سکتی کہ یہ جو اقتدار میرے پاس آیا ہے یہ میری قوت بازو کا یا میری صلاحیت کا نتیجہ ہے، اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ جب آقا آجائے گا تو کہہ دے گا کہ بس اب بیت الخلاء صاف کرو، تب وہ سارا تخت اور ساری حکمرانی دھری رہ جائے گی۔ معلوم ہوا کہ وہ غلام بے شک حاکم بن کر حکم چلا رہا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنی حقیقت کا احساس بھی کر رہا ہے کہ یہ حکمرانی میرے مالک کی عطا ہے، حقیقت میں تو میں غلام ہی ہوں۔

یہ تو ایک غلام کا حال تھا، لیکن "بندہ" ہونے کا درجہ اس سے کہیں زیادہ نیچے ہے، لہٰذا جب "العزیز جل جلالہ" کسی بندہ کو کوئی منصب عطا فرما دیں تو "بندہ" کو سمجھنا چاہئے کہ منصب مجھے "العزیز جل جلالہ" نے عطا فرما دیا، اسی وجہ سے

---

[1] مرقاۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۳۷/۵
[2] تفسیر روح المعانی: ۱۵/۲۲۳، فاطر: ۱۰

یہ کام انجام دے رہا ہوں، لیکن میں ان کا بندہ ہوں، میری حقیقت اس غلام سے بھی فروتر (کم رتبہ) ہے جس کو مالک نے تخت پر بٹھا دیا، کتنے غلام گزرے ہیں جنہوں نے بادشاہت کی ہے، لیکن رہے غلام کے غلام۔ [1]

درگزر کرنا اور تواضع اختیار کرنا حصولِ عزت کے اسباب میں سے ہیں

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، اور بندہ کے درگزر کردینے پر اللہ رب العزت اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرماتے ہیں۔ [2]

جو شخص انتقام پر قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتا ہے تو دلوں میں اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور آخرت میں اسے اجرِ عظیم حاصل ہوگا اور جو کوئی صرف اللہ رب العزت کے تقرب کی نیت سے تواضع اختیار کرتا ہے اس میں کوئی اور غرض شامل نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔ [3]

زیادہ عزت والا بندہ کون ہے؟

دوسری بات کہ جس کے ذریعے "العزیز جل جلالہ" سے تعلق پیدا ہو جائے اور ہماری دعائیں قبول ہوں وہ یہ کہ ہماری طرف سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے کسی کا مال نہ دبے، کسی کی آبرو نہ لی جائے، لوگوں کے...... ماتحتوں کے...... بیوی بچوں کے...... قصور معاف کیے جائیں، پیار و محبت سے سمجھایا جائے، دعائیں کی جائیں، اسی کو حدیث شریف میں سمجھایا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"یَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ؟ قَالَ: مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ"

اے میرے رب! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک زیادہ عزت والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ بندہ جو بدلہ لے سکتا ہو اور پھر معاف کر دے۔ [4]

---

۱ اصلاحی خطبات ۱/۲۷۸

۲ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. (ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی التواضع ۲/۲۳)

۳ فَمَنْ عَفَا عَنْ خَصْمِهِ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَى الْاِنْتِقَامِ، عَظُمَ فِي الْقُلُوبِ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْأُخْرَى إِلَى أَنْ يَعْظُمَ ثَوَابُهُ أَوْ فِيهِمَا. وَمَنْ تَوَاضَعَ رَجَاءَ التَّقَرُّبِ إِلَى اللّٰهِ دُونَ غَرَضٍ غَيْرِهِ، رَفَعَهُ اللّٰهُ عِنْدَ النَّاسِ وَأَجَلَّ مَكَانَهُ. (النهج الاسمیٰ ۱/۱۰۱)

۴ بیہقی فی شعب الایمان ۶/۳۱۹

ثانی میں چند روز بعد وہ غلبہ کسی سے تاہم یا اشخاص پر حاصل ہو گیا ہو کہ وہ بھی اپنے اختیارات کا استعمال علمِ حق کے بعد عدل عفو ورحم اور پھر دانائی وحکمت کے ساتھ کیا کریں۔ اس اسم سے تعلق کا یہی طریقہ ہے۔[1]

مذاکرہ
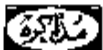
”اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ سے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے اس کے اسماء حسنیٰ کے معانی پر غور کرنا اور ان معانی و مفہوم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور اکیلے بیٹھ کر ان کے سبق کو سوچنا، یہ بہت ہی مفید اور اپنا ایمان مضبوط کرنے کے لیے معین اور مددگار رہے گا۔ لہٰذا اب سوچیں یہاں ”اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ کے پانچ معنی بیان کیے ہیں، ان پانچ تعریفات کو آپ کتاب بند کر کے بتائیں، ورنہ پھر دوبارہ پڑھیں، بار بار پڑھیں اور جب پڑھیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے رہیں کہ اس کی حقیقت بھی ہمیں نصیب فرمائیں اور پھر جہاں موقع مناسب ہو وہاں دوستوں میں، نجی مجالس میں، گھر کے افراد کے ساتھ بیٹھے ہوں ان کو بھی یہ معانی سمجھائیں۔ بچوں کو تختہ سیاہ پر لکھ کر سمجھائیں یاد کروائیں۔

[1] شرح اسماء الحسنى ١١٠ للقشيري بزيادة

الجبار جل جلالہ

(سب سے زبردست)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں کی جاتی ہیں:

❶ "الْجَبَّارُ: الْمُصْلِحُ أُمُورَ خَلْقِهِ الْمُتَصَرِّفُ فِيهِمْ بِمَا فِيهِ صَلَاحُهُمْ."[1]

ترجمہ: علامہ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جبار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو مخلوق کے تمام کاموں کی درستگی کرنے والی ہے اور مخلوق کے لئے ان ہی معاملات کو طے کرنے والی ہے جو ان کے حق میں بہتر ہیں۔

❷ "الْجَبَّارُ: جَبَرُوتُ اللهِ عَظَمَتُهُ، وَالْعَرَبُ تُسَمِّي الْمَلِكَ الْجَبَّارَ"[2]

ترجمہ: امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جبروت کے معنی اللہ رب العزت کی عظمت کے ہیں اور عرب حضرات بادشاہ کو بھی "الجبار" کہا کرتے تھے۔

❸ اللہ رب العزت کے اسماء میں "الجبار جل جلالہ" بھی ہے اور جبر اس کے وصف میں دو طرح کا ہے:

① ایک کمزور کی خستہ حالی کو دور کرکے اس کی حالت درست کرنا اور ہر وہ دل جو ٹوٹ چکا ہو اسے جوڑنا۔ وہ اس معنی میں جبار ہے کہ شکستہ دل کی دل بستگی کرتا ہے۔

② دوسرے معنی جبر کے قہر اور غلبے کے ہیں کہ یہ قہر اور غلبہ اس ذات کو ہی زیبا ہے جو کسی دوسری ذات کے لئے جائز و مناسب نہیں ہے۔ وہ ایسا نام "جبار" کا تیسرا مطلب اس بلندی کے بھی ہیں جہاں تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی

[1] تفسیر ابن کثیر ۴/۳۷۸ [illegible] [2] فتح القدیر ۵/۲۰۸ بحوالہ النہج الاسمیٰ ۱/۱۲۰

[3] ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ "الجبار" کے تینوں معنی کو اپنے اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں

وَكَذَلِكَ الْجَبَّارُ مِنْ أَوْصَافِهِ ... وَالْجَبْرُ فِي أَوْصَافِهِ قِسْمَانِ

جَبْرُ الضَّعِيفِ وَكُلُّ قَلْبٍ قَدْ غَدَا ... ذَا كَسْرَةٍ فَالْجَبْرُ مِنْهُ دَانِ

وَالثَّانِي جَبْرُ الْقَهْرِ بِالْعِزِّ الَّذِي ... لَا يَنْبَغِي لِسِوَاهُ مِنْ إِنْسَانِ

وَلَهُ مُسَمًّى ثَالِثٌ وَهُوَ الْعُلُوُّ ... فَلَيْسَ يَدْنُو مِنْهُ مِنْ إِنْسَانِ

مِنْ قَوْلِهِمْ جَبَّارَةٌ لِلنَّخْلَةِ الْـ ... ـعُلْيَا الَّتِي فَاتَتْ لِكُلِّ بَنَانِ

(نونیہ ۲/۲۳۲ [illegible] بحوالہ النہج الاسمیٰ ۱/۱۴۸)

اور یہ معنی عربی زبان کے ایک مشہور جملہ "جَبَّارَةُ النَّخْلَةِ" سے لئے گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کا ایسا لمبا اور بلند درخت جس پر کوئی انسان نہ پہنچ سکے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ "الجبار" کے کئی معانی ہیں، مثلاً:

(الف) "الجبار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق پر بلند ہو۔

(ب) "الجبار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام امور کی اصلاح کرنے والی ہو جیسے "جَبْرُ الْكَسْرِ" (ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنا) اور "جَبْرُ الْفَقِيْرِ" یعنی فقیر کو غنی کر دینا۔

(ج) "الجبار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوقات پر اپنے سارے ارادوں کو نافذ کرنے میں غالب ہو چاہے وہ کسی کام کے کرنے کے اعتبار سے ہو یا کسی کام سے روکنے کے اعتبار سے ہو۔[1]

یہ نام قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

﴿الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾[2]

عربی زبان میں "جابر" کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں "جابر" کے معنی ظالم کے آتے ہیں، لیکن عربی میں جابر کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، ٹوٹی ہڈی جوڑنے کو "جبر" کہتے ہیں اور جو شخص ٹوٹی ہڈی کو جوڑے اس کو "جابر" کہتے ہیں، اسی طرح "الجبار جل جلالہ" کے معنی ہوئے، ٹوٹی ہوئی چیزوں کو بہت خوب سے جوڑنے والا، تو اللہ تعالیٰ کا جو نام "الجبار جل جلالہ" ہے، اس کے معنی (معاذ اللہ) ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو اس کو اللہ تعالیٰ بہترین جوڑنے والے ہیں۔

ٹوٹی ہڈی جوڑنے والی ذات صرف "الجبار جل جلالہ" ہے

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بہت سی دعائیں تعلیم فرمائی ہیں، ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے یوں پکارا گیا ہے:

"يَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِيْرِ"[3]

ترجمہ: "اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے۔"

اس نام سے خاص طور پر اس لئے پکارا کہ دنیا کے تمام اطباء، معالج اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ

---

[1] ① (الجبار) هو العالي على خلقه وفعال من أبنية المبالغة.
② (والجبار) هو المصلح للأمور من جبر الكسر إذا أصلحه وجبر الفقير إذا أغناه.
③ (والجبار) هو القاهر خلقه على ما أراد من أمر أو نهي. (النهج الأسمى ۱۹۸)

[2] الحشر ۲۳ [3] الحزب الأعظم ۱۹۰

نے ارادہ کیا تو میں تھکاؤں گا تجھے اس چیز کے حاصل کرنے میں جو تیری خواہش ہے مگر ہو گا پھر بھی وہی جو میں چاہوں گا۔"

حضرت مولانا عمر پالن پوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: اللہ پاک بندے سے یہ چاہتے ہیں کہ تو اپنی مرضی کا بیج گم کر دے میرے مرضیات کی زمین میں، پھر تو تجھا میں تیری مرضی اگاؤں گا۔

یعنی ایک بار رب چاہی پر آجا، پھر من چاہی کے مزے ملیں گے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمام تر بڑائی اللہ رب العزت ہی کے لئے ہے۔ اللہ رب العزت نے اسم مبارک "المتکبر" سے اپنی تعریف فرمائی ہے اور یہ صفت مخلوق کے حق میں مذموم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سرکشوں پر اپنی بڑائی کی وجہ سے غالب ہیں اور اپنی شانِ عظمت و کبریائی کی وجہ سے ان کی عظمت سب سے بلند ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت پر کسی حاکم کا حکم نہیں چلتا کہ انہیں کسی کی فرماں برداری کرنی پڑے اور نہ ہی کسی آمر (حکم چلانے والے) کا حکم ان پر جاری ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کرنی پڑے۔

وہ آمر ہے مامور نہیں، وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے۔"[1]

اس لئے کہ مخلوق کمزور ہے، مغلوب ہے اور مجبور ہے ایک کھٹمل اس کو تکلیف پہنچا سکتا ہے اور ریشم کا کیڑا انہیں کھانے کے درپے ہوتا ہے ایک مکھی انہیں پریشان کر دیتی ہے، بھوک تنگ کرنے پر آئے تو کچھ حد کہا جائے، زیادہ کھا لے تو پیٹ اپھنے لگے، چھوٹی سی چیونٹی کاٹ لے پریشان ہو جائے، مکھی ڈس لے تو آنسو نکل آئیں، بڑے سے بڑے بہادر اور جبار شخص کے دانتوں میں درد شروع ہو جائے تو گھٹنے ٹیک جائیں۔ جس کی یہ صفات ہوں تو کیا اسے تکبر کرنا زیب دیتا ہے....؟[2]

المتکبر جل جلالہ سے مانگنے والی دعائیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دعائیں مانگتے تھے:

---

[1] الانبیاء: ۲۳

[2] التکبر لله وحده، وقد مدح الله بهذا الاسم نفسه، ولكنه في حق الخلق فهو مذموم، وسبب الفرق أنه سبحانه قهر الجبابرة بجبروته وعلاهم بعظمته، لا يجري عليه حكم حاكم تجب عليه انقياده، ولا تتوجه عليه أمر آمر يلزمه امتثاله، ليس فوقه آمر ولا فوقه حاكم ﴿لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون﴾ (الأنبياء: ٢٣) وأما الخلق فهم موصوفون بصفات النقص، مقهورون مجبورون، تؤذيهم البقة، وتأكلهم الدودة، وتشوشهم الذبابة، أسير جوعه، وصريع شبعه، ومن تكون هذه صفته كيف يليق به التكبر والتجبر؟ (النهج الأسنى: ٢٤٨)

❶ "یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیْرٍ وَمُسَہِّلَ کُلِّ عَسِیْرٍ." [1]

ترجمہ: "اے وہ ذات! جو ہر ٹوٹے ہوئے کو جوڑتی ہے، جو بکھرے ہوئے کو درست کرتی ہے اور ہر مشکل (کام) کو آسان کرتی ہے۔"

پیارے نبی ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا کیا کرتے تھے۔

❷ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ." [2]

ترجمہ: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت عطا فرما، (سیدھا) راستہ دکھا دے اور مجھے روزی رزق عطا فرما۔"

اس دعا میں آپ ﷺ نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس پر اسم مبارک "الجبّار" دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ "وَاجْبُرْنِیْ" کا ترجمہ "أَغْنِنِيْ" سے فرماتے تھے جس کا مطلب یہ ہے:

اے اللہ! مجھے تونگری نصیب فرما، کیونکہ "الجبّار" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ٹوٹی ہوئی حالت کو درست کرنے والا، اہل لغت کے اعتبار سے ہر قسم کے نقصان کی تلافی کرنے والا۔

نبی ﷺ رکوع و سجود میں اپنے رب کی تعظیم اس نام مبارک سے بھی بیان فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

❸ "سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ." [3]

ترجمہ: "تمام عیوب اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے اللہ! بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے والا اور فرمان روائی والا اور عظمت و کبریائی والا۔"

اس دعا کے ذریعے رکوع اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور عظمت کا ذکر فرماتے تھے۔ [4]

غم اور خوف سے چھٹکارے کا بہترین نسخہ

"الجبّار" کی یہ چوتھی تفسیر بہت سارے غموں اور پریشانیوں سے چھٹکارے کا بہترین نسخہ ہے کہ

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب اسماء اللہ تعالیٰ ۵/۴

[2] ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول بین السجدتین ۱/٦۳

[3] ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ ۱/۱۲۸

[4] قال ابن الأثیر: وَاجْبُرْنِیْ أی أغننی، من جبر اللہ مصیبتہ أی ردّ علیہ ما ذھب منہ وعوّضہ، وأصلہ من جبر الکسر. وکان یعظم ربّہ بھذا الاسم فی الرکوع والسجود کما جاء فی حدیث عوف بن مالک الأشجعی أنہ کان یقول فی رکوعہ "سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ" وفی سجودہ مثل ذلک (النھج الأسمی ۱/۲۱۸)

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور بس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، کسی چیز سے ڈریں نہیں، کسی حال سے خوف زدہ نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا، زمین و آسمان کے درمیان وہی ہوگا جو "الجبار جل جلالہ" چاہیں گے، جو وہ نہیں چاہیں گے وہ نہیں ہوگا، پھر غم، پریشانی اور وہم خیالات فاسدہ کو سوچ سوچ کر غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، امت کے ہر فرد کو سمجھائیں کہ ہوگا وہی جو "الجبار جل جلالہ" چاہیں گے کتنا ہی بڑا دشمن ہو، وہ ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا "الجبار جل جلالہ" کے حکم کے بغیر، اور کتنا ہی اچھا دوست ہو، وہ ذرہ برابر بھی نفع نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر، اللہ تعالیٰ کے غیر سے کچھ نہیں ہوگا۔ حاکم، وزیر، سیٹھ وڈیرا کرتے وہ نہیں ہوگا جو وہ چاہیں گے، بلکہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، یہ یقین بنانا پڑے گا، دل میں یہ خیال جمالیں کہ .... بگڑے ہوئے حالات کو بنانا...... اُلجھن، ...... ٹینشن...... ذہنی گھٹن کو دور کرنا..... مصیبتوں کی اندھیری رات میں مدد کا چراغ جلانا...... پریشانیوں کے جنگلات میں عافیت کا باغ لگانا..... اجڑی ہوئی زندگی کو سنوارنا ...... اور انہونی کو ہونی کرنا ...... اسی "الجبار جل جلالہ" کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہوتا وہی ہے جو "الجبار جل جلالہ" کو منظور ہوتا ہے، پھر کس چیز کا غم و خوف؟

فوائد ونصائح

"الجبار جل جلالہ" سے تعلق پیدا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اُمور کا اہتمام کرنا چاہیے:

1. ہر ٹیڑھے اور پیچیدہ، مشکل کام میں، جو کام اٹکے ہوتے ہیں ان کے حل کی کوشش کرتے ہوئے یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے:

"یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیْرٍ وَمُسَہِّلَ کُلِّ عَسِیْرٍ"[1] اے ہر ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والے! اور ہر مشکل کو آسان کرنے والے! میری اس مشکل کو آسان فرمادے یا میرے اس نقصان کی تلافی فرمادے۔"

2. اسی طرح ہر قسم کے نقصان اور خسارہ کی تلافی کے لئے یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے:

یَا جَبَّارُ اُجْبُرْنِیْ "اے بگاڑ و خرابی کے درست کرنے والے! مجھے جو نقصان ہوا ہے (یا ہونے کا جو اندیشہ ہے) اس کی تلافی فرمادیجئے۔"

3. اسی طرح دو سجدوں کے درمیان کی یہ دعا جب دو سجدوں کے درمیان بیٹھے تو ضرور اس دعا کو مانگے، آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی دعا ہے اور اس مختصری دعا میں مغفرت بھی مانگی گئی ہے اور رحمت بھی، عافیت بھی، ہدایت بھی، ہر قسم کے نقصان کی تلافی بھی، کیا پیاری دعا ہے، دعا مانگنے کا محل و موقع بھی کتنا اونچا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے نماز کے واجبات صحیح طرح ادا ہوجاتے ہیں، نماز جان دار بن جاتی ہے دعا یہ ہے:

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب اسماء اللہ تعالیٰ ۲/۵

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے بخش دیجیے اور مجھ پر رحم کیجیے اور میرے نقصان کی تلافی فرما دیجیے، مجھے ہدایت دیجیے اور مجھے رزق دیجیے۔"

❷ "الجبّار جل جلالہ" ہی وہ ذات ہے جو کمزوروں کی دلجوئی فرماتا ہے، پریشانی اور مشکلات میں پھنسے ہوئے انسانوں کو سہارا دیتا ہے، صبر کی توفیق دیتا ہے اور اس پر ثواب عطا کرتا ہے لہٰذا اس "الجبّار جل جلالہ" کے در کو چھوڑ کر کسی اور در پر اس لیے جانا کہ ... پریشانی ختم ہو جائے گی ... چین مل جائے گا، امن و سکون حاصل ہوگا ... نادانی اور جہالت کی بات ہے، اس لیے صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف متوجہ ہوں اسی سے مانگیں اور چین و سکون حاصل کریں۔

---

[1] ترمذي: كتاب الصلوة، باب ما يقول بين السجدتين: ٢٨٤

الْمُتَكَبِّرُ جَلَّ جَلَالُهُ الْكَبِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ

(بہت بڑائی والا) (بہت بڑا)

ان دونوں ناموں کے تحت یہ تشریحات ذکر کی جاتی ہیں:

❶ هُوَ الْمُتَعَالِي عَنْ صِفَاتِ الْخَلْقِ وَيُقَالُ هُوَ الَّذِي يَتَكَبَّرُ عَلَى عُتَاةِ خَلْقِهِ إِذَا نَازَعُوهُ الْعَظَمَةَ.[1]

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "اللہ رب العزت مخلوق کی صفات اور ان کے حالات سے منزہ و برتر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ان متکبرین سے بہت بلند شان والے ہیں، جو اللہ رب العزت کے ساتھ بڑائی و عظمت میں کشمکش و منازعت رکھتے ہیں۔"

❷ قَالَ قَتَادَةُ: (الْمُتَكَبِّرُ) أَيْ: تَكَبَّرَ عَنْ كُلِّ شَرٍّ.[2]

ترجمہ: امام قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "الْمُتَكَبِّرُ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جو ہر برائی سے بڑی ہے۔

❸ امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "الْمُتَكَبِّرُ" وہ ذات ہے جو بڑائی و عظمت والی ہو۔ لفظ رب العزت "مُتَكَبِّر" ہیں، کیوں کہ وہ ہر چیز کے رب ہیں۔ (یعنی تمام مخلوق کو پالنے والے ہیں۔ ان کے سوا کوئی رب نہیں) اور نہ ہی اس کا کوئی مثل ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا: اللہ رب العزت "الْمُتَكَبِّرُ" کے معنی یہ ہیں کہ ان کی شان ہر بری چیز سے برتر ہے اور بری اور ناقص صفات اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نہیں۔[3]

❹ قَالَ ابْنُ جَرِيرٍ: (الْكَبِيرُ) يَعْنِي الْعَظِيمُ الَّذِي كُلُّ شَيْءٍ دُونَهُ وَلَا شَيْءَ أَعْظَمُ مِنْهُ.[4]

ترجمہ: "الْكَبِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ" کا معنی بڑی شان والا ہے اور ہر چیز اس سے کمتر ہے۔

---

[1] شأن الدعاء: ۴۸، الاعتقاد: ۵۳، نقلاً عن النهج الأسمى ۱/۲۰۲

[2] رواه الطبري: ۲۸/۳۶

[3] وقال القرطبي: المتكبر الذي تكبر بربوبيته فلا شيء مثله وقيل: المتكبر عن كل سوء المتعظم عما لا يليق به من صفات الحدث والذم. (النهج الأسمى ۱/۲۰۳)

[4] جامع البيان ۲۲/۹۲ نقلاً عن النهج الأسمى ۱/۲۰۶

ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔ یہ رب العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے تبدیلی کرنے سے عاجز نہیں۔ اسی بات کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اور سورج کے لئے جو مقرر راستہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ہے اندازہ (ٹھہرایا ہوا) غالب باعلم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔"[1]

یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کرلیں۔

یہی تکوینی عجائبات اور ﴿مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[2] یعنی آسمانوں اور زمین کی مخلوقات ہیں، جن کے دیکھنے سے ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾[3] یعنی "میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا" جاری ہوگیا۔[4]

جب ابراہیم علیہ السلام نے سورج چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا:

﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾[5]

ترجمہ: "یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔"

پھر جب ستاروں اور چاند کی طرح یہ بھی غائب ہو گیا تو سوچ کہ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں، ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر بھی قادر نہیں ہیں، پھر ان کو خدائی صفات میں شریک کرنا کس قدر حماقت و قابل نفرت فعل ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جس کا ترجمہ یہ ہے

"اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو، میں نے اپنا رخ کر لیا ہے اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شریک کرنے والا۔"[6]

یعنی ساری مخلوق سے یکسو ہو کر میں نے صرف خالق جل جلالہ کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب علویات وسفلیات ہیں۔

اللہ ہی تو عالی شان اور سب سے بڑا ہے

سورۂ حج میں اللہ جل جلالہ کی عظمت شان بتائی گئی کہ رات دن کا الٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں

---

[1] ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (یٰس: ۳۸ تا ۴۰)

[2] الأنعام: ۷۵ [3] الأنعام: ۷۶ [4] تفسیر عثمانی: ۱۸۳/ الأنعام ۷۶

[5] الأنعام: ۷۸ [6] الأنعام: ۷۹

ہے، اسی کے تصرف سے کبھی دن بڑے اور کبھی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت کے آخر ٹکڑے میں فرمایا:

﴿وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [1]

ترجمہ: "اور اللہ ہی تو عالی شان ہے سب سے بڑا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں سچ اور سچا خدا تو وہی ایک ہے، باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط، جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاستحقاق اسی ایک اللہ کی ہے۔ [2]

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں حکم ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾ [3]

ترجمہ: "اور کہہ دیجئے! کہ تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں ۔۔۔۔ جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔"

اس آیت مبارکہ میں شرک کی نفی عجیب طریقے سے کی گئی ہے۔ ہر عام سے عام آدمی یہ بات سمجھتا ہے کہ انسان یا کوئی بھی مخلوق کبھی اپنے چھوٹے سے مدد حاصل کرتی ہے، جیسے اولاد سے اور کبھی اپنے برابر کے لوگوں سے مدد حاصل کرتی ہے جیسے شریک کار اور کبھی اپنے سے بڑے سے مدد حاصل کرتی ہے، اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ان تینوں کی نفی فرما دی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا "كَبِّرْهُ تَكْبِيرًا" اس کی عظمت و کبریائی کی طرف متوجہ فرما دیا، یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے ۔۔۔۔۔۔ اور ہر طرح کی کمزوریوں سے بلند و برتر سمجھے ۔۔۔۔۔۔ اور لطف یہ ہے کہ "لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا" (جو نہیں رکھتا اولاد) میں نصاریٰ کا ۔۔۔۔۔ "لَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ" (اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے) میں مشرکین کا ۔۔۔۔۔ اور "وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ" (اور کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا مددگار نہیں ہے) میں یہود کا ۔۔۔۔۔ رد ہو گیا۔ [4]

اس آیت مبارکہ میں "تَكْبِيرًا" کا لفظ ہے کہ اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے، عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر جامع تر اور کوئی لفظ نہیں اور پھر مصدر کے ساتھ مؤکد کرتے ہوئے اس کا حکم دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نہ کوئی عبارت اس کا حق ادا کرنے کے لئے کافی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی انسان اس کا حق ادا

---

[1] الحج: ۶۲ [2] تفسیر عثمانی ۴۴۸، الحج: ۶۲

[3] بنی اسرائیل: ۱۱۱ [4] تفسیر عثمانی ۳۹۴، بنی اسرائیل ۱۱۱

انہوں نے تو تجربہ کی ہے۔ تجربہ ہوا پیالہ میں سے قے کریں، گوشت دونوں کے لوتھڑے اور پیپ نکلی، فرمایا اگر یہیں نہ نکلواتا تو
آگ پر عذاب ہوتا۔

ہمیں نظر نہیں آتا کہ انصاف میں کیا کامیابیاں ہیں اور ظلم میں کیا ناکامیاں ہیں؟

سارے زمیندار، کاشتکار، جائیدادوں والے لڑتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ایسے لڑتے ہیں کہ ان کو اپنے لڑنے کی خبر نہیں۔ اپنا ایک بیٹا کا ہاتھ پکڑ کر چلیں تو جہاں بیٹا پہنچے گا وہاں اندھا بھی پہنچ جائے گا۔ پہنچنے کے بعد آنکھ کھولیں تو جو حقیقت میں کیسی تو مزے آجائیں گے اور مخالفت پہ نکلی تو مصیبت آجائے گی۔ ذرا سی بھی کسی فقیر کی بھی نکلے گی۔ تم اندھے ہو تمہاری طرف بیٹا کو بھیجا ہے، وہ تم کو بتائے گے اعمال کی ترتیب پر بتائیں گے، ایک ترتیب عبادات، تجارت، معاشرت، معاملات کی مال پر ہے اور ایک اعمال پر ہے۔ مال کی ترتیب سے ہٹ کر اعمال کی ترتیب پر آجاؤ۔ باپ نے کہہ دیا بعد میں کیا پہلے آتو زندگی۔ اسی دن سے آؤ برکات کی پڑ رہی ہے۔ پھر کے ہیں ... ایک دن جھوٹ سامنے آجائے گا۔ تم اپنی آنکھ سے دیکھ لو گے کامیابی مال میں نہیں ہے، کامیابی اعمال میں ہے۔ مسجد کا پہلا کام دعوت کی مشق ہو انسان کو کرنی پڑے گی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کو، اللہ تعالیٰ کی جنت کو، اللہ تعالیٰ کی دوزخ کو اچھے عملوں کے اثر کو اور برے عملوں کے نقصان کو سنو اور اتنا سنو کہ دیکھ کر نہ سنتا ہو۔ مال سے دل نکل جائے اور عمل پر یقین پیدا ہو جائے۔[1]

جس کو اللہ تعالیٰ کی صفت کبریائی کا استحضار ہو گا وہ ہمیشہ تواضع اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل اختیار کرے گا وہ مسکین اور فقراء سے نفرت نہیں رکھے گا کہ ساری مخلوق اپنے اسباب و وسائل کے ساتھ بھی اس مولا "اَلْمُتَكَبِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی بڑائی کے سامنے اس وجہ سے چھوٹی اور بے حیثیت نظر آنے لگی" اور "اَلْمُتَكَبِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے قدرت کے خزانوں سے کچھ بھی نہ ہونے کا یقین اس کے دل میں بیٹھ جائے گا۔

اس کے بڑے بڑے بادشاہ، وزراء، پولیس، فوج کا رعب دل سے نکل جائے گا۔ یہ خود اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنے پیچھے سب اپنے بڑوں میں، بچے تمام بڑے سب سے بڑے "اَلْمُتَكَبِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے محتاج ہیں۔ کتنا ہی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، کتنی ہی اس کی بڑی اور بھاری فوج ہو، کتنا ہی بڑا دبدبہ ہو لیکن یہ سب مل کر ملک الموت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔

بندگی کے لائق صرف "اَلْمُتَكَبِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہی کی ذات ہے

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

بڑائی اور کبریائی مطلق اور بلاقید آزادی و غیر محدود تصرف اور قدرت کاملہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے اور

[1] خطبات حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ ص ۱۸۲ تا ۱۸۳ (ادارہ اشاعت اشرفیہ)

المتكبر

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا۝ (الفرقان ۶۱)

عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کا کسی کے سامنے کرنا...... کسی کے نام پر اور اس کی خوشنودی کے لئے روزہ رکھنا...... دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شد رحال (طویل سفر کر کے جانا) اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، نذریں، منتیں ماننا...... شرک کے کام ہیں اور شکر کے مظاہر کی تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایت ذلت کی مظہر ہوں، صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسانی قدرت سے باہر ہے، دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور نیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے اور ذی وجاہت اور بااثر و بااقتدار لوگوں کو راضی و خوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

شاہانِ دنیا کی طرح کارخانۂ کائنات کے انتظام میں درباریوں اور وزراء (وزیر بوجھ اٹھانے میں مدد کرنے والے کو کہتے ہیں کیوں کہ "وزر" بوجھ کو کہتے ہیں تو دنیاوی بادشاہ تو محتاج ہیں کہ کوئی بوجھ اٹھانے اور نظام چلانے میں ہاتھ بٹائے مگر اللہ رب العزت کی ذات کمزوری سے یکسر پاک ہے) اور اعوان (مددگاروں) سے مدد لینا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

کسی قسم کا سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں، حج کے مناسک واعمال، غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت وفنائیت کے تمام شعائر بیت اللہ اور حرم محترم کے ساتھ خاص ہیں۔

صالحین اور اولیاء کی نسبت سے جانوروں کی تخصیص...... ان کا احترام کرنا...... ان کی نذریں چڑھانا...... اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا کسی طرح بھی صحیح اور جائز نہیں۔

عاجزی و انکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تقرب و تعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، کائنات میں آسمانی برجوں اور سیاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔

نام رکھنے میں بھی مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہئے، غلط فہمی پیدا کرنے والے اور جن سے مشرکانہ اعتقاد کا اظہار یا شبہ ہوتا ہو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے، اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کی قسم کھانا شرک ہے...... غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے...... اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا ناجائز ہے، جہاں کوئی بت تھا یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں افراط و تفریط اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید اور اولیاء و صالحین کی تصویروں اور مجسموں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہئے۔[1]

---

[1] دستور حیات [illegible]

تَرجَمَہ: ''یعنی تمہاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمہاری انتہا مردار جسم ہے اور درمیانی حالت یہ ہے کہ نجاست غلاظت لیے پھرتے ہو۔''

یہ سن کر اس لڑکے نے سر جھکا لیا اور آئندہ کے لئے توبہ کر لی۔[1]

تکبر سے بچنے کا علاج

تکبر کا علاج یہ ہے کہ بندہ اپنی حقیقت میں غور کرے کہ میں مٹی اور ناپاک پانی کی پیداوار ہوں۔ ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، اگر وہ چاہیں ابھی سب لے لیں، پھر تکبر کس بات پر کروں اور اللہ کی بڑائی کو دیکھے، اس وقت اپنی بڑائی نگاہ میں نہ آئے گی اور جس کو اس نے حقیر سمجھا ہے اس کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور اس کی تعظیم کیا کرے تو تکبر دل سے نکل جائے گا۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو اپنے سے ادنیٰ کی ہمدردی کرے۔ جب کوئی چھوٹے درجے کا آدمی ملے اس کو پہلے خود سلام کر لیا کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی نفس میں بہت عاجزی آ جائے گی۔

تکبر کا انجام

وَاقِعَہ نمبر ⑱: نوفل بن مساحق رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑا لمبا چوڑا، جوانی کے نشے میں چور، گٹھے ہوئے بدن والا، دلکش چہرہ اور خوب صورت تھا۔ میں ٹکٹکی باندھ کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا:

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

میں نے کہا:

''مجھے آپ کے حسن و جمال پر تعجب ہو رہا ہے۔''

اس نے جواب دیا: ''إِنَّ اللَّهَ لَيَعْجَبُ مِنِّي''

''مجھ پر تو اللہ کو بھی تعجب ہو رہا ہے۔'' (نعوذ باللہ)

نوفل رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ کفریہ کلمہ کہتے ہی وہ سکڑنے لگا، اس کا رنگ و روپ اتر گیا... یہاں تک کہ اس کا قد ایک بالشت رہ گیا... نوفل حیران رہ گئے۔ آخر اس کا ایک رشتہ دار اسے اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔

---

[1] المستطرف: ۱/۲۷۸ [2] [illegible] [3] القصص: ۸۲

فوائد و نصائح

ہمیں یہ دعا سکھلائی گئی ہے جس کو مانگ کر ہم اپنے اندر تواضع پیدا کر سکتے ہیں اور تکبر سے بچ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں بٹھا سکتے ہیں، اس دعا کو بار بار مانگنا چاہئے

❶ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا۔"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دیجئے اور لوگوں کی نظروں میں مجھے بڑا رکھئے۔"

اور تواضع حاصل کرنے کے لئے تین کاموں کا اہتمام کریں:

(۱) اپنی غلطی کی تاویل نہ کریں کہ اصل میں بات یہ تھی، وہ دراصل وغیرہ وغیرہ، آپ کی اگر کوئی غلطی بتائے، بڑوں میں سے کوئی ڈانٹے، اصلاح کرے تو خاموشی کے ساتھ سن لیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ خیال رکھوں گا، پھر اگر یقین ہو جائے کہ اپنی غلطی نہیں تھی تو کسی دوسرے وقت میں مناسب اور ضروری ہو تو بتا دے کہ بات یہ تھی۔

(۲) میں، میری وغیرہ کا لفظ استعمال نہ کریں اس سے تکبر کی بو آتی ہے مثلاً یوں کہے کہ میں نے یوں کیا، ہم نے یوں کیا، ہماری وجہ سے یوں ہوا، بلکہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے یہ کام ہوا۔

(۳) کسی انسان کی طرف سے پریشانی یا تکلیف پہنچے تو خوب دھیان سے سوچیں، غور کریں کہ اس میں میری غلطی کیا تھی یا اس میں میری کہاں کمی واقع ہوئی ہے؟

دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے یا الزامات تھوپنے کے بجائے ہر نقصان، مصیبت اور پریشانی کے وقت یہ آیت مبارکہ سوچئے:

"وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ"[2]

ترجمہ: "اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔"

برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ کی سزا یا اپنی غفلت و لاپرواہی اس کا سبب ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے نفس سے ہے یعنی تمہاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا کلام سکھا دیجئے جس کو میں پڑھتا رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ پڑھا کرو

❷ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ... اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ... لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔"[3]

---

[1] حصن حصین: ۲۴۰ [2] النساء: ۷۹ [3] مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء: ۲/۳۴۶

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں..... وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں..... اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑا ہے۔..... اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تعریفیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔..... جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے..... گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے۔..... جو غالب ہے..... حکمت والا ہے۔"

❷ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ اپنی ذات کو ذلت و رسوائی کے کاموں سے بچائیں، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو پیشِ نظر رکھیں، خود اپنے نفس کو متواضع بنائیں، مساکین و فقراء سے نفرت نہ کریں۔[1]

❸ اسی طرح اس اسمِ مبارک سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اذان اور اقامت دھیان سے سنے اور نمازوں میں تکبیراتِ انتقال دھیان سے کہے جب مؤذن اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو دل سے اس کی تصدیق کرے، زبان سے بھی وہی کہے جو مؤذن کہتا ہے۔ اذان اور اقامت ادب سے سنئے اور اس کا جواب زبان اور عمل (نماز پڑھنے) دونوں سے دیجئے۔ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ جلد ہی اللہ تعالیٰ کی کبریائی عظمت دل میں راسخ ہو جائے گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچنے کے لئے یہ دعا مانگیں:

❹ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مُطِیْعِیْنَ لِاَمْرِکَ وَجَنِّبْنَا غَضَبَکَ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ..... اِنَّکَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُّجِیْبُ الدَّعَوَاتِ."

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے احکام کا فرماں بردار بنا، ہمارے اوپر اپنے قہر و غضب اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما، بے شک آپ خوب دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والے ہیں۔[2]

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصور پوری، ۶۲ [2] تفسیر عثمانی ۶۶۱، حاشیہ ۳۷

الخالق جل جلالہ البارئ جل جلالہ

(پیدا فرمانے والا) (ٹھیک ٹھیک بنانے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (الخالق): هُوَ الْمُبْدِعُ لِلْخَلْقِ وَالْمُخْتَرِعُ لَهُ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[1]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الخالق جل جلالہ" وہ ذات ہے جو مخلوق کو عدم سے وجود بخشنے والی ہے اور انہیں بغیر کسی نمونے اور مثال کے پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے: "کیا اللہ کے علاوہ کوئی بنانے والا ہے؟"

❷ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الخالق" کا مطلب یہ ہے کہ اندازے سے کسی چیز کو بنانا اور "البارئ" کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اندازے سے مقرر کر دیا گیا ہو اس کو ٹھیک درست کر کے وجود بخشنا اب ایسا نہیں ہوتا کہ جو کوئی بھی اسے اندازے سے ترتیب دے دے وہ اسے وجود بخش کر منظر عام پر لے آئے یہ بھی آپ ہی کی شان ہے رب العزت جل جلالہ کی۔[2]

جس طرح وہ "الخالق" ہے اسی کے ساتھ ساتھ "البارئ" بھی ہے یعنی پیدا کرنے کے بعد وہ مخلوق اس کے ہاتھ سے آزاد نہیں ہوتی بلکہ اس کے حکم میں جاری ہوتی ہے۔ کسی چیز کا اندازہ کرنا اور ترتیب دینا تو مشکل نہیں لیکن سے نافذ کر کے وجود بخشنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ وجود بخشنا اللہ رب العزت ہی کا کام ہے۔

❸ ذَكَرَ الزَّمَخْشَرِيُّ فَقَالَ: (الْبَارِئُ) هُوَ الَّذِي خَلَقَ الْخَلْقَ بَرِيئًا مِنَ التَّفَاوُتِ: ﴿مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ﴾[3] أَيْ: خَلَقَهُمْ خَلْقًا مُسْتَوِيًا لَيْسَ فِيهِ

---

[1] فاطر ۳، المنہج الاسمیٰ ۱/۱۰۸

[2] يَقُولُ ابْنُ كَثِيرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى: الْخَلْقُ هُوَ التَّقْدِيرُ، وَالْبَرْءُ هُوَ الْفَرْيُ وَهُوَ التَّنْفِيذُ وَإِبْرَازُ مَا قَدَّرَهُ وَقَرَّرَهُ إِلَى الْوُجُودِ وَلَيْسَ كُلُّ مَنْ قَدَّرَ شَيْئًا وَرَتَّبَهُ يَقْدِرُ عَلَى تَنْفِيذِهِ وَإِيجَادِهِ سِوَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ. (المنہج الاسمیٰ ۲۹۶)

[3] الملک ۳، الکشاف ۱/۱۰، البقرۃ ۵۴

❷ ﴿فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ﴾[1]

خالقِ کائنات اللہ ربّ العزت ہی کی ذات ہے

قرآن مجید بڑے اہتمام کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ لوگوں کو یہ بتلاتا ہے اور ان کے دلوں میں اس کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ساری کائنات کو پیدا اور نیست سے ہست (عدم سے وجود) بھی اللہ ربّ العزت نے کیا ہے اور وہی اس کارخانۂ عالم کے سارے نظام کو بلا شرکتِ غیر چلا رہا ہے۔ زندگی اور رزق وغیرہ زندگی کے جو سامان جس کو مل رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی دے رہا ہے اور اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ زندگی کی ضروریات اور اس کے سامان ہیں بلکہ وہی جس کو جب تک اور جتنا دینا چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو دینا نہیں چاہتا نہیں دیتا۔[2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾[3]

ترجمہ: "اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اس کی بقا وحفاظت کا ذمہ دار بھی وہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف واقتدار بھی اسی کو حاصل ہے، کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، پھر ایسے اللہ کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے؟

چاہئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیرِ تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی کامیابی کی امید رکھ سکتا ہے؟[4]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ﴾[5]

ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے، وہ جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟"

قرآن کہتا ہے: ذرا دیکھئے جب کسی اناج کے ایک دانے یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، نہ اس دانے یا گٹھلی میں کوئی عقل و شعور (یا کسی قسم کا ظاہری احساس) ہے، نہ زمین میں اور نہ ان میں سے کسی میں ارادے کی کوئی

---

[1] البقرۃ: ۵۴ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۲ [3] الزمر: ۶۲ [4] تفسیر عثمانی: حاشیہ نمبر ۲۱ [5] الانعام: ۹۵

طاقت ہے، یہ سب چیزیں بالکل بے جان ہیں، لیکن چند دنوں کے بعد کسی کو نظر نہ آنے والی طاقت کا چھپا ہوا ہاتھ زمین کے اندر ہی اندر اس دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے نہایت نرم و نازک ایک ریشہ نکلتا ہے۔ پھر وہ اپنے اوپر والی مٹی کی تہوں کو چیرتا ہوا اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ تو ذرا سوچو کہ مٹی میں دفن شدہ ان بے جان دانے یا گٹھلی کو کس نے پھاڑا؟

کس نے اس مٹی سے وہ جاندار کونپل نکالی؟
پھر سخت سے دانے سے پھٹی نرم و نازک اس کونپل نے کس کی طاقت سے زمین کو چیر ڈالا؟
کیا تمہاری عقل میں یہ آ سکتا ہے کہ ان بے جان دانے یا گٹھلی نے یہ سارے کام خود کر لیے؟
یا بغیر کسی کے کرنے والے کے آپ ہی آپ یہ سب کچھ ہو گیا۔ ہرگز نہیں! یہ سب ایک حکمت و قدرت والی ہستی نے کیا اور وہ ہستی "الخالق جل جلالہ" کی ہی ہے۔

اس کی قدرت صرف بے جان دانے اور گٹھلی ہی کے ساتھ پیش نہیں کرتی ہے بلکہ وہ کبھی بے جان چیزوں سے جاندار چیزیں پیدا کرتا ہے اور اسی طرح کبھی جاندار چیزوں سے بے جان چیزوں کو نکالتا ہے۔ تم یہ سب دیکھتے ہو مثلاً: بے جان انڈوں سے جاندار بچوں کا نکلنا بھی دیکھتے ہو اور جاندار مرغی سے بے جان انڈوں کے برآمد ہونے کا بھی مشاہدہ کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ کیسی کھلی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں، پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کہاں اور کدھر بہکے رہتے ہو؟ "فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ"

"الخالق جل جلالہ" نے زمین کو انسان کے لئے بچھایا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾[1]

ترجمہ: وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مسخر کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلو پھرو، اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو) اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کر جانا ہے۔

یعنی زمین کو انسان کے لئے مسخر و فرمانبردار بنا دیا، ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا جس سے جینا آسان ہو گیا۔ مثلاً

1. تمام انسانوں، حیوانوں کے کھانے اور ضروریات کی چیزیں زمین سے نکلتی ہیں۔
2. پھر اس میں خشک بیج ڈالے جاتے ہیں، بوئے جاتے ہیں لیکن زمین ان کی پرورش کرتی ہے، بیج پودا ہو جاتا ہے اور ایک دانے سے کئی سو دانے پیدا ہوتے ہیں۔
3. زمین ہمارے لئے اپنے پیٹ سے قیمتی اور نفع مند چیزیں نکالتی ہے۔

[1] الملك: ١٥

❷ زمین پر پڑی گندگی، نجاست بھی زمین کے پیٹ میں جاکر ختم ہوجاتی ہے، ورنہ زمین پر بدبو کے مارے رہنا مشکل ہوجاتا۔ گویا جیسے ایک وقت انسان نے اسے بالکل فراموش کردیا تھا اسی طرح زمین نے بھی مٹی تلے دبا دیا۔ سبحان اللہ ’’الخالق جل جلالہ‘‘ کی کیا ہی نرالی شان ہے۔

انسانی و حیوانی غذاؤں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:[1]

ترجمہ: ’’اور دیکھو زمین میں مختلف قطعے ہیں جو باہم ملے ہوئے اور پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور غلے کے کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں۔ ان میں کچھ ایسے ہیں جو جڑ سے دوسرے درخت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے جو اس طرح جڑے نہیں ہوتے۔ ان سب چیزوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بعض کو بعض پر ذائقے میں فوقیت اور برتری دیتے ہیں۔ ان سب میں بڑی نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لئے۔‘‘

قرآن کہتا ہے: وہ زمین جس پر تم چلتے ہو اور جس سے تمہاری غذا پیدا ہوتی ہے، ذرا اس کی اس حالت پر تو غور کرو کہ اس کے باہم ملے ہوئے قطعوں میں بسا اوقات کیسا کیسا فرق ہوتا ہے۔ ایک زیادہ پیداوار دیتا ہے، دوسرا کم پیداوار والا۔

مثلاً: ایک قطعہ گیہوں کی کاشت کے لئے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا کپاس کی کاشت کے لئے۔ پھر کسی ٹکڑے میں انگور کی بیلیں ہیں اور ان سے انگور اترتے ہیں اور ان کے برابر والے دوسرے ٹکڑے میں مثلاً غلے کا کھیت ہے جس میں سے غلہ پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی کے تیسرے ٹکڑے میں کھجور کے درخت ہیں وہ بھی سب یکساں نہیں بلکہ مختلف طرح کے ہیں۔ الگ الگ اکہرے اکہرے بھی ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کئی کئی جڑے ہوئے بھی ہیں۔

پھر حال یہ ہے کہ سب کو ایک پانی ملتا ہے، ایک ہی مٹی ہے، ایک ہی سورج کی شعاعیں سب پر پڑتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی ظاہری شکل و صورت کے علاوہ ان کے ذائقوں میں بھی کتنا فرق ہے۔ کیا یہ فرق، یہ بھلائی، برائی اور یہ اونچ نیچ آپ ہی آپ ہے۔ کسی ارادے اور قدرت کے عمل کے بغیر یونہی خود بخود موجود ہے؟

بہرحال زمین کے ٹکڑوں کی ان کیفیاتی فرق و اختلاف میں اور ان کی پیداوار اور رنگا رنگی میں عقل و بصیرت سے کام لینے والوں کے لئے بھی نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ اصل حقیقت کے بارے میں یقین حاصل کر سکتے ہیں اور جس کی حکمت و قدرت سے یہ سب پیدا ہو رہا ہے اس کو پہچان سکتے ہیں۔

---

[1] ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (الرعد: ۴)

اے انسان! اپنی غذا کو تو دیکھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝﴾

ترجمہ: "انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے اور اس میں غور کرے، ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اس زمین کی سطح کو شق کرتے (پھاڑتے) ہیں، پھر ہم اس میں غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور کے درخت اور گنجان باغ اور میوے اور جانوروں کے لئے چارہ پیدا کرتے ہیں۔"[1]

تو ہماری پیدا کی ہوئی ان غذاؤں کو استعمال کرنے والے انسان کو چاہئے کہ وہ سوچے کہ یہ غذا جس سے تیار کی ہوئی روٹی میں کھاتا ہوں اور یہ ترکاریاں اور یہ طرح طرح کے میوے اور یہ پھل اور ہمارے جانوروں کے کام آنے والے یہ چارے، یہ سب چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟

کون ان کو پیدا کرتا ہے؟

جس پانی سے یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کون برساتا ہے؟

پھر کس کے حکم اور کس کی قدرت سے زمین کے اندر دبے ہوئے دانوں یا گٹھلیوں سے ان چیزوں کے پودے اُگتے ہیں؟

بالکل ابتداء میں زمین میں سے ان پودوں کے نکلنے کے لئے کون سخت زمین کو ان کے واسطے چیر دیتا ہے؟ انسان اگر حقیقت کا طالب بن کر اپنی غذاؤں پر غور کرے گا تو وہ حقیقت کو پالے گا اور غذا کے خالق کو اور اس کی قدرت وعظمت کا اس کو علم حاصل ہو جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور وعبرت کا سامان ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلہ (گندگی) کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا خوش گوار ہوتا ہے۔"[2]

قرآن کریم کہتا ہے: جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو ذرا ان ہی میں تم غور کرو، ان کے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں، غلیظ فضلے کے رہنے کی جگہ اور اس کے راستے ہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ ناپاک خون اور بدبودار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار نہ رہتی ہو لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصوں میں خون اور غلاظت

---

[1] عبس: ۲۴ تا ۳۱ — [2] النحل: ۶۶

بھری رہتی ہے اسی کے قریب سے لطیف اور صاف دودھ نکلتا ہے جس میں نہ خون کے رنگ کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ غلیظ فضلے کی بدبو کا کوئی اثر، وہ پینے والوں کے لئے کیسا خوش گوار، خوش ذائقہ اور نفیس مشروب ہے، تم خود اس کو جانتے ہو تو ذرا سوچو کہ یہ کس کی کاریگری ہے؟

جس گائے یا بھینس میں سے یہ دودھ نکلتا ہے، کیا اس کا فعل ہے؟

کیا کسی انسانی عقل نے دودھ کی یہ عجیب وغریب زندہ مشین بنائی ہے؟

نہیں! ہرگز نہیں! یہ صرف اس "الخالق و البارئ جل جلالہ" کی ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس نے اس ساری دنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔

ایک موقع پر سوالیہ انداز میں "اللہ جل جلالہ" کی ہستی ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں کتنی بلیغ اور کیسی تسلی بخش بات کہی گئی ہے، ارشاد ہے:

﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: "کیا تمہیں اس اللہ کی ہستی میں شبہ ہے، جس نے آسمان وزمین بنائے۔"

اس مختصر سے سوالیہ جملے کے ذریعے قرآن پاک نے انسانوں کے غور وفکر کے لئے ان کے سامنے زمین وآسمان کی ساری نشانیاں رکھ دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے، ان کی روشنی اور ان کی گرمی یا خنکی کو محسوس کرتا ہے، زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے، کھیتیاں دیکھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والا غلہ، میوے اور پھل کھاتا ہے، اس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور ان کی خوشبو سونگھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ان کے عجیب وغریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادے اور فیصلے سے ایسی بن گئی ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی نسل یا کاریگر انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں۔ اس کی سلیم عقل وبصیرت اس کے سوا کسی توجیہ کو قبول ہی نہیں کر سکتی کہ یہ سب کسی "الخالق و البارئ جل جلالہ" ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔

ارشاد ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾[2]

---

[1] ابراهیم: ۱۰ [2] الذٰریٰت: ۲۰، ۲۱

ترجمہ: "اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی موجود ہیں، پھر کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟" [1]

زمین میں جن آیاتِ قدرت کا ذکر فرمایا ہے وہ بے شمار ہیں، زمین میں نباتات اور اشجار و باغات ہی کو دیکھو، ان کے اقسام و انواع ان کے رنگ و بو ایک ایک پتہ کی تخلیق میں کمال پنہاں ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کے خواص و آثار میں اختلاف کی ہزاروں قسمیں۔ ...... اسی طرح زمین میں نہریں کنویں اور پانی کے دوسرے مرکز معدنیات سے تیار ہونے والی لاکھوں انواع مخلوقات زمین کے پہاڑ اور غار ...... زمین میں پیدا ہونے والے انسانوں کے حالات ...... مختلف قبائل اور مختلف خطوں کے انسانوں میں رنگ اور زبان کا امتیاز ...... اخلاق و عادات کا اختلاف وغیرہ وغیرہ جن میں آدمی غور کرے تو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اتنے مظاہر پائے گا کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

﴿وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ [2] اس جگہ آیاتِ قدرت کے بیان میں آسمان اور فضائی مخلوقات کا ذکر چھوڑ کر صرف زمین کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کے بہت قریب ہے، جس پر انسان بستا اور چلتا پھرتا ہے۔

اس آیت میں اس سے بھی زیادہ قریب یعنی خود انسان کی ذات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین اور زمین کی مخلوقات کو بھی چھوڑو خود اپنے وجود، اپنے جسم اور اس کے اعضاء و جوارح ہی میں غور کرلو تو ایک ایک عضو کو حکمتِ حق تعالیٰ کا ایک دفتر پاؤ گے اور سمجھ لو گے کہ سارے عالم میں جو آیاتِ قدرت حق تعالیٰ کی ہیں انسان کے اپنے چھوٹے سے وجود میں وہ سب گویا سمٹ آئی ہیں، اسی لئے انسان کے وجود کو "عَالَمِ أَصْغَر" کہا جاتا ہے کہ سارے عالم کی مثالیں انسان کے وجود میں موجود ہیں۔

انسان اگر اپنی ابتدائے پیدائش سے لے کر موت تک کے پیش آنے والے حالات میں غور و تدبر کرنے لگے تو اس کو حق تعالیٰ گویا اپنے سامنے نظر آنے لگیں کہ کس طرح ایک انسانی نطفہ دنیا کے مختلف خطوں کی غذاؤں اور دنیا میں بکھرے ہوئے اجزائے لطیفہ کا خلاصہ بن کر رحمِ مادر میں قرار پایا، پھر کس طرح نطفے سے ایک منجمد خون عَلَقَة (لوتھڑا) بنا، پھر عَلَقَة سے مُضْغَة (گوشت کا ٹکڑا) بنا، پھر کس طرح اس میں ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا، پھر کس طرح اس بے جان پتلے میں جان ڈالی گئی اور اس کی تخلیق کی تکمیل کر کے اس دنیا میں لایا گیا۔

پھر کس طرح تدریجی ترقی کر کے ایک بے علم، بے شعور بچے سے ایک دانش مند فاضل انسان بنایا گیا اور کس طرح ان کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں کہ اربوں، پدموں انسانوں میں ایک چہرہ دوسرے چہرے سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، اس چند انچ کے رقبہ میں ایسے امتیازات رکھنا کس کے بس کی بات ہے؟

---

[1] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ۲۲ [2] الذّٰریٰت ۲۱

پھر ان کی طبائع اور مزاجوں میں اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود وحدت، یہ سب اس قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی ہے جو بے مثل و بے مثال ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[1]

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہر انسان کہیں باہر اور دور نہیں خود اپنے ہی وجود میں دن رات مشاہدہ کرتا ہے اس کے باوجود بھی اگر وہ اللہ جل شانہٗ اور اس کی قدرت کاملہ کا اعتراف نہ کرے تو کوئی اندھا ہی ہو سکتا ہے جس کو کچھ نہ سوجھے، اسی لئے آخر میں فرمایا ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یعنی کیا تم دیکھتے نہیں؟

اشارہ اس طرف ہے کہ اس میں کچھ زیادہ عقل و فکر کا بھی کام نہیں، بینائی ہی درست ہو تو اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے[2]

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کے علاوہ خود تمہارے اندر بھی ایسی نشانیاں موجود ہیں، تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود اپنے وجود اور اپنے نظامِ زندگی میں غور کر کے یقین حاصل کر سکتے ہو۔

انسان کو چاہئے اپنے وجود میں غور کرے

واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضا اور اپنے نظامِ زندگی ہی پر غور کرے تو فاطرِ ہستی کے بارے میں اُسے ہرگز کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتدا کو سوچے، رحمِ مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟... میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی......؟

میری زندگی کے یہ سامان کس نے پیدا کئے۔

میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی......؟

میرے کان کے پردوں میں آوازیں سننے کی قابلیت کس نے رکھ دی.......؟

میری ناک کے غدودوں کو خوشبو اور بدبو کا یہ احساس کس نے دیا......؟

میری زبان اور میرے حلق میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا؟ جس سے کھانے پینے کے سارے لطف ہیں ...اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی......؟

کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں؟...... میرے باپ نے کیں......؟

کیا میرے ان کاموں کے لئے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں......؟

کیا میں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا لیا......؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور یہ سوچنا تو اور بھی زیادہ غلط ہوگا کہ میں اپنے یا کسی اور کے ارادے کے بغیر آپ ہی آپ ایسا بن گیا۔

---

[1] المؤمنون: ۱۴ [2] معارف القرآن ۸/۱۶۹

بجز حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی علیم وخبیر اور بڑی کامل القدرت ہستی "اللہ جل جلالہ" نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اسی نے کی ہیں اور صرف اسی نے کی ہیں۔"[1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾[2]

ترجمہ: "یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔"

انسان اگر سارے عالم کو چھوڑ کر اپنے ہی وجود پر نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ اس کا وجود خود ایک عالم اصغر ہے، جس میں عالم اکبر کے سارے نمونے موجود ہیں، اس کا بدن زمین کی مثل ہے، اس پر اگنے والے بال نباتات کی مثال ہیں، اس کی ہڈیاں پہاڑوں کی شبیہ ہیں، اس کے بدن کی رگیں جس میں خون رواں ہے زمین کے نیچے بہنے والے چشموں اور نہروں کی مثال ہیں۔

بہرحال تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت کا سبق ملے گا، تمہاری اصل کیا تھی؟

ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس وحرکت تھی نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملے میں جھگڑ کر اپنا حق منوا لے یا دوسروں پر غالب آجائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرۂ ناچیز کو کیسے کیا بنا دیا؟

کیسی عجیب صورت عطا کی...... کیسی عقل وقوتیں اور کمالات اسے عطا کئے...... جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا...... جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی...... اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا، حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گزر کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا، یہ بھی یاد نہ رہا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی؟

قدرت باری تعالیٰ کا عظیم سانچہ

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ رب العزت نے انسان کو کیسے عمدہ سانچے میں بنایا ہے اگر انسان اپنی اصل بنیاد کو دیکھے کہ کس قدر ضعیف بلکہ محض ضعف ہے کہ ایک قطرۂ بے جان ہے جو ناپاک، گندی چیز ہے۔ اس میں غور کرے کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس گندے قطرے کو ایک خون منجمد کی صورت میں...... پھر خون کو گوشت کی صورت میں...... پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں...... تبدیلیاں کیں، پھر اس کے اعضاء وجوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں...... کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا...... جس میں سینکڑوں عجیب وغریب خودکار مشینیں لگی ہوئی ہیں...... اور زیادہ غور کرنے سے کام لو تو یہ ایک فیکٹری نہیں،

---

[1] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۳۳۲/۲ [2] ابراہیم: ۳۴

مل کر ایک عالمِ اصغر ہے کہ پورے جہاں کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق و تکوین کسی بڑے ورکشاپ میں نہیں، بلکہ بطنِ مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور نو مہینے اسی تنگ و تاریک جگہ میں بطنِ مادر کے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرتِ انسان کا وجود تیار ہوا۔[1]

انسان دو جزو سے مرکب ہے: ایک "بدن" دوسرا "روح"۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قدر و قیمت کے اعتبار سے روح اصل، اعلیٰ اور افضل ہے، بدن محض اس کے تابع اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہے۔ اس ادنیٰ جزو کے متعلق بدنِ انسان کی تحقیق کرنے والے اطباء اور اہلِ تشریح نے بتلایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں۔ اس کے بدن میں تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں، ہر جوڑ کو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ نے ایسا مستحکم بنایا ہے کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ وہ گھستا ہے، نہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے، عادۃً انسان کی عمر ساٹھ، ستر سال ہوتی ہے، پوری عمر اس کے یہ نرم و نازک اعضاء اور ان کے سب جوڑ اکثر اوقات کس طرح حرکت میں رہتے ہیں کہ فولاد بھی ہوتا تو گھس جاتا، مگر حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: "یعنی ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کئے۔"

اسی قدرتی مضبوطی کا نتیجہ ہے کہ عام عادت کے مطابق یہ نرم و نازک جوڑ ستر برس اور اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کام دیتے ہیں۔ انسانی اعضاء میں سے صرف ایک آنکھ ہی کو لے لیجئے، اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مظاہر موجود ہیں، انسان کو عمر بھر خرچ کر کے بھی ان کا پورا ادراک آسان نہیں۔

پھر اس آنکھ کے صرف ایک مرتبہ کے عمل کو دیکھ کر یہ حساب لگایئے کہ اس ایک منٹ کے عمل میں حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں کام کر رہی ہیں تو حیرت ہوتی ہے، کیونکہ آنکھ اٹھی اور اس نے کسی چیز کو دیکھا، اس میں جس طرح آنکھ کی اندرونی طاقتوں نے عمل کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بیرونی مخلوقات کا اس میں بڑا حصہ ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کے اندر کی روشنی کام نہیں دے سکتی۔

پھر آفتاب کے لئے بھی ایک فضا کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دیکھنے اور آنکھ کو کام میں لانے کے لئے غذا، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نظر اٹھا کر جو کچھ دیکھتی ہے اس میں پورے عالم کی طاقتیں کام کرتی ہیں، یہ ایک مرتبہ کا عمل ہوا پھر آنکھ دن میں کتنی مرتبہ دیکھتی ہے...... سال میں کتنی مرتبہ...... عمر میں کتنی مرتبہ ...... یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے اعداد و شمار انسانی طاقت سے خارج ہیں۔

اسی طرح کان، ہاتھ، پاؤں، زبان کے کتنے کام ہیں، ان سب میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہیں۔ اس "الخالق"

---

[1] معارف القرآن: ۲/ ۲۲۷ [2] الدھر: ۲۸

الخالق
البارئ

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ (الزمر ۶۲)
”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے“۔

جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف سے ملنے والی ان نعمتوں اور عنایتوں کے استحضار کے بعد بھی ایک قلب سلیم رکھنے والا دل کو یہ سمجھائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب میرا ہر ہر سانس جو آ جا رہا ہے اور ہر لحظہ جو پلک اٹھتی اور جھکتی ہے اس کے پیچھے اس ذات باری اور صانع حقیقی کی کیا کیا کاریگریاں میرے فائدے کے لئے کوشاں ہیں تو میں ان نعمتوں سے اگر غلط استعمال سے اس مالک کو ناراض کرلوں تو میرا کیا ٹھکانہ ہوگا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اون وغیرہ سے کمبل، دھسے، کپڑے، خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ گوبر کو جمع کیا جاتا ہے کسی کو ایندھن جلانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

گھی، مکھن وغیرہ کی ساری نعمتیں ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ ان کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور قیمتی سامان تیار کئے جاتے ہیں، جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں ہے اور اس میں کوئی قابل ذکر بدنی یا اخلاقی مضرت بھی نہیں ہے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے جس سے غریبوں کی شکم پروری اس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں ان کی تیاری میں بھی ان حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

تخلیق کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں

غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "تخلیق" کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، جس کا مطلب ہے کسی شے کو عدم محض سے قدرت ذاتی کے بل پر وجود میں لانا۔ اس لئے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی اور کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں۔

ہمارے زمانے میں جو رواج چل پڑا ہے کہ اہل قلم کے مضامین، شاعروں کے اشعار اور مصوروں کی تصویروں کو ان کی "تخلیقات" کہہ دیا جاتا ہے، یہ بالکل جائز نہیں اور نہ اہل قلم کو ان مضامین کا خالق کہنا درست ہے۔ خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے ان کے رشحات قلم کو "کاوش" یا "مضمون" وغیرہ کہنا چاہئے "تخلیق" نہیں۔ [1]

کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنے خالق کی گواہی دے رہا ہے

ہارون یحییٰ صاحب اپنی کتاب "اللہ کی نشانیاں" میں لکھتے ہیں۔

جو تتلیوں کے پروں پر بھی پھول کاڑھتا ہے   یہ لوگ کہتے ہیں اس کی کوئی نشانی نہیں

آپ جہاں کہیں بھی بیٹھے ہوں، اگر آپ اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ کمرے کی ہر شے "بنائی گئی ہے" دیواریں، اسباب، چھت، کرسی جس پر آپ براجمان ہیں، کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، میز کا شیشہ اور

[1] معارف القرآن ۱۷۲:۷

بے شمار دوسری چیزیں جو اس کمرے میں موجود ہیں۔ ان اشیاء میں سے کوئی ایک شے ایسی نہیں جو از خود بن گئی ہو۔ یہاں تک کہ کمرے میں بچھے ہوئے قالین کا دھاگہ بھی کسی نہ کسی نے ضرور بنایا ہوگا۔ تو یہ سب از خود کیسے وجود میں آگئے محض اتفاق کے نتیجے میں بن گئے۔

اگر کسی روز ایک شخص آئے اور یہ اعلان کردے کہ عام دھات اور کوئلے نے اتفاقاً باہم مل کر فولاد بنا دیا ہے جس سے اتفاقاً اسلحہ کا ذخیرہ تعمیر ہوگیا ہے...... تو وہ شخص اور جو اس شخص پر یقین کرنے لگے کیا آپ انہیں دیوانہ اور مخبوط العقل تصور نہ کریں گے؟

اور نظریہ ارتقاء کا دعویٰ، جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار کا اوچھا طریقہ ہے اس سے مختلف تو نہیں ہے۔ یہ کائنات جس کا ایک ایک ذرہ، ایک ایک شے اپنے خالق کی گواہی دے رہی ہے اس کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ یہ از خود وجود میں آگئی۔ چنانچہ کائنات سے اس اعتدال و توازن کا جو ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے، ہمارے جسم سے لے کر وسعتِ نظر و حد نگاہ سے بہت آگے تک کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہونا چاہئے۔

وہ خالق جس نے اس کائنات کی ہر شے کو اس قدر نفاست و نزاکت کے ساتھ وجود میں آجانے کا حکم دیا۔ وہ عظیم خالق وہ ہے جس کی ذات کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔

سچ تو یہ ہے کہ اللہ کی ذات کو سمجھنے کے لئے کوئی طویل تحقیق ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص پیدائش سے لے کر آخر تک ایک ہی کمرے میں اکیلا رہتا رہا ہو اس کمرے کے اندر مختصر سی دنیا اس کے لئے یہ سمجھنے کو کافی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

خود انسانی جسم کے اندر ثبوت اور شواہد اس قدر جمع ہیں کہ اسے تو کئی جلدوں پر مشتمل کسی انسائیکلوپیڈیا میں بھی نہ سمو سکے۔ اگر کوئی اسے چند منٹ بھی غور و فکر کے لئے دے سکے تو اسے یقین دلانے کو اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

موجودہ نظام اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور وہی اسے قائم و دائم رکھے ہوئے ہے۔

صرف انسانی جسم ہی انسان کے لئے غور و فکر کے دریچے وا نہیں کرتا ہے، بلکہ روئے زمین کے ہر مربع کی سطح میں زندگی بستی ہے۔

میری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

اس دنیا میں جانداروں کا ایک بحرِ بیکراں موجزن ہے، یک خلوی سالموں سے پودوں تک، کیڑے مکوڑوں سے سمندری جانوروں تک اور پرندوں سے انسانوں تک۔ اگر آپ مٹی کی مٹھی بھر لے لیں اور اسے غور سے دیکھیں تو اس کے اندر بھی آپ کو ہر قسم کے جاندار نظر آئیں گے جو اپنی اپنی ذات میں مختلف صفات رکھتے ہوں گے۔ یہی بات اس ہوا پر بھی

ذوالجلال نے تخلیق کئے ہیں جو ان تمام تصورات سے بالاتر ہے۔ یہ "اَلْخَالِقُ جَلَّ جَلَالُهُ" ہے آسمانوں اور زمین کا مالک۔"

مشہور ماہر طبیعات پروفیسر سٹیفن ہاکنز اپنی کتاب "مختصر تاریخ زمان" (A Brief History of Time) میں لکھتا ہے:

"یہ کائنات ان حساب کتاب کے مطابق طے شدہ جائزوں اور توازنوں پر قائم کی گئی ہے اور اسے اس قدر نفاست کے ساتھ "نوک پلک درست" کر کے رکھا گیا ہے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ کائنات کے پھیلاؤ کی شرح کے حوالے سے کہتا ہے: "کائنات پھیلاؤ کی اس نازک شرح کے ساتھ کیوں شروع ہوئی جو ایسے ماڈلوں (Models) کو جدا کرتی ہے جو ان سے منہدم ہو جائیں گے اور جو ہمیشہ کے لئے پھیلتے رہتے ہیں، تاکہ آج بھی، دس بلین برس گزرنے پر یہ تقریباً ایک نازک شرح کے ساتھ پھیل رہی ہو؟

اگر بگ بینگ کے ایک سیکنڈ بعد پھیلاؤ کی شرح سو ہزار ملین ملین کے ایک حصے سے بھی کم ہوتی تو یہ کائنات اپنے موجودہ حجم کو پہنچنے سے قبل تباہ ہو گئی ہوتی۔"

پال ڈیویز بھی اس ناگزیر نتیجے کے بارے میں بتاتا ہے جو ان ناقابل یقین حد تک نازک لطیف توازنوں اور حساب کتاب سے کئے گئے جائزوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

"اس تاثر کی راہ میں رکاوٹ بننا مشکل نظر آتا ہے کہ کائنات کی موجودہ ساخت اس قدر حساس ہے کہ بظاہر تعداد میں معمولی سے رد و بدل کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی، اسے بڑی احتیاط کے ساتھ سوچا گیا ہے .... عددی قیمتوں کی معجزانہ مطابقت جو ہمیں نظر آتی ہے قدرت نے اسے ایسی غیر متغیر صلاحیت دی ہے کہ وہ کائنات کی ساخت اور ڈیزائن کے ایک ایک عنصر کے لئے نہایت ٹھوس ثبوت بن جائے۔"

اسی حقیقت کے تسلسل میں ایک ماہر فلکیات پروفیسر جارج گرین سٹائن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"جب ہم پورے ثبوت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ خیال بڑی شدومد کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ کوئی مَافَوْقَ الْفِطْرَتْ طاقت یا واحد قوت اس میں ضرور شریک ہے۔"[1]

تمام مادی اشیاء ایٹموں کے جمع ہونے سے وجود میں آئی ہوں گی۔ ہر ایٹم کا ایک مرکز ہوتا ہے جس میں مختلف تعداد میں پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹرون ہوتے ہیں۔

یقیناً اس کائنات کا بے مثل منصوبہ اور ترتیب و نظم ایک ایسے خالق کی موجودگی کو ثابت کرتا ہے جو لامحدود علم، طاقت اور دانائی رکھتا ہے اور جس نے مادے کو عدم سے وجود بخشا ہے اور جو اسے کنٹرول کرتا اور مسلسل اس کا نظام چلاتا ہے۔ یہ خالق اللہ (جل شانہ) ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان واقع ہے سب کا مالک ہے اور کائنات میں جو عظیم منصوبہ، ڈیزائن اور نظم و ترتیب پائی، ساری ہے اسے منظر عام پر لانے کے بعد جدید سائنس نے اس خالق کے

[1] "The Symbiotic Universe"

وجود کو ثابت کر دیتی ہے جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے جو اس کا محرک ہے یعنی اللہ جل جلالہٗ۔

جس طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہماری توجہ تخلیقِ انسان کی جانب مبذول کراتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝﴾ [1]

ترجمہ: "اے انسان! تجھے اپنے ربِ کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر بنایا جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔"

تجھے معتدل، کھرا اور حسین صورت والا بنایا، یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا، اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کے بجائے بے ڈھنگا پن ہوتا۔

انسانی جسم کا ہر حصہ ہر مقام نہایت بہترین طریقے سے اپنی جگہ پر بٹھایا گیا ہے۔ کئی مسلک سے آراستہ یہ تخلیق ایک نوزائیدہ بچے اور بچپن کے ایام میں زیادہ نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

مثال کے طور پر ایک نوزائیدہ بچے کی کھوپڑی کی ہڈیاں بہت نرم ہوتی ہیں اور کسی حد تک ایک دوسرے پر چڑھ سکتی ہیں۔ یہ لچک رحمِ مادر سے باہر آنے والے بچے کے سر کو نقصان سے محفوظ رکھتی ہے۔ اگر کھوپڑی کی یہ ہڈیاں سخت ہوتیں اور ان میں لچک نہ ہوتی تو بچے کی پیدائش کے وقت یہ ٹوٹ سکتی تھیں جس سے بچے کے دماغ کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ ہر نقص سے پاک اسی حالت میں انسان کے جسم میں تمام اعضاء نشوونما کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی برقرار رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر سر کی نشوونما کے دوران کھوپڑی جو دماغ کو ڈھانپ کر رکھتی ہے اس کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ اگر کوئی کھوپڑی نسبتاً کم رفتار سے نشوونما پا رہی ہو تو دماغ اس پر دباؤ ڈال کر اسے پچک دے گا جس سے انسان کی بہت جلد موت واقع ہو جائے گی۔ یہی توازن دوسرے اعضاء کے لئے موجود ہوتا ہے جن میں دل، پھیپھڑے، سینہ، آنکھ اور پنجے کا ساکٹ شامل ہیں۔ اگر ہم انسانی جسم کے نظاموں اور اعضاء کا مختصراً جائزہ لیں تو ہمیں یہ ایک بے نقص اور متوازن تخلیق نظر آئے گی۔ [2]

"الخالق جل جلالہٗ" سے صفتِ خلق کا واسطہ دے کر مانگئے

آپ ﷺ نے مغفرت، رحمت اور دوسری دعائیں اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مانگی ہیں، ان میں سب سے پہلے صفتِ خلق کو ذکر فرما کر دعا مانگی ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اس دعا کو اہتمام سے مانگیں، وہ دعا یہ ہے:

[1] الانفطار: ۶ تا ۸ [2] ملخص از "خدا کی نشانیاں" ...

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيْمُ..... اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ..... اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ..... اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ."

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْتَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ فَاغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَاسْتُرْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْفَعْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَلَا تُضِلَّنِيْ وَاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"[1]

تَرجَمَۃ: "اے اللہ! تو سب کو پیدا کرنے والا، بڑی عظمت والا ہے، تو خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، بیشک تو بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، بیشک تو عظمت والے عرش کا مالک ہے۔"

"اے اللہ! تو ہی ہے بڑا سخی اور کرم کرنے والا، مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے عافیت دے اور مجھے رزق عطا فرما اور میرے عیب چھپالے اور میری اصلاح فرما اور مجھ کو بلند فرما اور مجھ کو ہدایت نصیب فرمادے اور گمراہ نہ کر اور اے ارحم الراحمین! اپنی رحمت سے مجھ کو جنت میں داخل فرمادے۔"

اس دعا کو خود بھی یاد کریں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔

فوائد و نصائح

❶ بندہ کو چاہئے کہ اس بات پر اپنے یقین کو بڑھائے کہ "اللہ جل جلالہ" ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں۔ باقی جتنی چیزیں ہیں وہ مخلوق ہیں، کوئی چیز اس ذات کے پیدا کئے بغیر دنیا میں آ نہیں سکتی۔

❷ بندہ کو چاہئے کہ خود اپنے آپ میں غور کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾[2]

تَرجَمَۃ: "اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔"

جس کو کیسا زبردست نظام والا بنایا، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں ہر چیز کیسی زبردست پیدا کی، دنیا کی ساری طاقتیں اگر مل جائیں تو کسی کو ایک ہاتھ یا پاؤں یا آنکھ نہیں پیدا کر کے دے سکتیں۔[3]

❸ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ پیدا کرنے والا، اولاد دینے والا اور ہر جان دار میں روح ڈالنے والا وہی "الخالق البارئ جل جلالہ" ہے اس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔ بیٹا، بیٹی سب "اللہ جل جلالہ" ہی دیتے ہیں کوئی پیر، فقیر یا مزار پر جانے سے ہرگز ہرگز اولاد نہیں مل سکتی، لہٰذا صرف اللہ ہی سے اولاد مانگیں، اللہ ہی سے اولاد کے لئے صلاح مانگیں، اللہ ہی سے اولاد کے لئے روزگار مانگیں، ایک مرتبہ نہیں بار بار مانگیں، اس کا نام "الخالق" ہے، وہ دینے والا وہی ہے، پیدا کرنے والا وہی ہے، کوئی کتنے بھی جادو اور بندش کروانے کہ اولاد نہ ہو لیکن اللہ پیدا کرنا چاہیں گے تو کوئی روک نہیں

المصور جل جلالہ

(صورت بنانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

① «المصور» هو الذي أنشأ خلقه على صور مختلفة ليتعارفوا بها فقال: ﴿وصوركم فأحسن صوركم﴾ [۱]

تشریح: علامہ خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "المصور جل جلالہ" وہ ذات ہے جس نے اپنی مخلوق کو مختلف صورتوں پر پیدا کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے سے ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں۔" [۲]

مراد یہ ہے کہ ہر ہر مخلوق کو حق تعالیٰ نے خاص خاص شکل وصورت عطا فرمائی ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز اور پہچانی جاتی ہے۔ دنیا کی عام آسمانی و زمینی مخلوقات خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں، پھر ان میں انواع و اصناف کی تقسیم اور ہر نوع و صنف کی جداگانہ ممتاز شکل وصورت اور ایک ہی نوع انسانی میں مرد و عورت کی شکل و صورت کا فرق، پھر سب مردوں اور سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے اختلاف کہ اربوں، کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ امتیاز نہ ہو سکے۔

یہ کمال قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبریائی صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہے اسی طرح (جان داروں کی) تصویر سازی بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، کیوں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعویٰ ہے۔ [۳]

اسی کو سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هو الذي يصوركم في الأرحام كيف يشاء لا إله إلا هو العزيز الحكيم﴾ [۴]

ترجمہ: "وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔"

---

۱ النهج الأسمى ۱۲۸/۱ ۲ الغافر: ۶۴ ۳ معارف القرآن ۳۴۳/۸ ۴ آل عمران: ۶

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور قادرِ مطلق ہونے کا بیان ہے کہ اس نے انسان کو بطنِ مادر کی تین اندھیریوں میں کس حکمت بالغہ کے ساتھ بنایا اور ان کی صورتوں اور رنگوں میں وہ صنعت کاری فرمائی کہ اربوں انسانوں میں ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی کہ امتیاز مشکل ہو۔ اس علم محیط و قدرت کاملہ کا عقلی تقاضا یہ ہے کہ عبادت صرف اسی ذات کی ہونی چاہئے۔ اور وہ منحرف کہاں سے ہانکے جا رہے ہیں کیونکہ معبودانِ باطلہ کے سب علم و قدرت میں یہ مقام نہیں رکھتے، اس لئے وہ لائقِ عبادت نہیں۔[۱]

اسی "اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت کو سورۂ زمر میں اس طرح فرمایا:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ﴾[۲]

تَرْجَمَۃ: "وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر بناتا ہے تین تین اندھیریوں میں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ان کے پیٹ میں نطفہ، علقہ، مذکر، مؤنث، خوب صورت، بدصورت جیسا چاہا پیدا کر کے تیار کر دیا۔ ایک پانی کے قطرے کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی، جس کی قدرت و صنعت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہو سکتی ہے؟[۳]

اس آیت میں قدرتِ خداوندی کے ان رموز و اسرار کی طرف نشان دہی کی گئی ہے جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکم مادر میں بیک وقت پیدا کر دیتے، مگر بہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں کیا بلکہ ﴿خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ تدریج اختیار کی تاکہ جس عورت کے پیٹ میں عالم انسانیت کی پرورش ہو رہی ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔

دوم: اس بے مثل و حسین ترین مخلوق کو جس میں سیکڑوں نازک مشینیں اور بال کے برابر رگیں، خون اور روح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں، یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنی کی مدد سے نہیں بلکہ تین اندھیریوں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہے جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾[۴]

پھر غور کریں کہ پیدا ہونے والے جاندار کے ماں باپ کے دل میں ایسی محبت ڈال دی کہ ہر ایک کو اپنا کالا بچہ بھی بھلا لگتا ہے اور حبشی جوڑے کو اپنے رنگ کا بچہ اچھا لگتا ہے بجائے سفید رنگ والے بچے کے۔

لطیفہ نمبر ①: کہتے ہیں کہ جرمنی میں ایک مرتبہ حسین بچوں کا مقابلہ ہوا۔ دنیا کے بہت سے ماں باپ اپنے اپنے حسین بچوں کو لانے لگے۔ ان میں ایک سیاہ فام عورت بھی اپنے بچے کو لے کر آئی۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو اس حبشی ماں نے بھی اپنے بچے کو پیش کیا۔

---

[۱] معارف القرآن ۷/۵۵۰ [۲] الزمر: ۶ [۳] تفسیر عثمانی ۳ ملخصاً [۴] معارف القرآن ۶/۳۰۴، المؤمنون: ۱۴

زمین میں تھا اور یہ حاجت تمثالات بھی متعین کر دیتے کہ جنگ و جدل کا باب بند ہو جائے۔

شروع دنیا سے آج تک کتنے بے شمار آدمی پیدا ہوئے، مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے کہ ان کا لب و لہجہ، تلفظ و طرز تکلم مثلاً بصورت و رنگت وغیرہ بالکل یکساں ہو۔ کوئی دو شخص ایسے بھی نہ ملیں گے جن کی آواز، رنگ و روپ میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانے میں کبھی توڑا نہیں آیا۔ (نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی)۔ حقیقت میں یہ بھی بڑی نشانی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی ہے۔[1]

اسی کو حق تعالیٰ شانہ بیان فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ”اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف (بھی) ہے۔ دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔“

یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب و لہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے لوگوں کے رنگوں میں امتیاز ہونا کہ بعض سفید ہیں، بعض سیاہ، بعض سرخ، بعض زرد۔ اس میں آسمان و زمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے۔

زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے۔ عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں، جو مختلف خطوں میں رائج ہیں اور ایک دوسرے سے بعض تو اتنی مختلف ہیں کہ ان کا باہمی کوئی مناسبت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور ان زبانوں کے اختلاف میں لب و لہجہ کا اختلاف بھی شامل ہے کہ قدرتِ حق نے ہر فرد انسان، مرد، عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا امتیاز پیدا فرمایا ہے کہ ایک فرد کی آواز کسی دوسرے فرد سے، ایک صنف کی آواز دوسری صنف سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رہتا ہے، حالانکہ اس آواز کے آلات زبان، ہونٹ، تالو اور حلق سب میں مشترک اور یکساں ہیں۔

اسی طرح رنگوں کا اختلاف ہے کہ ایک ہی ماں باپ سے ایک ہی قسم کے حالات میں دو بچے مختلف رنگ کے پیدا ہوتے ہیں۔[3]

اعتدالِ اعضاء میں اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ کا حسنِ سلیقہ

”اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ نے کس طرح ہر مخلوق کو اعتدال، حکمت اور خوب صورتی سے پیدا کیا ہے چند مثالوں سے

---

[1] تفسیر عثمانی ۱/۵۵۰، حاشیہ: ۲ [2] الروم: ۲۲ [3] معارف القرآن: ۶/۷۳۰

سکھئے:

❶ جانور اپنے کان صاف نہیں کر سکتے، لہٰذا اس نے ان کے کانوں پر بے شمار بال اگا دیئے ہیں جو گرد وغبار کو اندر جانے نہیں دیتے اور کیڑے مکوڑوں کو داخل نہیں ہونے دیتے۔

❷ مرغیوں، بطخوں اور پرندوں کے کانوں کو بالکل ہی بند کر دیا ہے کہ گرد وغبار وغیرہ سے محفوظ رہیں، کانوں کے اندر ایسی رطوبت رکھ دی ہے کہ کیڑے اس کی کڑواہٹ سے اندر گھسنے سے باز رہتے ہیں، اس طرح اس نے سماعت کے عضو کی حفاظت کا پورا پورا سامان پیدا کر دیا ہے ورنہ انسان اور حیوان بڑے جلدی بہرے ہو جایا کرتے۔

❸ اس نے سات پردوں سے آنکھوں کے نور کی حفاظت کی ہے۔ آنکھ جو جسم کا سب سے نازک عضو ہے، اسے ایک گڑھے میں جڑ دیا ہے، اس کے اوپر ایک قوس ہڈی کی بندی قائم کر دی ہے۔ پلکیں اور پپوٹے اتنے حساس بنائے ہیں کہ فوراً غیر چیز سامنے آئی اور وہ بند ہوئے۔ شکار کئے جانے والے جانور کی آنکھیں ذرا زیادہ گڑھے میں رکھی ہیں کہ شکاری انہیں آنکھ سے نہ پہنچا سکے، دماغ میں ایک بجلی گھر بنا دیا ہے جو ہر وقت بجلی پیدا کرتا رہتا ہے۔

❹ ناک کے سوراخ کو کج دار بنایا ہے اور گرد وغبار سے حفاظت کے لئے اس کے اندر بال پیدا کر دیئے ہیں، تاکہ ہوا فلٹر ہو کر اندر جائے اور انسان وحیوان نزلہ وزکام سے محفوظ رہیں۔ پھر ایک ایسی رطوبت پیدا کر دی ہے کہ کیڑے مکوڑے اندر نہ جا سکیں۔

❺ اس طرح اس محسن "الحفیظ جل جلالہ" نے قوتِ شامہ (سونگھنے کی حس) کی پوری پوری حفاظت کی ہے۔

❻ حلق میں کوڑیاں لگا دی ہیں کہ کھانے پینے کی چیز اپنی راہ لے اور سانس اپنی راہ پر چلے۔

❼ حلق کے سوراخ کی طرح اس نے معدے کو بھی ٹیڑھا میڑھا بنایا ہے، تاکہ غذا اس میں محفوظ رہے اور آسانی سے باہر نہ نکل سکے۔[1]

امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: "آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک رب العزت کی پیدا کردہ مخلوق میں ہر ایک کی دو آنکھیں، دو ابرو، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے ساتھ کسی بھی طرح مشابہ نہیں، بلکہ یہ لازمی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے صفات میں یا انداز میں یا بات کرنے میں کچھ مختلف ہو۔ یہ اختلاف یا تو ظاہری ہوگا یا مخفی ہوگا جو غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ ان میں سے ہر چہرے کا اپنا انداز اور ہیئت ہے جو دوسرے سے نہیں ملتا۔ اگر ان میں سے کچھ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ پائے جائیں تو بھی اچھی طرح غور کرنے سے ان میں بھی آپس میں ضرور کوئی نہ کوئی فرق پایا جائے گا۔ کوئی جماعت کسی اچھی یا بری صفت میں آپس میں متفق ہو جائے تو یہ بات لازمی ہے کہ ان میں ایک دوسرے کے درمیان فرق

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ۱۴۹

نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔

انسان کے جو انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں ان کے اوپر جو نقش و نگار و خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ بھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔ صرف آدھا انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم و جدید ہر زمانے میں انگوٹھے کے نشان کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں بلکہ ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔[1]

ہمیں اپنی باطنی صورت کو درست کرنا ہوگا

انسان نے اپنے من کو چھوڑ کر اپنے تن کو محنت کا میدان بنا لیا ہے۔ آج ہمیں جتنی فکر اپنے ظاہر کی ہے اس سے زیادہ اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر ہونی چاہئے۔ ہمارے چہرے پر ذرا سی کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو ہم لوگوں میں جانا پسند نہیں کرتے لیکن دل پر میل چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور ہم اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ وہ "ﷻ" ہمیں کیا کہے گا۔ جس چہرے کو دنیا دیکھتی ہے اس چہرے کو سنوارنے کے لئے ہم دن میں کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے ہیں اور جس چہرے کو اس "ﷻ" نے دیکھنا ہوتا ہے اس کو آئینے میں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھتے ۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں داغ نہ دیکھے سینے میں　　　جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے

ہمیں دل کے آئینے کو چمکانے کی ضرورت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو اور شکل و صورت کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔[2] اس لئے وہ چہرہ جو دنیا دیکھتی ہے اس کو دن میں اگر کئی مرتبہ دیکھتے ہیں تو جس چہرے کو ہمارا پروردگار دیکھتا ہے۔ ہم اس چہرے کو بھی اپنے ضمیر کے آئینے میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر دیکھا کریں کہ یہ نمازوں والا چہرہ ہے یا گناہوں والا۔

اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت

پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائی گئیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لئے رکھا گیا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہو جائے گی مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصویروں کو اپنا معبود بنا لیا اور بت پرستی شروع ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پچھلی امتوں میں جاندار کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعت اسلامیہ کہ جس کو قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام

[1] معارف القرآن: ۸/۱۱۹　[2] مسلم، کتاب البر، تحریم ظلم المسلم و خذلہ واحتقارہ: ۲/۳۱۷

المصوّر

هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر ۲۴)
"وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، بنانے والا، صورت کھینچنے والا"

چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع و اسباب قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔

ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بناء پر حرام کیا گیا، رسول ﷺ کی صحیح احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید و فروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری، اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا، بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ شریعت اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے۔ جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت ہٹ جاتی ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت و طاعات کی توفیق گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ "خانہ خالی را دیو می گیرد" یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں۔ جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی ضرورت سے زائد زینت ہیں۔ اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی ان ہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں، بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔"[1]

یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ۔"[2] "ہر مصور جہنم میں

---

[1] مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان: ۲۰۱/۲

[2] مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان: ۲۰۲/۲

۶ جس بندہ کا تعلق "الْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُهُ" سے ہو جائے تو وہ اس بات کو بھی سوچتا ہے کہ تمام چرند، پرند، حیوانات اور انسانوں کو کیسی خوب صورت صورتیں عطا کیں اور ہر ایک کی شکل دوسرے سے مختلف ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی اس لئے کہ مخلوق نے جب بھی تصویریں بنائیں تو شیطان نے ان کو ان کی پوجا پر لگا دیا اور اس طرح لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے لہٰذا ہمیں جان داروں کی تصویریں بنانے اور گھروں میں رکھنے سے بالکل بچنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور ناراضگی سے بچا جا سکے۔

الغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ الغَفُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

● "فَالْغَفَّارُ اَلسَّتَّارُ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ وَالْمُسْدِلُ عَلَيْهِمْ ثَوْبَ عَطْفِهٖ وَرَأْفَتِهٖ."[1]

ترجمہ: "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپانے والی ہے اور ان پر مہربانی اور شفقت کا پردہ ڈالنے والی ہے۔"[2]

❷ اَلْغَفَّارُ الَّذِيْ يَسْتُرُ الْعُيُوْبَ وَالذُّنُوْبَ فِي الدُّنْيَا بِإِسْبَالِ السِّتْرِ عَلَيْهَا وَفِي الْعُقْبٰى بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ وَالْمُعَاقَبَةِ لَهَا.[3]

ترجمہ: "ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی کمزوریوں اور گناہوں پر دنیا میں تو پردہ ڈالے رکھتی ہے اور آخرت میں ان کو سزا دینے سے بھی درگزر فرماتی ہے۔

❸ اَلْغَفُوْرُ: "هُوَ الَّذِيْ يُكْثِرُ مِنْهُ السِّتْرُ عَلَى الْمُذْنِبِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ، وَيَزِيْدُ عَفْوُهٗ عَلٰى مُؤَاخَذَتِهٖ."[4]

ترجمہ: "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الغَفُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے گناہگار بندوں کی بہت زیادہ پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کی معافی اس کی پکڑ سے بھی زیادہ ہے۔"

❹ "اَلْغَفُوْرُ أَيْ كَثِيْرُ الْمَغْفِرَةِ وَهِيَ صِيَانَةُ الْعَبْدِ عَمَّا يَسْتَحِقُّهٗ مِنَ الْعِقَابِ بِالتَّجَاوُزِ عَنْ ذُنُوْبِهٖ"[5]

ترجمہ: "الغَفُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو بہت زیادہ بخشنے والی ہے اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں سے درگزر فرما کر اس کو اس عذاب سے بچائیں جس کا وہ مستحق ہو چکا تھا۔"

"حضرت شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "العَفُوُّ، الغَفُورُ اور الغَفَّارُ" وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے معاف کرنے والی صفت سے جانی جاتی ہے اور وہ بخشنے اور اپنے بندوں سے درگزر کرنے کی صفت سے متصف ہے۔ ہر

---

[1] شان الدعاء: ۵۲

[2] "الغَفَّارُ" کے معنی "اَلتَّغْطِيَةُ وَالسِّتْرُ" ڈھانپنے اور پردہ ڈالنے کے ہیں۔ (النہج الاسمٰی ۱/۲۵۸)

[3] مرقاۃ باب شرح اسماء اللہ الحسنیٰ ۵/۷۹

[4] المنہاج ۱/۲۰۶

[5] مرقاۃ کتاب اسماء اللہ الحسنیٰ ۵/۸۰

مرتبہ۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں: اوّاب وہ ہے کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کر لے، پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کرے۔[1]

توحید کی وجہ سے سارے گناہوں کی معافی

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”اے آدم کے بیٹے! اگر تو مجھ سے زمین بھر کے گناہ ساتھ لے کر ملے، مگر تو نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں زمین بھر کی بخشش لے کر تجھ سے ملوں گا۔“[2]

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یعنی دنیا میں بڑے بڑے گناہ گار گزرے ہیں، جن میں فرعون، ہامان وغیرہ تھے اور شیطان بھی اسی دنیا میں ہے۔ ان تمام گناہ گاروں سے دنیا میں جس قدر گناہ ہوئے اور قیامت تک ہوں گے ..... اگر بالفرض یہ حال ایک شخص کا ہو جائے، لیکن شرک سے پاک ہو..... تو جس قدر اس کے گناہ ہیں اسی قدر اللہ جل شانہ وتعالیٰ کی رحمت ومغفرت اس پر نازل ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ توحید کی برکت سے (توبہ کے بعد یا گناہوں کی سزا پانے کے بعد) سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، جس طرح شرک کی نحوست سے سارے نیک عمل غارت کر دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے۔ جب انسان شرک سے ہر طرح پاک وصاف ہوگا اور اس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں ..... اس کی حکومت سے بھاگ کر جانے کی جگہ کہیں نہیں..... اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو کوئی پناہ دینے والا نہیں..... اس کے سامنے سب بے بس وبے اختیار ہیں..... اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا..... اس کے سامنے کسی کی حمایت نہیں چلتی اور کسی کی سفارش اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

ان عقائد کے بعد اس سے جس قدر گناہ سرزد ہوں گے، تقاضائے بشریت ہوں گے یا بھول چوک کر ..... پھر ان گناہوں کے بوجھ میں وہ دبا جا رہا ہوگا اور سخت بے زار ہوگا۔ ندامت کے مارے سر نہ اٹھا سکے گا..... بلاشبہ ایسے شخص پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جیسے جیسے یہ گناہ بڑھتے جائیں گے ویسے ویسے اس کی ندامت کی کیفیت بڑھتی جائے گی اور جوں جوں یہ کیفیت بڑھے گی اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا جائے گا۔“[3]

آگے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] الفوائد لابن القیم: ۸

[2] عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: قال اللہ: یا ابن آدم! انک لو اتیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابها مغفرۃ. (جامع الترمذی، باب فضل التوبۃ: ۲/۱۹۴)

[3] تقویۃ الایمان: ۵۵

اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ

(سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

لفظ "اَلْقَهَّارُ" کے معنی

باری تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں جو لفظ "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے، اردو زبان کا نہیں ہے۔[1] عربی زبان میں "قہار" کے معنی ہیں "غلبہ پانے والا" جو ہر چیز پر غالب ہو اس کو "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" کہتے ہیں، یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے اور وہ سب پر غالب ہے۔

❶ "هُوَ الَّذِيْ لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا وَهُوَ مُسَخَّرٌ تَحْتَ قَهْرِهٖ وَقُدْرَتِهٖ، عَاجِزٌ فِيْ قَبْضَتِهٖ."[2]

تَرْجَمَۃ: "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس کے غلبہ اور قدرت کے تحت مسخر ہے، یعنی ہر موجود اس کے زیر تصرف اور زیر قدرت ہے اور اس کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے بے بس اور بے اختیار ہے، جو "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" اس سے چاہے کروا دے۔

❷ امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی آیت "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ رب العزت اپنے بندوں پر غالب ہیں، یعنی اللہ رب العزت وہ ذات ہے جس کے سامنے تمام گردنیں جھک جاتی ہیں اور بڑے بڑے جابر لوگ تاج دار اور سکڑ ہو جاتے ہیں اور اس کے سامنے چہرے نیچے ہو جاتے ہیں، ہر چیز پر وہ غالب ہے اور تمام مخلوقات اس کی تابع فرمان ہیں اور اس کی عظمت، جلال، بڑائی، بلندی کی وجہ سے تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے بس ہے۔[3]

---

[1] القهار کے لغوی معنی "الرياضة والتذليل" "القهر الغلبة والأخذ من فوق" [2] سلاح المؤمن ۸۹

[3] وقال ابن كثير: "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" أَيْ: هُوَ الَّذِيْ خَضَعَتْ لَهُ الرِّقَابُ، وَذَلَّتْ لَهُ الْجَبَابِرَةُ، وَعَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَقَهَرَ كُلَّ شَيْءٍ وَدَانَتْ لَهُ الْخَلَائِقُ ...... وَتَوَاضَعَتْ لِعَظَمَةِ جَلَالِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ ...... وَعَظَمَتِهٖ وَعُلُوِّهٖ ...... وَقُدْرَتِهٖ عَلَى الْأَشْيَاءِ، وَاسْتَكَانَتْ وَتَضَاءَلَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَحْتَ قَهْرِهٖ وَحُكْمِهٖ. (تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۸، الانعام: ۱۸)

❹ وَمَا أَحْسَنَ قَوْلَ مَنْ قَالَ: اَلْقَهَّارُ الَّذِي طَاحَتْ عِنْدَ صَوْلَتِهِ صَوْلَةُ الْمَخْلُوقِينَ، وَبَادَتْ عِنْدَ سَطْوَتِهِ قُوَى الْخَلَائِقِ أَجْمَعِينَ.[1]

ترجمہ: کیا ہی پیاری تعریف کسی نے کی ہے کہ ”اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ وہ ذات ہے جس کے دبدبہ اور غلبے کے سامنے ساری مخلوق کے دبدبے ختم ہو جاتے ہیں، جس کے جاہ اور عظمت وقوت کے سامنے ساری مخلوق کی قوتیں نیست ونابود ہو جاتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے جو غضب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسماء یا تو رحمت پر دلالت کرتے ہیں یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں، لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے، وہ کریم ہے۔

ہاں! جب بندے حد سے گزر جاتے ہیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے، اس کا عذاب بھی برحق ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے، لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جو اسماء حسنیٰ سے موسوم ہیں، ان میں غضب کا ذکر صراحتاً موجود نہیں ہے۔[2]

”اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ (بہت غلبہ والا) یہ نام مبارک قرآن کریم میں چھ مقامات پر آیا ہے اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ سب جگہ "واحد" (ایک اللہ) کی صفت کے ساتھ آیا ہے۔

پہلا مقام: حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے جب قید خانے میں اپنے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی تو اس طرح سوال کیا:

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[3]

ترجمہ: ”کیا متفرق کئی پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقت والا۔“

ان قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ انسان بہت سے پروردگاروں کا پرستار ہو، یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف خدا کا بندہ بنے، جس کا قہر وقوت سب پر غالب ہے، یعنی مختلف انواع واشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خیالی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف وقبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے کسی کا زور چل سکتا ہے نہ تدبیر، نہ اس سے کوئی بھاگ کر جا سکتا ہے، نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے، خود سوچو کہ سر بندگی ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔[4]

حقیقی طور پر انہیں فکر سے بلا دیا تاکہ وہ غور کریں کہ تم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے، آپ

---

[1] النہج الاسمیٰ ۱۵۳/۱　[2] اصلاحی خطبات ۲۹/۷　[3] یوسف ۳۹　[4] تفسیر عثمانی ۳۱۸

نے ان سے فرمایا اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو!...... تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبودِ حقیقی وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے۔ ۔ ۔ ؟

ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکتے پھرو سونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی نذرانہ پیش کرو یہ کیا سمجھداری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، پھر ان کی عبادت سراسر بے وقوفی نہیں تو کیا ہے؟ صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے، میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔[1]

دوسرا مقام اسی طرح "سورۂ رعد" کی آیت نمبر ۱۶ میں بھی "القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے ساتھ واحد کی صفت مذکور ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی (اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے) اکیلا ہے (اور سب مخلوقات پر) غالب ہے۔"

وہ سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا وہی سب کا معبود ہے اور وہی واحد حقیقی ہے اور وہ الوہیت میں اور ربوبیت میں منفرد اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے، ساری مخلوق مقہور و مغلوب ہے اور جو مخلوق مقہور ہو وہ خالق و قہار جَلَّ جَلَالُهُ کا شریک کیسے ہو سکتی ہے؟[3]

اس آیت مبارکہ سے پہلے "اللّٰہ جَلَّ جَلَالُهُ" نے تین مثالوں کے ذریعہ شرک و توحید کا فرق سمجھایا ہے۔

پہلی مثال ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾[4]

تَرْجَمَہ: اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ (اپنے حوائج و مصائب میں) پکارتے ہیں وہ (بوجہ عدم قدرت کے) ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو (اور اس کو اشارے سے اپنی طرف بلا رہا ہو) تاکہ وہ (پانی) اس کے منہ تک (اڑ کر) آجائے اور وہ از خود اس کے منہ تک کسی طرح آنے والا نہیں (جس طرح پانی ان کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ان کے معبود عاجز ہیں)۔"[5]

یعنی پکارنا اسی کو چاہئے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے، عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟

---

[1] سورۃ یوسف: ۳۹، ۴۰　[2] سورۃ یوسف: ۱۰۲/۲　[3] الرعد: ۱۶　[4] معارف القرآن ۲۶۸/۵　[5] الرعد: ۱۴

تیسرا مقام، فرمایا: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾[1]

ترجمہ: "قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس میں موجودہ زمین بھی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد و قہار کے سامنے حاضر ہوں گے۔"

زمین و آسمان کے بدل دینے کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی صفات اور شکل و صورت بدل دی جائے، جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث میں ہے کہ پوری زمین ایک جیسی سطح ہموار بنادی جائے گی، جس میں نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی، نہ درخت وغیرہ کی، نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا، نہ غار اور گہرائی۔[2]

چوتھا مقام: ﴿لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحٰنَهٗ ۖ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[3]

ترجمہ: "اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا (لیکن) وہ پاک ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے یکتا زبردست قوت والا۔"

یہاں سے ان لوگوں پر رد ہے جو "اللہ جل جلالہ" کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں سے ایک خدا مانتے ہیں یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چھانٹ لیتا کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی اشتراک نہیں، پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے؟

جب مخلوق و خالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ ازیں فرض کیجئے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ جب مخلوق میں سے انتخاب کی نظر ٹھہری تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے تو گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن کر تمہیں دے دیتا، یعنی ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے، اس پر کسی کا دباؤ نہیں، نہ کسی چیز کی اس کو حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہوگا۔[4]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ "القہار" اکیلا، یکتا و بے نیاز ہے، سب کے سب اس کے بندے اور غلام ہیں، اس کے سامنے سب کے سب فقیر و محتاج ہیں، وہ اکیلا ایسا غنی ہے کہ اپنی قدرت کے اعتبار سے سب پر غالب بھی ہے، سب اس کے سامنے حقیر اور جھکے ہوئے ہیں۔ یہ ظالم، ضدی اور انکار کرنے والے جو اللہ پر جھوٹ

۱؎ ابراہیم ۴۸ ۲؎ معارف القرآن ۵/۲۶۷ ۳؎ الزمر ۴ ۴؎ تفسیر عثمانی ۶۲۰

القهار

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

(انعام ۱۱)

آپ فرما دیجیے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

ترجمہ: "آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ واحد وقہار کی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کئے جائیں گے، جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا۔ "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" یعنی آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟[1]

اس پر تمام مخلوقات مؤمنین وکافرین یہ جواب دیں گے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" مومن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی وحلاوت کی صورت میں کہیں گے، اور کافر مجبور وعاجز ہونے کی بنا پر رنج وغم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے اور حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ یہ جواب بھی (کہ جب جواب دینے والا پہلی بار صور پھونکے جانے کے بعد کوئی نہ ہوگا) خود حق تعالیٰ شانہ ہی دیں گے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ظاہر کے خلاف اللہ کے حکم کو پورا کیا، ہر قسم کے گناہوں سے بچے، شرک سے بچے اور ناگواریاں اور تختیاں برداشت کیں، مادی اسباب کو چھوڑ کر روحانی اسباب کو عملی طور سے تھامے رکھا اور حضور ﷺ کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اقوام عالم کی ہدایت کا اور انہیں دعوت دینے کا فریضہ اپنایا تو کس طرح اللہ القہار جل جلالہ نے ان کی غیبی مدد فرمائی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان ہی دو مبارک ناموں "الجبار و القہار جل جلالہ" کی صفت کے ساتھ دریائے نیل کو خط لکھ کر بھیجا تھا۔

اسم مبارک اَلْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی برکت

واقعہ نمبر ⑳: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مصر فتح کر لیا تو عجمی مہینوں میں سے "بؤنہ" مہینے کے شروع ہونے پر مصر والے ان کے پاس آئے اور کہا: امیر صاحب! ہمارے اس دریائے نیل کی ایک عادت ہے جس کے بغیر یہ چلتا نہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا وہ عادت کیا ہے؟

انہوں نے کہا: جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایک کنواری لڑکی تلاش کرتے ہیں جو اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہوتی ہے، اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں اور اسے سب سے اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر اس دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کام اسلام میں تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام (غلط) طریقے ختم کر دیتا ہے، چنانچہ مصر والے "بؤنہ، ابیب اور مسری" تینوں مہینے ٹھہرے رہے اور آہستہ آہستہ دریائے نیل کا پانی بالکل ختم ہو گیا، یہ دیکھ کر مصر والوں نے مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔

[1] القرطبی: ۱۵/۲۹۸، المؤمن: ۱۶ [2] معارف القرآن: ۷/۵۹۴

تَرجَمَہ: "اے وہ ذات جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں اور فرعونوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں، مجھے اپنی رسوائی و سزا سے حفاظت عطا فرما۔"[1]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ سرکش دشمن "نفس" کو قابو میں کرے۔ جب نفس پر قابو پا لیا تو تمام چیزیں اس کے قابو میں آ جائیں گی اور کسی کا داؤ اس پر نہ چلے گا۔

❷ یہ یقین رکھے کہ جب "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" ہے کسی بندے کو موت دینا چاہتا ہے تو وہ ٹال نہیں سکتا کسی سے مہلت نہیں لے سکتا، کوئی بادشاہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی کام میں بھی اس ذات پر غالب نہیں آ سکتا، نہ ہی کوئی "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے غلبے کو ختم کر سکتا ہے، لہٰذا کسی کو بھی دنیا میں رہتے ہوئے دوسری مخلوق پر غلبہ، ظلم و زیادتی نہیں کرنی چاہیے، ورنہ روزِ آخرت بدلہ دینا ہوگا۔[2]

❸ ہر مسلمان اپنے دل میں صرف اور صرف "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ" کا خوف رکھے، اس ذات کے علاوہ کسی کا خوف دل میں نہ رکھے اور یہ دعا کثرت سے پڑھتا رہے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ أَخْوَفَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي وَاقْطَعْ عَنِّي حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ إِلَى لِقَائِكَ وَإِذَا أَقْرَرْتَ أَعْيُنَ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِي مِنْ عِبَادَتِكَ"[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! مجھے اپنی محبت سب سے پیاری کر دے اور اپنا خوف ہر چیز کے خوف سے زیادہ بڑھا دے اور اپنی ملاقات کی تڑپ عطا فرما کر دنیا کی سب حاجتیں میرے دل سے نکال دے اور جب دنیا والوں کو دنیا سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی فرما۔"

---

[1] الغنية لطالبي طريق الحق، قسم رابع، فصل في [illegible] الظلم ٢/٢٥٦

[2] التصحيح للإمام الجزري ٢١٤

[3] حلية الأولياء [illegible]

الوہاب جل جلالہ

(سب کچھ عطا کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین توضیحات ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ اَلْوَهَّابُ: هُوَ الَّذِيْ يَجُوْدُ بِالْعَطَاءِ عَنْ ظَهْرِ يَدٍ مِنْ غَيْرِ اسْتِثَابَةٍ.[1]

علامہ خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الوہاب جل جلالہ" وہ ذات گرامی ہے جس کے عطایا تمام کے تمام بغیر کسی غرض و بدلہ کے ہوتے ہیں۔

❷ "الوہاب" کے لغوی معنی ہیں: "كَثِيْرُ النِّعْمَةِ دَائِمُ الْمَوَاهِبِ" یعنی بہت زیادہ عطا کرنے والا۔[2]

"وہاب" سب کچھ عطا کرنے والے کو کہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا مفہوم اس آیت قرآنی سے واضح ہوتا ہے۔

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾[3]

ترجمہ: "تم پر جو بھی نعمت ہوتی ہے، وہ اللہ رب العزت کی جانب سے ہوتی ہے۔"

ہر چیز کے عطا کرنے والے ایک "الوہاب جل جلالہ" ہیں، جو بھی نعمت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ حقیقت میں اسی ذات کی طرف سے ہوتی ہے بظاہر اگرچہ اسباب نعمت عطا کرتے ہیں، لیکن در اصل حقیقی منعم (نعمت دینے والی) "الوہاب جل جلالہ" کی ذات ہے جو بہت سارے بہانے سے اپنے بندوں پر عطاؤں کی بارش برساتی ہے۔

ع رحمت حق بہانہ می جوید

خالق اور مخلوق کی صفات کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے علامہ غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہر ایسا شخص جو اپنے کسی محتاج دوست کو اپنی کوئی چیز دل سے دے دیتا ہے تو اسے "واہب" تو کہا جا سکتا ہے لیکن اسے "وہاب" نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ "وہاب" وہ ذات گرامی ہے جس کے انعامات اور عطایا تمام کے تمام ہوں اور اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا سلسلہ چلتا رہے، کبھی بھی ختم نہ ہو۔

مخلوقات کی تو صرف اتنی ہی طاقت ہے کہ وہ کبھی کبھار کسی پر احسان کر دیں۔ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق کسی پر ہر

---

۱ شأن الدعاء ۵۰ ۲ النہایۃ [illegible] ۳ النحل: ۵۳

واقعہ نمبر (۱۴): ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ایک مریض صاحب حضرت کے پاس لائے گئے جن کا دماغ درست نہیں تھا۔ انہوں نے بکواس کی باتیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے حضرت کی طبیعت پر گرانی ہوئی اس سے متعلقین اس کو واپس لے گئے، پھر حضرت نہایت موثر انداز سے بار بار یہ فرما رہے تھے "دیکھو دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ آدمی جتنا بھی معزز ہو اگر دماغ کا معمولی پیچ بھی ڈھیلا ہو جائے تو ساری عزت جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پاگل خانہ بھجوا دیا جاتا ہے۔" واقعی دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔

واقعہ نمبر (۱۵): ناچیز نے ہسپتال میں ایک مریض کو دیکھا اس کے دونوں پاؤں کے ساتھ وزن بندھا ہوا تھا جس سے وہ بالکل حرکت نہیں کر سکتا تھا جب ایک پاؤں کو کھولا گیا تو بہت خوش ہوا جیسے عید کا دن ہو، حالانکہ اس سے اب وہ صرف معمولی حرکت کر سکتا تھا، لیکن اس پر بھی اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

واقعہ نمبر (۱۶): ہمارے ایک بزرگ تھے ایک مرتبہ ان کا بچہ گم ہو گیا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ جناب بچہ مل گیا ہے؟

فرمایا جی ہاں مل گیا ہے، وہ پھر فرمایا: بھئی! اب معلوم ہوا کہ بچوں کا گم نہ ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔

واقعہ نمبر (۱۷): ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے پوچھا اگر تمہیں بیابان میں پیاس لگی ہوئی ہو اور پانی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ بادشاہ نے کہا آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ بزرگ نے پھر پوچھا کہ پیشاب بند ہو جائے تو پھر کیا کرو گے؟ اس نے کہا آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ تو بزرگ نے فرمایا تمہاری بادشاہی کی صرف یہی قیمت ہے۔[1]

"ہاتھ" اللہ جل جلالہٗ کی نعمت

ہمارے ہاتھ، جو ہمیں بہت چھوٹے چھوٹے اور اہم سے اہم کام کرنے کے قابل بناتے ہیں، مثلاً چائے کی پیالی کو اٹھانا اخبار کے صفحات پلٹنا لکھنا وغیرہ، صناعی کا نمونہ ہیں۔

ہاتھوں کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ یہ مختلف قسم کی سرگرمیوں میں بڑی عمدگی سے کام کرتے ہیں، حالانکہ ساخت میں یہ کوئی زیادہ بڑا بھی نہیں ہوتا۔ اسے بہت سے پٹھے اور رگیں عطا کی گئی ہیں۔ مختلف حالات میں مختلف چیزوں کو مضبوطی یا نرمی سے تھامنے کے لئے ہمارے بازو ہمارے ہاتھوں کی مدد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انسانی ہاتھ جب مٹھی کی شکل میں بند ہو تو تھپڑ مار سکتا ہے اور کسی شے پر اس کی ضرب دس کلو گرام وزنی ہوتی ہے۔ تاہم ہمارا ہاتھ انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان کاغذ کی شیٹ پکڑ سکتا ہے جو ایک ملی میٹر کا دسواں حصہ موٹی ہوتی ہے۔ ظاہرا تو یہ دونوں کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ایک میں حساسیت درکار ہے تو دوسرے میں کافی طاقت۔

[1] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کیجئے ص ۲۰۸

نہیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ انہیں کیا کرنا ہے!

جب ہم تھوڑی سی چیز کو ہم انگلیوں کے درمیان پکڑتے ہیں یا دبا کر مارتے ہیں، تو کبھی ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ان دونوں کاموں کے لئے کیا تیاری کرنی ہے؟ ہم یہ کبھی نہیں کہتے "اب میں دو کلو وزن اٹھانے کے لئے مجھے ۵۰۰ گرام قوت استعمال کرنی ہوگی۔ اب مجھے پانی کی بھری ہوئی اس بالٹی کو اٹھانا ہے۔ اس کے لئے مجھے ۱۰ کلوگرام طاقت استعمال کرنی ہوگی۔" ہمیں ان باتوں کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسانی ہاتھ تو ایسے کام بیک وقت کرنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ ہاتھ کو اس کے تمام کاموں سمیت بنایا گیا ہے اور بیک وقت اس کی حفاظتی ترکیبیں بھی اسے دے دی گئی ہیں۔ ہاتھ کی تمام انگلیوں کی مناسب لمبائی اور جگہ ہے اور ان میں ایک تناسب رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شے کی قوت زیادہ ہوگی جس میں عام انگوٹھا شامل ہوگا اور جس میں انگوٹھا نہیں ہوگا اس کی قوت نسبتاً کم ہوگی۔ کیونکہ انگوٹھا دوسری انگلیوں کے مقابل ہے اور ان کی مدد کرتے ہوئے ان کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔

ہاتھ کی ساخت میں بہت سی چھوٹی چھوٹی جزئیات پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس میں پٹھوں اور ہڈیوں کے علاوہ چھوٹے ضمنی حصے ہوتے ہیں۔ انگلیوں کے سروں پر موجود ناخن کی طرح بھی ہاتھ کے غیر اہم معاون حصے نہیں ہوتے۔ جب ہم فرش پر سے ایک سوئی اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اپنی انگلیاں اور ناخن دونوں استعمال کرتے ہیں۔ ہماری انگلیوں کے سروں پر موجود گوشت کی گدی (ناخنوں سمیت) چھوٹی چھوٹی سی چیزوں کو اٹھانے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ انگلیاں جن چیزوں کو اٹھاتی ہیں اس کے لئے تو دباؤ درکار ہوتا ہے۔ اس میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ناخن ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ہاتھ کی ایک اور صفت یہ ہے کہ یہ تھکتا نہیں ہے۔ یہ تمام آلہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کام کرتا ہے۔ وہ اشارات جو آنکھ تک پہنچ رہے ہوتے ہیں، آنکھیں دماغ کو منتقل کر دیتی ہیں اور پھر جو حکم دماغ دیتا ہے، ہاتھ اس پر عمل کرتے ہوئے حرکت کرتا ہے۔ یہ بہت مختصر وقت میں عمل کر لئے جاتے ہیں اور انہیں کرنے کے لئے ہمیں خاص کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ مزید یہ کہ جب آپ یہ سوچتے ہیں کہ دو ہاتھ ایک دوسرے کی مکمل ہم آہنگی سے مدد کرتے ہیں تو ہاتھ کی بناوٹ کا بے نقص ہونا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کو انسانوں کے لئے بطور خاص ایجاد کیا تھا۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور صناعی بے نقص و بے مثل نظر آتی ہے۔

نتیجہ: یہ بہترین میکانکی عمل جو ہمارے جسم میں کام کر رہے ہیں، ان کا ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہماری بے خبری میں کیا کیا کام سر انجام دے رہے ہیں۔ دل کی دھڑکن، جگر کا کام اور جسم کی تروتازگی یہ سب باتیں براہ راست ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ یہی بات ان سینکڑوں اعضاء کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ ہم تو اس حقیقت سے بھی آگاہ نہیں ہیں کہ ہمارے گردے خون کو چھانتے ہیں۔ ہمارا معدہ اس خوراک کو ہضم کرتا ہے جو ہم کھاتے ہیں، ہماری

انتڑیوں کی حرکت یا ہمارے پھیپھڑوں کی دھڑکن ہے جس کا رُک جانا موت ہے، یہ سب انسان کے علم و آگہی سے دور ہے۔

وقت ہماری اپنی جسمانی صحت کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کے اعضاء اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، تو پھر یہ اس قدر عجیب اور بے مثال میکانکی عمل دکھائی دیتا ہے اور ایک عقل و دانش رکھنے والے انسان کے لئے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے، وہ یہ محسوس کر سکتا ہے کہ انسانی جسم "تخلیق" کیا گیا ہے۔

ہر چھوٹی بڑی ضرورت اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی سے مانگئے

انبیاء علیہم السلام نے ہمیں ہر حاجت اسی "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگنا سکھائی ہے۔

حاجت چھوٹی ہو یا بڑی، دنیوی ہو یا دینی، ہر حاجت خود بھی اللہ تعالیٰ سے مانگی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بھی یہی سکھایا کہ اسی "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" (جو سب کچھ عطا کرنے والا ہے) سے مانگیں۔

ہم پڑھنے والے سے گزارش کرتے ہیں کہ ان آیات قرآنیہ پر خوب غور کریں کہ ان مقدس ہستیوں نے کس طرح گڑگڑا کر الحاح و زاری کے ساتھ اپنی جملہ ضروریات اسی "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنی ہر حاجت اسی "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگیں۔ ہرگز ہرگز کسی حاجت و ضرورت میں اس کے غیر کا خیال تک بھی نہ لائیں۔ کوئی کتنا ہی دینی و دنیاوی اعتبار سے بڑا ہو ہرگز ہرگز اس کے پاس اپنی حاجت لے کر نہ جائیں۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے تو فرمایا "اَنّٰى لَكِ هٰذَا"[1] یہ (پھل) کہاں سے تمہارے پاس آئے ہیں؟

(سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں) تو مریم علیہا السلام نے کہا:

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2]

ترجمہ: "(مریم) کہنے لگیں یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دھیان عجیب طریقے سے پیدا ہوا اور دل میں اولاد کی طلب کا خیال آیا کہ جو اللہ مریم (علیہا السلام) کو بے موسم پھل پہنچا سکتا ہے، وہ میری بیوی کے بانجھ پن کو دور کر کے اس سے مجھے اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اولاد حاصل کرنے کے لئے زکریا علیہ السلام کی دعا

اس وقت زکریا علیہ السلام نے غسل کر کے خوب گڑگڑا کر دعا مانگی اور کہا۔

---

[1] الفتح الربانی ... ۱۴/۱۴۰ [2] آل عمران ۳۷ [3] معارف القرآن ۲/۴۰، آل عمران ۳۷

بھی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ ان کے علم وحکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالاتِ نبوت کا وارث بنے۔

دُعا کے آخری جملے میں فرمایا: یعنی آپ نے اپنے فضل ورحمت سے میری ہمیشہ دُعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا۔ اب اس آخری وقت اور ضعف وپیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دُعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔[1]

پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے جو اولاد کی دُعا مانگی وہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۳۸ میں ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ مذکور ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾

تَرجَمَہ: "اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔"

"مِنْ لَّدُنْكَ" یہ خبر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالمِ اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب (اسباب پیدا کرنے والا) پر ہے۔[2]

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اپنی قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام کا راستہ دکھلایا تو کنبہ اور وطن بھی چھوٹ گیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی: ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾[3]

تَرجَمَہ: "اے میرے رب! مجھ کو کوئی نیک بیٹا بخش دیجئے۔"

یعنی اے اللہ! نیک اولاد عطا فرما جو دین کے کاموں میں میری مدد کرے اور اس سلسلے کو باقی رکھے۔"[4]

چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سنائی: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ﴾[5]

تَرجَمَہ: "پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔"

"حَلِیْمٍ" فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہو چکی ہوں۔ اُدھر فرعونِ مصر نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی بیٹی جس کا نام ہاجرہ تھا، خدمت گزاری کے لئے دے دی تھی۔ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بی بی ہاجرہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کر

[1] تفسیر عثمانی ۴۰۷، مریم ۴ تا ۶
[2] تفسیر ماجدی ۱/۳۷۶، آل عمران ۳۸
[3] الصّٰفّٰت ۱۰۰
[4] تفسیر عثمانی ۵۹۹، الصّٰفّٰت ۱۰۰
[5] الصّٰفّٰت ۱۰۱

دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان ہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام (حضرت) ''اسماعیل'' (علیہ السلام) رکھا گیا۔[1]

اولاد کی اصلاح کے لئے الْمُجِیبُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے دعا

اولاد کی تربیت و اصلاح کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے مختصر اور جامع دعا ان الفاظ سے فرمائی:

﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

ترجمہ: ''اور میرے رب! آپ اسے مقبول بنا دیجئے۔''

یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔[2]

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا ایسی قبول فرمائی کہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ نے ذوق و شوق، رحمت و شفقت، رقت و نرم دلی اور محبت و محبوبیت عنایت فرمائی تھی اور صاف ستھرا، پاکیزہ خو، مبارک، سعید اور متقی و پرہیزگار بنایا تھا۔ حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی پتہ چلی کہ والدین کو اولاد کی اصلاح کے لئے دعا مانگنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

اسی طرح مریم علیہا السلام کی والدہ نے شیطان سے اولاد کی حفاظت کے لئے اس طرح دعا مانگی تھی:

﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾[3]

ترجمہ: ''میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ بچہ ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آتا ہے، تو شیطان اسے مس کرتا ہے، مگر عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام مستثنیٰ ہیں۔[4]

دعا تو ہر انسان مانگتا ہے، مگر مانگنے کا سلیقہ ہر ایک کو نہیں آتا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز مانگنے کی ہے۔ یہاں پر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مانگی ہوئی دعائیں یا قرآن کریم میں موجود دعائیں جو اولاد کی تربیت کے لئے مانگی گئی ہیں اور اللہ جل جلالہ نے حکایۃً ذکر فرمائی ہیں، وہ ذکر کرتے ہیں تاکہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اولاد کے لئے وہی دعائیں مانگے۔

اس لئے کہ یہ دعائیں جو حکیم خدا نے خود بتا دیں کہ میرے دربار میں اس طرح ان الفاظ سے مانگو، وہ دعائیں قبولیت کے زیادہ قریب ہیں۔ بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''مستند مجموعہ وظائف''[5] میں بھی ان دعاؤں کو درج کر دیا

---

[1] معارف القرآن ۷/۴۵۷ الصّٰفّٰت ۱۰۱ [2] تفسیر عثمانی ۴۰۳ مریم ۶ [3] آل عمران ۳۶

[4] تفسیر عثمانی: ۷۱ [5] یہ کتاب کراچی میں دارالکتب وغیرہ سے یا براہ راست بیت العلم ٹرسٹ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

گیا ہے جو قرآن و حدیث میں ہے۔ اہل گھر والوں اپنی اور ان سب کی سعادت مندی کے لئے مانگی گئی ہیں لہٰذا والدین کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے بچوں کی شیطان مردود سے حفاظت کے لئے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا مانگا کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو شرک و بت پرستی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ خاص دعا کی ہے:

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾

ترجمہ: "اور مجھ کو اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔"

اس دعا میں بڑی جامعیت ہے کیونکہ وہ گناہ جس کی معافی کا امکان نہیں، وہ شرک و بت پرستی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی دعا فرمادی۔

اس کے بعد اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اس کا کفارہ دوسرے اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور کسی کی شفاعت سے بھی معاف کئے جا سکتے ہیں۔ اگر عبادت اصنام کا لفظ صوفیائے کرام کے قول کے مطابق اپنے وسیع مفہوم میں لیا جائے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے، وہ اس کا بت ہے اور اس کی محبت سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اقدام کر لینا ایک طرح سے اس کی عبادت ہے، تو اس دعا میں عبادت اصنام سے محفوظ رہنے میں تمام گناہوں سے حفاظت کا مضمون آ جاتا ہے۔

کسی اللہ والے کی مجلس میں حاضرین سے پوچھا گیا کہ اس دور میں سب سے زیادہ مشکل کام کیا ہے؟

مختلف لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور سمجھ کے مطابق جواب دیئے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ "حلال کمانا" یا "سچ بولنا" اس دور کا مشکل ترین کام ہے۔

مگر سوال کرنے والے نے خود اس سوال کا جواب دیا کہ اس دور کا مشکل ترین کام:

"اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا ہے۔"

ظاہر ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو انہیں خراب ہونے سے بچانے کے لئے فریج یا دیگر انتظامات کیے جائیں۔ جیسے سونے چاندی کی طرح کی قیمتی چیزوں کو تجوریوں میں بند کر کے خطرات سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

یہ تو حقیقت ہے کہ بچوں کو تحصیل علم اور تجربے کی خاطر گھروں سے باہر کالج، یونیورسٹی کا اس بھی بھیجنا پڑتا ہے۔ ان کی جسمانی نشو و نما کے لئے کھیل، ملاقات اور سیر و تفریح میں بھیجا جاتا ہے۔ معاشی ضرورت کی خاطر ان کا دفتر و ادارہ اور احباب سے میل جول اختلاط بھی ضروری ہے۔ ان کی ذاتی ترقی کے لئے ان کے ذاتی دوستوں کا وجود ضروری ہے مگر یہ ضروریات ایسی ہیں جن کو پورا کرنے کے دوران بچوں کے بگڑ جانے کا ہر وقت اندیشہ باقی رہتا ہے۔

کیونکہ کالج، دفتر کا ماحول، ملاقات اور دوسری تقریبات میں بے شمار ایسے عوامل ہیں جو بچوں کے ساتھ لگے رہتے ہیں

ـــہ معارف القرآن ج ۵، سورۃ ابراہیم: ۳۵

میں رضاءِ الٰہی اور مخلوقِ خدا تک دین پہنچانا ہو جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ اللہ جل جلالہ کو پہچان لے، اس کی ماننے والا بن جائے اور جہنم کے راستے سے ہٹ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

انبیاء علیہم السلام اولاد کی پیدائش سے پہلے بھی دعا کیا کرتے تھے اور پیدا ہونے کے بعد بھی مانگتے رہتے تھے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ان دعاؤں کو یاد کر لے اور اپنی اولاد، والدین، بھائی بہنوں کے لئے دعا مانگتا رہے۔

خصوصاً جب زوجہ کے حمل ٹھہر جائے تب سے اہتمام سے دعا مانگے کہ اے اللہ! اس بچے/بچی کو دین دار بنا... دین کا خادم بنا... متبع سنت بنا... دین کا داعی بنا... ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا..... اس کے نصیب اچھے فرما..... اس کے لئے عافیت کا فیصلہ فرما... اس کے لئے سعادت کو مقدر فرما... سعید و نیک بختوں کے ساتھ اس کا حشر فرما... رزقِ حلال طیب عافیت کے ساتھ نصیب فرما... ہمیں اولاد کا کوئی غم نہ دکھا، اس طرح مانگتے رہنا چاہئے۔

اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے آنکھوں کی ٹھنڈک مانگئے

ایک دوسری آیت میں اللہ جل جلالہ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو اولاد اور بیوی کے حصول اور ان کے نیک صالح ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾[1]

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔“

بیوی بچوں کے نیک بننے اور اولاد کے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جانے اور اس بات کے لئے کہ پورا گھرانہ اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ کو راضی کرنے والا بن جائے اور آگے دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بن جائے تو اس کے لئے ”اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے نیک بندوں کی دعا بھی کی جائے۔ متقین کی سرداری کے بعد یہ دعا خوب کی جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہاں آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد یہ ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو اللہ جل جلالہ کی اطاعت میں مشغول دیکھے۔“[2]

فوائد و نصائح

حضور ﷺ سے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ آپ اپنے خادم ”انس“ کے لئے کوئی دعا فرمائیے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی:

---

[1] الفرقان: ۷۴　　[2] معارف القرآن ج۶، الفرقان ۷۴

الرزّاق جل جلالہٗ

(بہت روزی دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں

رزق لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی بھی نوعیت کا فائدہ حاصل کیا جائے۔

❶ علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الرزّاق جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جس نے رزق کی ذمہ داری لی ہے اور ہر جاندار کے لئے اس کے رزق کا بندوبست کیا ہے۔ اس کا رزق اور اس کی رحمت تمام مخلوقات کو کافی ہے اور اس رزق میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی اور نہ ہی دوست و دشمن میں کوئی فرق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کمزور شخص کو اور چھوٹے بچے کو بھی روزی پہنچاتے ہیں جو نہ کمانے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی ذریعہ معاش ہے۔ جیسا کہ اس شخص کو روزی دیتے ہیں جو مضبوط، توانا اور تندرست ہے۔"[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے۔"

❷ (الرزّاق) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْأَرْزَاقَ وَأَعْطَى الْخَلَائِقَ أَرْزَاقَهَا وَأَوْصَلَهَا إِلَيْهِمْ[2]

ترجمہ: "الرزّاق جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جس نے تمام روزیوں کو پیدا کیا اور پھر ہر مخلوق کو اس کی روزی عطا فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ہر ہر مخلوق تک اس کی روزی پہنچائی۔

❸ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ "الرزّاق جل جلالہٗ" ہیں۔ یعنی تمام مخلوقات کو رزق دینے والے ہیں، زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رزق نہ دیتے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے رزق دو طرح کا ہے

---

۱ الرزاق هو المتكفل بالرزق والقائم على كل نفس بما يقيمها من قوتها، وسع الخلق كلهم رزقه ورحمته فلم يختص بذلك مؤمنا دون كافر، ولا وليا دون عدو، يسوقه إلى الضعيف الذي لا حيل له ولا متكسب فيه كما يسوقه إلى الجلد القوي ذي المرة السوي، قال سبحانه: ﴿وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ﴾ (العنكبوت: ٦٠) (النهج الأسمى [illegible])

۲ النهج الأسمى [illegible]

"مُنْذُ عَرَفْتُ خَالِقِیْ مَا شَكَكْتُ فِیْ رِزْقِیْ."

تَرْجَمَۃ: "جب سے میں نے اپنے خالق کو پہچانا ہے میں نے اپنی روزی کے بارے میں کبھی شک یا فکر نہیں کی۔"

"اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہر جان دار کی روزی اپنے ذمے لی ہوئی ہے

روئے زمین پر چلنے والے جتنے انسان و حیوان ہیں، چاہے جنگل کے درندے، پرندے اور حشرات الارض ہیں یا دریا میں رہنے والا جانور ہیں سب کو رزق پہنچانے کا ذمہ "اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے خود لیا ہوا ہے۔

جیسا کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: اور کوئی جان دار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو (اور رزق رسانی کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے) ہر ایک کی مستقل رہنے کی جگہ اور عارضی رہنے کی جگہ کو جانتا ہے (اور ہر ایک کو وہاں ہی رزق پہنچاتا ہے اور گو سب چیزیں علم الٰہی میں ہیں ہی مگر اس کے ساتھ) سب چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں بھی (منضبط اور درج) ہیں۔

اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا رزق کا وعدہ

وَاقِعَۃ نمبر ⑱: امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس مذکورہ سورۂ ہود کی آیت نمبر ۶ کے تحت ابوموسیٰ اور ابومالک وغیرہ قبیلہ اشعرئین کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جو کچھ توشہ اور کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا وہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرمادیں۔ یہ شخص جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے تلاوت کی آواز آئی۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ اس شخص کو یہ آیت سن کر خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب جان داروں کا رزق اپنے ذمے لیا ہے تو پھر اشعری بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں۔ وہ ضرور ہمیں بھی رزق دے گا۔ یہ خیال کر کے وہیں سے واپس ہوگیا، آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنا کچھ حال نہیں بتایا۔

واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا: خوش ہو جاؤ! تمہارے لئے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مدد آرہی ہے، اس کے اشعری ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ ان کے قاصد نے حسب مشورہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے

---

[1] ہود: ۶

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں، جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا

اللہ جل جلالہ "الرزاق" ہیں وہ روزی دینے والے ہیں، کبھی روزی اسباب کے موافق دیتے ہیں اور کبھی روزی ایسی جگہ سے دیتے ہیں جہاں سے روزی ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ جل جلالہ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[1]

ترجمہ: "جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

تقویٰ یعنی گناہوں سے اپنے آپ بچنے کا اہتمام کرنے اور گناہ ہو جائے تو فوراً سچی توبہ استغفار کر لینے سے الرزاق جل جلالہ ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں کہ انسان کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

اب تقویٰ کے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: کفر اور دیگر اعتقادی کفریہ کاموں سے بچاؤ ہونے۔

دوسرا درجہ: مکروہات سے پرہیز کیا جائے۔

تیسرا درجہ: فضول اور بے مقصد باتوں سے بھی پرہیز ہو جائے۔

تقویٰ کا پہلا درجہ ہمیشہ کی زندگی اور جنت بخشتا ہے۔

دوسرا درجہ روح کو صحت و قوت بخشتا ہے۔

اور تیسرا درجہ روح کو فرحت، سرور اور تازگی بخشتا ہے۔[2]

بندہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تقویٰ کے تینوں درجات پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

چھوٹے پہاڑ جتنی اونچی ایک مچھلی

واقعہ نمبر ۱: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم تین سو صحابہ کا ایک لشکر ساحل سمندر کی طرف بھیجا اور ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) کو ہمارا امیر بنایا، چنانچہ ہم مدینہ سے نکلے، راستے میں توشہ ختم ہو گیا تو ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ لشکر کے تمام توشے جمع کئے جائیں، چنانچہ جب تمام توشے جمع کئے گئے تو کھجور کے دو توشے دان ہو گئے۔ ابوعبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیں ان میں سے تھوڑا تھوڑا دیتے رہے، پھر یہ توشے دان بھی ختم ہو گئے اور ہمیں روزانہ صرف ایک کھجور ملنے لگی۔ راوی نے (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد

---

[1] الطلاق ۲

[2] [illegible] الاسلامی [illegible] الحجوبة ۴۷

فائدہ: اس واقعہ کو کتاب بند کر کے سوچیں، پھر اس کو یاد کر کے اپنے بچوں، بھائی بہنوں اور دوستوں کو سنائیں، تاکہ بار بار کہنے، سننے اور سوچنے سے ہمیں الرّزّاق جل جلالہ پر ایسا سچا یقین نصیب ہو جائے کہ رزق کمانے کے دوران ہم حرام کاموں کے ارتکاب سے بچ جائیں گے۔

الرّزّاق جل جلالہ کی طرف سے اندھے سانپ کی روزی کا سامان

واقعہ نمبر ۴۷: [illegible] ایک قبیلے کا نام ہے اس میں ایک شخص مشہور ڈاکو تھا، وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے کے لئے جارہا تھا، راستے میں ہم ایک جگہ بیٹھے۔ وہیں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں، دو پر تو خوب پھل آ رہا ہے اور ایک بالکل خشک ہے، اور ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تر و تازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اس خشک درخت پر جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے دس مرتبہ اس چڑیا کو کھجور لے جاتے دیکھا تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کا کیا کرتی ہے۔

میں نے اس درخت کے قریب کی ایک چوٹی پر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے اور یہ چڑیا تر و تازہ کھجور اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اس قدر عبرت ہوئی کہ میں رونے لگا، میں نے کہا: میرے مولا! یہ سانپ جس کے مارنے کا حکم تیرے نبی ﷺ نے دیا جب یہ اندھا ہو گیا تو اس کی روزی پہنچانے کے لئے تو نے چڑیا کو مقرر کر دیا اور میں تیرا بندہ تیری توحید کا اقرار کرنے والا، تو نے مجھے لوگوں کے لوٹنے پر ڈال دیا۔ اس کہنے پر میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ میرے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ میں نے اسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی، جو لوگوں کو لوٹنے میں کام دیتی تھی اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا "اِقالہ اِقالہ" (درگزر، درگزر) چلانے لگا۔

مجھے غیب سے آواز آئی کہ ہم نے درگزر کر دیا، درگزر کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، وہ کہنے لگے تجھے کیا ہو گیا۔ میں نے کہا میں مہجور (دھتکارا ہوا) تھا، اب میں نے صلح کر لی، یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ ان کو سنایا۔ وہ کہنے لگے: ہم بھی صلح کرتے ہیں، یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں اور سب لوٹ کا سامان چھوڑ کر ہم احرام باندھ کر مکہ کے ارادے سے چل دیئے۔ تین دن چل کر ایک گاؤں میں پہنچے تو ایک بڑھیا ملی، جس نے ہم میں سے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم میں اس نام کا کوئی کردی ہے۔ لوگوں نے کہا: یہ ہے۔ اس نے کچھ کپڑے نکالے اور یہ کہا کہ تین دن ہوئے میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا، اس نے یہ کپڑے چھوڑے، میں تین دن سے برابر حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھ رہی ہوں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے کپڑے فلاں کردی کو دے دو، وہ کردی کہتے ہیں کہ وہ کپڑے میں نے لے لئے اور ہم سب نے ان کو پہنا۔[1]

---

[1] نزھۃ البساتین: ۱۵۸، [illegible] حکایت نمبر: ۲۶۲

اسباب رزق بھی الرَّزَّاقُ جل جلالہ ہی کے پیدا کردہ ہیں

اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کی مدد کرنا چاہے تو اس کے لئے سبب پیدا کرنا کیا مشکل ہے، سارے اسباب غذا اور اثر کے وہی پیدا کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص بھوکا ہو یا حاجت مند ہو، اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (بوجہ اس کے لطف وکرم کے) یہ حق ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے۔"[1]

ہم اپنے گھر میں سو مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں تو احتیاطاً ایک سو دس مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ "نعوذ باللہ" قدرت کے نظام کو اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ اگر زمین میں ایک دن میں لاکھوں مولود کے آنے کا انتظام کرتا ہے تو ان کے کھانے کا اس سے زیادہ ہی کرے گا۔ اس نے بھوک کو پیدا کیا، وہی بھوک کے دور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ ابھی بچہ ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے کہ پہلے سے غذا کے لئے خون موجود ہوتا ہے، اور جب پیدا ہو گیا تو رزق کے لئے رونے کی خوب (عادت) عطا کر دی۔

الرَّزَّاقُ جل جلالہ کی ذات نے شیرخوار بچوں کو نرم و عارضی دانت عنایت فرمائے، مگر جوں ہی بچہ بڑا ہونے لگتا ہے تو یہ عارضی دانت گرنے لگتے ہیں اور بتدریج مستقل دانت ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ چنانچہ دودھ کے دانت تعداد میں ۲۰ ہوتے ہیں، ہر جانب اوپر نیچے پانچ پانچ، یہ ۶ سال تک ساتھ رہتے ہیں۔ اسی دوران ایک ایک ڈاڑھ مستقل آجاتی ہے، اس طرح کل دانت ۲۴ ہو گئے، پھر دانت ہلنے لگتے ہیں اور نئے آجاتے ہیں، پھر بتدریج ۲۸ ہو جاتے ہیں۔ عام ۱۸ سال کی عمر میں ایک ایک مستقل ڈاڑھ آجاتی ہے۔ اس طرح کل دانت ۳۲ ہو جاتے ہیں۔

اور غذا جب معدہ میں داخل ہوتی ہے تو وہاں نمک کا تیزاب خوراک میں موجود مختلف قسم کے جراثیموں کو مار دیتا ہے اور معدہ کے نمک کا یہ تیزاب اس قدر تیز ہوتا ہے کہ وہ خوراک میں پائی گئیں تمام اشیاء پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر معدہ اس کے اثر سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے کہ معدہ کی دیواروں پر ایک مخصوص قسم کی چکنی اور لیس دار تہہ "مخاطی جھلی" موجود ہوتی ہے جس کی موجودگی معدے پر تیزاب کو اثر ڈالنے نہیں دیتی۔ معدہ کے اندر ساڑھے تین کروڑ کے قریب غدود ہوتے ہیں جن سے خاص کیمیائی مادوں کا اخراج ہوتا ہے۔[2]

فضا میں اڑنے کے پرندوں کے لئے رزق مہیا کیا اور پانی میں پانی کے جانوروں کے لئے۔ اونٹ ایک ایسے مقام کا جانور ہے جہاں پانی اور سبزے کی فراوانی نہیں تو اس کے جسم میں پانی اور چربی کا ذخیرہ کر دیا کہ بوقت ضرورت کام آسکے۔ اس کے جسم میں چربی پیدا کر دی تاکہ کسی وقت غذا نہ ملے تو وہ چربی غذا کا کام دے اور اس کا گوشت

---

[1] شعب الایمان للبیہقی ۱۰/۲۰، ج ۲، ... و کنز العمال ...
[2] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی عجیب عجیب تفصیل، ...

محفوظ رہے۔[1]

الرزّاق جل جلالہ کو ہی پالنے والا سمجھئے

حضرت مولانا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصل چیز سیکھنے کی ہے یقین، اور یہ انسان ایمان سیکھنے کو تیار نہیں۔ ایک تو کمانے والے ہیں (جن کا) پورا یقین اپنی کمائی پر ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو کماتا نہیں۔ زبان سے کہیں گے اللہ دیتے ہیں۔ کسی شخص پر یقین رکھیں کہ فلاں کر دے گا۔ تبلیغ تو خوب ہو رہی ہے، اندر سے ٹٹولو تو اس کے دل کے اندر غیر بھرا ہوگا۔ ایمان کے لئے علم، ایمان ہی کے لئے ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

آخر میں یہ ہے کہ جو آدمی ایمان پر مرے گا وہ جائے گا جنت میں۔ آخری دعا بھی یہ ہے کہ "جسے زندہ رکھے اسلام پر زندہ رکھ، اور مارے تو ایمان پر مار۔" قبر میں جاتے ہی یہ سوال ہوگا کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟

آدمی اپنے ذہن میں جس سے پلا ہو اس کی ہر وقت رعایت کرے۔ زمین دار کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ میں زمینداری سے پلوں گا۔ چاہے کتنا ہی گھاٹا ہو، بارش ہوگی۔ بغیر کھیتی کے بچے نہیں۔ کھیتی بغیر بیل کے نہیں، بیل بغیر پیسے کے نہیں۔ سود پر قرضہ لیا، بیل خرید لیے۔ زمین داروں کی اکثریت آج ایسی ہی ہے کہ ان کو کھیتی سے نہیں پلتا، اللہ تعالیٰ پالتے ہیں۔ جس کا یقین ہوگا اللہ تعالیٰ سے ملنے کا، قرضہ ملا تو وہ بیل خریدنے کا ارادہ نکال دے گا۔ بٹائی پر دے دے گا یا وہ کام کرے گا جس سے بیل کے بغیر کام چل جائے۔ جس کا یقین یہ ہے کہ زمین داری سے پل رہا ہوں وہ سود بھی لے لے گا، رشوت بھی دے گا، جھوٹا بیان بھی دے گا۔ مرا یا آدمی، مرتے ہی پہلا سوال (ہوگا) کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟

کمانے والے یا نہ کمانے والے بھی، کوئی ضرورت آن پڑے گی (یوں کہیں گے) پیر صاحب یوں کر دیں گے، منشی جی یوں کر دیں گے۔ مرتے ہی پوری زندگی کا خلاصہ پوچھ لیا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے؟

اگر یہ یقین لے کر گیا کہ اللہ تعالیٰ پالتے ہیں، نہ کمائی سے نہ کسی شکل وصورت سے پلنے کا تعلق۔ اگر ساری دنیا میں کوئی نہ ہو تو بھی اللہ تعالیٰ مجھے پالیں گے۔ تو جھٹ کہہ دے گا کہ میرے پالنے والے خدا تعالیٰ ہیں۔ اگر دل میں نہیں تو زبان سے کیسے نکلے گا؟ مشق کر کے دل میں یہ بات لے گیا کہ بالکل کہیں سے نہیں پلتا، نہ دکان سے نہ کھیتی سے۔ اس کے لئے قربانیاں بھی دیں، کمائی کی پرواہ نہ کی، آدمیوں پر نگاہ نہ ڈالی، جان پر تکلیفیں اٹھائیں، اور محنت کرتے کرتے وقت گزار دیا۔ ہر حکم کو پورا کیا، کمایا تو جھوٹ نہیں بولا، سود نہیں دیا، رشوت نہیں دی، آبرو ریزی نہیں کی، اللہ کا حکم پورا کروں گا، اللہ پالیں گے۔ جوانی کے وقت آوازیں لگا دی تو اسی وقت وہ ڈٹ گیا۔ کوئی صورت نہیں تھی بچنے کی۔ جہاں کیا سب نے جھنڈی دکھا دی، مولوی نے، پیر نے، منشی جی نے ہری جھنڈی دکھا دی۔ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں۔ سب کو چھوڑ کر نکل گیا، اللہ تعالیٰ زمین پھاڑ کر دے دے گا۔ جس کو اپنے پلنے کے بارے میں غیر اللہ سے یقین ٹوٹ جائے، اللہ

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری۔ ۱۲۷

الرزاق

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(الطلاق ۲، ۳)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے
اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

ترجمہ: اے اللہ! عمر بڑھ جانے پر اور بڑھاپے کے وقت اپنا رزق مجھ پر اور زیادہ فرما۔

اسی طرح رزق میں برکت کے لئے یہ دعائیں بھی مانگیں:

① "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَانَا فِيْ أَنْفُسِنَا"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! آپ نے جو ہمیں رزق عطا کیا، اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہمارے دلوں کو مستغنی و بے پرواہ کردے۔"

② "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَكَ"[2]

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں اپنے فضل سے رزق عطا فرما اور اپنے رزق سے ہمیں محروم مت فرما۔"

جب "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا" کہے تو دو چیزوں کی دل میں نیت رکھے:

1. علم، ہدایت، معرفت اور ایمان۔
2. حلال عافیت والا رزق۔

یہ بھی یقین رکھے کہ الرزاق جل جلالہ مخلوق کو بغیر کسی تکلیف کے رزق دیتے ہیں، سب کو روزی پہنچانا اس ذات کے لئے ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک آدمی کو پہنچانا، لہٰذا رزق اور رزق میں برکت الرزاق جل جلالہ سے مانگے۔ حالات کیسے بھی برے ہوں، مایوس نہ ہو، ہاں اسباب پورے کے پورے اختیار کرے۔

گنہ و جرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی — تری الطاف سے محروم نہ مخلوق نہ زانی
کہ تو ستار ہے اور واقف اسرار نہانی — ہمہ را عیب تو پوشی ہمہ را غیب تو دانی
ہمہ را رزق رسانی کہ تو با جود و عطائی

[1] کنز العمال، الاذکار: ۲/۹۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۱
[2] حلیۃ الاولیاء: ۷/۱۰۷، رقم: ۱۰۳۸۷

اسی آیت کے مضمون کے متعلق ایک حدیث اس طرح آئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عامل (گورنر) کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ مجھے کوئی حدیث لکھ کر بھیجو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے میر منشی وراد کو بلا کر لکھوایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

سکون پہنچانے والی دعا

"اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"[1]

ترجمہ: یا اللہ! جو چیز آپ کسی کو عطا فرما دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو آپ روکیں اس کو کوئی دینے والا نہیں اور آپ کے ارادے کے خلاف کسی کوشش کرنے والے کی کوشش اسے فائدہ نہیں دے سکتی۔

فائدہ: اس دعا کا معنی ذہن، دل و دماغ کو سکون پہنچاتا ہے، شکایتوں سے گلہ شکوہ ختم کر دیتا ہے، دشمنیاں ختم ہو جاتی ہیں، رشتہ ناطے نہیں ٹوٹتے، جس شخص کو اس مضمون کی معرفت حاصل ہوگی اور اس دعا کا مضمون دل نشین ہوگا تو اس کا دل کسی سے میلا نہیں ہوگا، بغض، کینہ، حسد، عجب نہیں ہوگا، وہ ان باطنی ان خطرناک بری بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ کسی نعمت کے ختم ہونے پر مخلوق کی طرف اس کی نگاہ نہیں جائے گی، مخلوق کو ملامت نہیں کرے گا اور نعمت کے مل جانے پر مخلوق کی خوشامد نہیں کرے گا کہ شاہ صاحب نے، یا بابا فلاں قبر والے نے دی، جو کچھ ملا ہے فلاں گدی نشین کا وسیلہ ہے ... "نعوذ باللہ من ذلک" بلکہ وہ کہے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا، اللہ تعالیٰ نے والد کو، شوہر کو فلاں کا ذریعہ بنایا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھانے کے وقت فرمائے اور ان کلمات سے پہلے فرمایا:

"اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ" یعنی یہ کلمات (ان تمام کلمات میں جو کوئی بندہ کہہ سکتا ہے) سب سے زیادہ حق دار، مقدم و اعلیٰ ہیں اور ہم سب (اے خدا!) تیرے ہی ہیں۔[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ (قبضہ) میں تو زمین اور آسمان کے خزانے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے، جس کا ترجمہ ہے: "آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔" تو وہ بھلائیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے کھولا ہے، کوئی ان پر قدرت نہیں کہ ان کو بند کر

---

[1] مسند احمد: ۲۴۵/۴، رقم ۱۸۱۷۰ [2] ابن کثیر ۳۶۲/۳، الفاطر

دیں اور جن بھلائیوں کو وہ روک دیں تو کسی کی طاقت نہیں کہ ان کو کھول دیں۔" [1]

"کبھی کبھی اللہ تعالیٰ لوگوں کو ڈھیل دینے کے لئے ان پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور منع کردہ چیزوں میں پڑ جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے جس کا ترجمہ ہے: "پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں، وہ خوب اترا گئے تو ہم نے دفعتاً ان کو پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔" [2]

﴿أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِۦ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَٰسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ﴾ [3]

ترجمہ: "کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے اور ہلاکت ہے ان پر جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔"

یعنی جس کو قبولِ حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرحِ صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس آیت میں جو شرحِ صدر (سینے کے کھولنے) کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کی کوئی حد نہیں، ہر مومن کو اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔ پھر اس شرحِ صدر میں مراتب ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ قسم پر فائز ہیں، پھر ان کے بعد اولیاء ہیں، پھر علماء ہیں، پھر عام مومنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے علاوہ کسی اور کو اس شرحِ صدر سے محروم نہیں فرماتے۔ [4]

"ان نعمتوں اور بھلائیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کھولتے ہیں، حکمت، دانائی، علم اور دین کی سمجھ بھی ہے اور یہ نعمتیں تقویٰ، اخلاص اور سچائی کی بنا پر حاصل ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ سلف صالحین کی دانائی و سمجھداری زیادہ گہری تھی اور ان کا علم زیادہ وسیع تھا بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد میں آئے۔

---

[1] کنز العمال، الفوائد والزوائد قسم الافعال: ۱۰/۱۰۶، رقم الحدیث ۲۰۸۴۷

[2] وقد يفتح الله سبحانه أنواع الخير والخيرات على الناس بشتى أنواعه، إذا تركوا ما أمروا به، ووقعوا فيما نهوا عنه كما قال سبحانه وتعالى ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ﴾ (الأنعام: ٤٤) المنهج الأسنى: ٢/٨٣ تا ٢٦١

[3] الزمر: ٢٢ [4] تفسير القرطبي: ١٥/١٥٠، الزمر: ٩

الْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُهٗ سے رحمت کے دروازے کھلوائیے

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے تھے: "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی (کریم ﷺ) پر درود پڑھے پھر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ"[1] "اے اللہ! میرے لئے آپ اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔"

ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دلانے والا نسخہ

سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۲ (جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے) میں انسان کو جو سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نفع و نقصان کی امید و خوف نہ رکھے، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھے (یہ) دین و دنیا کی درستی اور ہمیشہ کی راحت کا نسخۂ اکسیر ہے اور انسان کو ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دینے والا ہے۔[2]

حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں صبح کو چار آیتیں قرآن کریم کی پڑھ لوں تو مجھے یہ فکر نہیں رہتی کہ صبح کو کیا ہوگا اور شام کو کیا، وہ آیتیں یہ ہیں:

❶ ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[3]

❷ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾[4]

❸ ﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾[5]

❹ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾[6]

ہر مسلمان کو چاہئے کہ پریشانیوں اور الجھنوں میں ان آیات کو پڑھے، ان کے معانی پر خوب غور و فکر کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب بارش ہوتے دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے:

"مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ"

ترجمہ: "ہمیں بارش فتح والی آیت کی برکت سے ملی" اور پھر یہ آیت ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ ... پڑھتے تھے۔[7]

---

[1] مسلم، صلوٰۃ المسافرین، باب ما یقول اذا دخل المسجد: ۲۴۸/۱

[2] "وفی الآیۃ اشارۃ الی الانقطاع الی اللہ تعالیٰ والاعراض عما سواہ عزوجل وراحۃ البال عن التعذب التوجہ بالقلب وتشویش البال" (روح المعانی: ۲۲/۱۶۹، الفاطر: ۲)

[3] فاطر: ۲　[4] یونس: ۱۰۷　[5] الطلاق: ۷

[6] روح المعانی: ۲۲/۱۶۹، ھود: ۶　[7] موطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، باب الاستمطار بالنجوم: ۱۸۰

یہ عرب کے باطل خیالات کی تردید ہے جو بارش کو خاص خاص ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے تھے: ہمیں یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بارش آج فلاں نچھتر سے ملی ہے، مراد آپ ﷺ سے بھی مذکورہ آیت ہے، جس کو وہ اپنے وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1]

جب بھی یہ خیال آئے کہ میرا کاروبار اس لئے نہیں چل رہا ہے کہ مجھ پر کسی نے کچھ کروا دیا ہے، یا رشتہ اس لئے نہیں آتا کہ فلاں نے جادو کروا دیا ہے یا گھر میں مسلسل بیماری اس لئے ہے کہ کسی نے بندش کروا دی ہے ۔ اس وقت قرآن کریم کی ان چار آیتوں کے ترجمہ پر خوب غور کرنا چاہئے۔

اللہ جل جلالہ کی قدرت کے کرشمے

واقعہ نمبر (۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”(بنی اسرائیل کے) تین افراد کسی سفر میں چل رہے تھے کہ اچانک انہیں بارش نے آ گھیرا۔ انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی اور اس کا دہانہ (منہ) بند ہو گیا۔

ان میں سے ایک نے کہا اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، وہ اعمال صالحہ جو تم نے خالص اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کئے ہوں (اور نیک عمل بھی ہو جانا اسی کی رحمت ہے، لہٰذا اس رحمت) کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ ہی کی برکت سے تمہارے لئے غار کا دہانہ کھول دے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! بات یہ ہے میرے ساتھ میرے ضعیف العمر والدین تھے، میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ان کے لئے میں بکریاں چراتا تھا، جب شام ہوتی تو میں دودھ دوہتا اور اپنے والدین سے ابتداء کرتے ہوئے اپنے بچوں سے پہلے انہیں پلاتا تھا۔

ایک روز میں درخت کی طلب میں دور نکل گیا اور شام گئے واپس آیا تو میں نے اپنے والدین کو سوتا ہوا پایا۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا، پھر دودھ کا برتن لایا اور والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ والدین کو نیند سے جگاؤں اور یہ بھی مجھ کو گوارا نہ تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو پلاؤں، حالانکہ بچے بھوک سے میرے قدموں میں بلک رہے تھے۔ لیکن میں اسی حال میں رہا اور بچے بھی اسی حال میں (بھوک سے بلکتے) رہے۔ (تحقیقی قول کے مطابق بچے ضروری کھانا کھا چکے تھے اضافی طلب کی وجہ سے رو رہے تھے)۔

یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں میرا یہ عمل آپ کی رضا کے لئے تھا تو (اس کی برکت سے) ہمارے واسطے اس غار کا منہ کھول دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اتنی کشادگی پیدا کر دی کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔

---

[1] معارف القرآن ۲۹۷/۸، الطور: ۲۰

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد (بہن) تھی۔ میں اس سے اتنی محبت کرتا تھا جتنی کہ مرد عورتوں سے کر سکتے ہیں۔ میں نے اس کو (اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے) طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو شدید تنگی کی وجہ سے ایک بار سو دینار کی ضرورت پڑی۔ میں نے سو دینار جمع کئے اور پھر اس کے پاس اپنی خواہش لے کر گیا۔ وہ سو دینار کی وصولی کی خاطر شدید مجبور ہو گئی۔

جب میں نے اس پر پورا قابو پا لیا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو ناحق طریقہ سے مت کھول۔ میں یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے آپ کے علم کے مطابق یہ عمل آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لئے (اس کی برکت سے) کشادگی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے مزید کشادگی فرما دی۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو تین صاع (۲۳۳ تولے کا ایک وزن) چاول پر ملازم رکھا۔ جب اس کا کام ختم ہو گیا تو اس نے کہا کہ میرا حق دو۔ میں نے اس کی مقررہ مقدار اسے پیش کر دی۔ اس نے اس سے منہ موڑ لیا۔ (اور وہ لئے بغیر چلا گیا) میں نے اس کے چاولوں کے ذریعے زراعت (کھیتی باڑی) شروع کر دی۔ (اور اس میں برکت ہوئی) یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں اور مویشی جمع کر لئے۔

پھر وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ پر میرے حق کے معاملے میں ظلم نہ کر (اور مجھے میری مزدوری واپس کر دو۔) میں نے کہا: جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی تم لے لو۔ وہ کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق مت کر۔ میں نے کہا: میں تم سے مذاق نہیں کر رہا۔ جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی لے لو۔ اس نے وہ سب لے لیں اور چلا گیا۔ اے اللہ! میں نے یہ کام اگر آپ کی رضا کے لئے کیا ہے تو ہمارے لئے (جو کچھ رکاوٹ باقی رہ گئی ہے اس میں بھی) کشادگی فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باقی رکاوٹ کو بھی کھول دیا۔"[1]

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ "الْفَتَّاحُ جل جلالہ" دنیا و آخرت کے خزانوں کے دہانے اور اپنی رحمت کے در ان پر کھولتا ہے، جو اسی کے ہو رہیں، اس کی مرضیات پر عمل کریں اور ہر خوشی اور غم میں اسی سے لو لگائیں اور ان اعمال میں تسیں کہ جن سے خوش ہو کر وہ برکت اور ہدایت کے خزانوں کے دروازے کھول دے۔

"الْفَتَّاحُ" وہی ہے جو مشکلات و مہمات کو کھول دیتا ہے۔

"الْفَتَّاحُ" وہی ہے جو دل کو حق کے لئے کھول دیتا ہے۔

"الْفَتَّاحُ" وہی ہے جو زبان پر علوم کو جاری فرما دیتا ہے۔

"الْفَتَّاحُ" وہی ہے جو علوم کے ذریعے سے آنکھوں پر پڑے پردے ہٹا دیتا ہے۔

"الْفَتَّاحُ" وہی ہے جو اہل حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔

---

[1] البخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار: ۱/۴۹۳

"اَلْحَسِیْبُ" وہی ہے جو صادقین سے صدق کو ظاہر کرتا ہے، کاذبین کی اصلیت کو سب پر کھول دیتا ہے۔[1]

فائدہ: اس واقعے سے یہ سبق بھی ملا کہ بندش، رکاوٹ، آزمائش کا حل نہ ہو، ان سب پریشانیوں کا حل، اور سب سے بہترین تعویذ اپنے معاملات کو درست کرنا ہے۔ ان تین ساتھیوں پر جو مصیبت آئی تو انہوں نے جن نیک اعمال کا وسیلہ دیا وہ معاملات کے صحیح ہونے والے اعمال تھے۔ پہلے نے والدین کے ساتھ معاملہ صحیح رکھا، دوسرے نے رشتہ دار کے ساتھ، تیسرے نے ملازم کے ساتھ۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے معاملات صحیح رکھنے چاہئیں کہ آئی ہوئی بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کروانے کا بڑا ذریعہ معاملات کی درستگی ہے۔ سب سے کارآمد تعویذ کسی کو تکلیف نہ دینا ہے۔

امی! امی!...... مجھے بچالو

واقعہ نمبر ③: شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "اَلْبَابُ الَّذِیْ لَا یُغْلَقُ فِیْ وَجْہِ سَائِلٍ" میں لکھتے ہیں:

میں آپ کو ایک امریکی گھرانے کا واقعہ سناتا ہوں، جس گھر میں چھ بچے تھے۔ ان کا والد ایک مضبوط و توانا جسم کا مالک پرعزم کسان تھا اور ان کی والدہ عقل مند اور تجربہ کار عورت تھی۔ اس نے اپنی اولاد کی تربیت ایسی کی تھی کہ انہیں صبر و برداشت کا عادی بنا دیا تھا، حتیٰ کہ وہ بچے جوان ہو گئے۔

ان بچوں میں سے چھوٹا لڑکا، جس کی عمر تیرہ سال تھی، ایک دن کھیل کی غرض سے گھر سے نکلا، اسی کھیل کے دوران ایک بلند چٹان سے پتھر لڑھکتا ہوا اس کے گھٹنے پر آ لگا۔ تکلیف کی شدت اس قدر تھی کہ اس جیسے بچے کے لئے ناقابلِ برداشت تھی، لیکن اس کے باوجود بچے نے اس تکلیف کو برداشت کیا اور صبر سے سہہ گیا اور سب کو اس واقعے سے بے خبر رکھا۔ دوسرے دن اسکول جانے کے لئے جب نکلا تو اس کے پیر کی تکلیف بڑھ چکی تھی، لیکن تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اس پیر سے چل کر اسکول پہنچا اور تکلیف کی شدت کو برداشت کرتا رہا، حتیٰ کہ دو دن گزر گئے اور پیر سوجنا شروع ہو گیا اور نیلا پڑ گیا، یہاں تک کہ وہ لڑکا اس پیر پر ایک قدم چلنے سے بھی عاجز ہو گیا۔ اب ماں باپ پریشان ہو گئے اور واقعے کے بارے میں تحقیق کی تو بچے نے سارا واقعہ سنایا۔

ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر معائنہ کرتے ہی سمجھ گیا کہ وقت گزر چکا ہے، اب علاج ممکن نہیں۔ اگر فی الفور ٹانگ کو نہ کاٹا گیا تو زہر پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ ڈاکٹر نے بچے کے والد کو ایک کنارے میں لے جا کر یہ بات آہستگی سے بتائی تاکہ بچے کو خبر نہ ہو سکے، لیکن بچے نے ڈاکٹر کی بات کو سن لیا اور سمجھ لیا کہ اس کی ٹانگ کو کاٹ دیا جائے گا۔ بس بچے نے چلانا شروع کر دیا کہ میری ٹانگ مت کاٹو...... امی مجھے بچالو...... بچے نے ایک ٹانگ سے لنگڑا کر بھاگنے کی

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للسعدی وغیرہ: ۷۱

سے میرے لئے وہ چیز مانگ لیجئے۔" امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرمانے لگے: "میرے بھائی! میرے ساتھ کھڑے ہو جائیے۔ دونوں دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ ہی سے کیوں نہ مانگ لیں، کھلا در چھوڑ کر بند دروازے کا رخ کیوں کیا جائے۔"[۱]

یقیناً "اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُهُ" کا در ہر وقت کھلا ہے۔ یہ یقین اور ایمان کی کمزوری ہوتی ہے کہ انسان کھلے در کو چھوڑ کر مخلوق کے بند دروازوں پر کھڑے ہو کر ذلت اٹھائی جائے۔ اس کھلے در کی طرف رجوع کی عادت تو ڈالیے، آزما کر تو دیکھیے۔[۲]

وَاقِعَہ نَمْبَر ۞ مشہور و معروف تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت طاؤس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مجھے ایک حکمران کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا:

"یَا عَطَاءُ! إِیَّاكَ أَنْ تَرْفَعَ حَوَائِجَكَ إِلَی مَنْ أَغْلَقَ فِي وَجْهِكَ بَابَهُ ....

وَأَقَامَ دُوْنَكَ حُجَّابَهُ.

وَإِنَّمَا اطْلُبْهَا مِمَّنْ أَشْرَعَ لَكَ أَبْوَابَهُ.

وَطَالَبَكَ بِأَنْ تَدْعُوَهُ ...... وَوَعَدَكَ بِالْإِجَابَةِ."[۳]

اے عطاء! میری بات غور سے سنو، اپنی کوئی ضرورت ایسے شخص کے سامنے پیش نہ کرو جس نے اپنے دروازے بند کر رکھے ہوں اور اپنے دروازوں پر دربانوں کو بٹھا رکھا ہو، بلکہ اپنی ہر ضرورت اس کے سامنے پیش کرو جس نے ہر دم اپنے دروازے اپنے بندوں کے لئے کھلے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ میں اپنے بندوں کی دعا کو قبول کروں گا۔

لہٰذا بار بار اس کی مشق کریں کہ ہر حاجت، ضرورت صرف اور صرف "اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے دربار میں پیش کریں۔ کم از کم ہمیں منت گھڑی دو گھڑی دیکھ کر دعا مانگنے کی عادت ڈالیے۔ آج ہماری عادت نہیں ہے اس لئے دعا مانگنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جس کا دروازہ سائلین کے لئے کبھی بھی بند نہیں ہوتا، اس سے مانگنا مشکل لگتا ہے اور جس نے اپنے دروازوں پر چوکیدار بٹھائے ہوئے ہیں، ان سے مانگنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا آج سے ہم سب توبہ کریں اور اپنی ہر حاجت و ضرورت کے لئے صلوٰۃ الحاجت (دو رکعت حاجت کی نیت سے نماز) پڑھیں اور بار بار صلوٰۃ الحاجت پڑھیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں۔

نیک اعمال کی ابتدا اور اس کی انتہا

اس اسم کے تحت یہ دو دعائیں یاد رکھنی چاہئیں۔

❶ ایک یہ دعا جو امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے منقول ہے:

---

[۱] ذیل طبقات الحنابلۃ: ۱/۲۲۶ [۲] کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۰

[۳] صور من حیاۃ التابعین: ۱۹۰

"اَللّٰهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنْ سُجُوْدِ غَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِيْ عَنِ الْمَسْأَلَةِ لِغَيْرِكَ"[1]

ترجمہ: اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنے غیر کے سجدے سے میری پیشانی کی حفاظت فرمائی ہے، اسی طرح میری آبرو کی بھی حفاظت فرمایئے۔

❷ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ وَجَوَامِعَهُ وَأَوَّلَهُ وَظَاهِرَهُ وَبَاطِنَهُ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ"[2]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے نیک اعمال کی ابتدا، اور اس کی انتہا، اس کے خاتمے اور اس کا اوّل، اس کا ظاہر اور اس کا باطن اور جنت کے اونچے اونچے درجات کا سوال کرتا ہوں (تو مجھے یہ سب عطا فرما، آمین)۔"

فوائد ونصائح

● اس اسم کی معرفت پیدا کرنے والے بندہ کو چاہئے کہ وہ یہ سوچے کہ ہر قسم کی راحت، آسانی، فتح وغیرہ اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کرتے ہیں، اسی طرح علم، عمل، عبادت، تقویٰ اور اخلاص سب اسی ذات کی عطا کردہ ہے۔

❷ بندوں کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولے رکھتا ہے اور جو اس سے مانگتا ہے تو اس سے برائی کو ہٹا کر اچھائی دیتا ہے، نقصان کو ختم فرما کر نفع پہنچا دیتا ہے۔

❸ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ ہر کام میں آسانی اور مسئلے کا حل صرف اور صرف اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے پاس ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی بھی مسائل کو حل کرنے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں۔

---

[1] حلیۃ الأولیاء: ۹/۲۲۸، رقم ۱۳۷۸۳

[2] مستدرک حاکم، کتاب الدعاء ۱/۷۰۰، رقم ۱۹۶۳

العليم

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا

(الانعام: ۵۹)

"اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔"
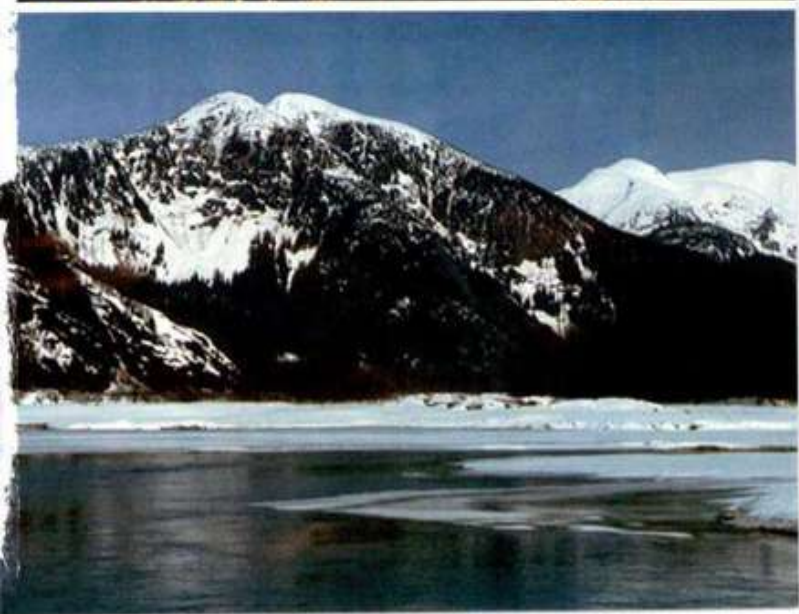
ہر عمل پر مطلع ہے تو عابدوں کو اپنی عبادات اور مدد طلب کرنے میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مشرکین کہا کرتے تھے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾[1]

"ہم تو ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادیں۔"

یہاں کا اور ان کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ ان کی یہ بات اس غلط فہمی یا ضد پر مبنی تھی کہ اس اصل خالق نے لوگوں کی حاجت روائی سے متعلق کچھ اختیارات (حالات جاننا، پریشانیاں دور کرنا وغیرہ) اپنے بعض مقربین بندوں کے حوالے کئے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم کیوں نہ ان ہی کے سامنے اپنی حاجات پیش کریں۔[2]

اسی طرح قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور غیب و حاضر سب یکساں طور پر اس کے سامنے ہے، کسی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں، ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾[3]

ترجَمَہ: "اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے سامنے حاضر ہے۔ اور اس سب کو بھی جانتا ہے جو ان کے پیچھے یا ان سے غائب ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے علم میں سے ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے مگر یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔"

آگے اور پیچھے کا یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات و واقعات حق تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہیں جو انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور پیچھے سے مراد اس سے مخفی واقعات و حالات ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان کا علم تو بعض چیزوں پر ہے اور بعض پر نہیں۔ کچھ چیزیں اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں اور کچھ چھپی ہوئی، مگر اللہ جل شانہٗ کے سامنے یہ سب چیزیں برابر ہیں، اس کا علم ان سب چیزوں کو یکساں محیط ہے۔

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾[4] "یعنی انسان اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علم کے کسی حصے کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے، مگر اللہ تعالیٰ خود ہی جس کو جتنا حصہ علم کا عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم حاصل ہوسکتا ہے۔" اس میں بتلادیا گیا کہ تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم محیط صرف اللہ جل شانہٗ کی خصوصی صفت ہے، انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہوسکتی۔[5]

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ﴾[6]

---

[1] الزمر:۳ [2] تفسیر عثمانی: ۶۱۲، الزمر:۳ [3] البقرة:۲۵۵ [4] البقرة:۲۵۵

[5] معارف القرآن: ۱/۶۱۲، البقرة:۲۵۵ [6] الكهف:۲۶

ہیں کہ دونوں کے اندرونی اور ظاہری سب حالات اس کو یکساں معلوم ہیں اور دونوں پر اس کی قدرت یکساں حاوی ہے کوئی اس کے دست قدرت سے باہر نہیں۔[1]

اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اس عطا کئے ہوئے علم پر غرور وتکبر نہ کرے، بل کہ وہ اس علم کو "العلیم جل جلالہ" کی فرماں برداری میں صرف کرے، ورنہ جب قہر خداوندی نازل ہوتا ہے تو انسان کا یہ علم اور اس کی ترقی دھری کی دھری رہ جاتی ہے جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

بے بس انسان!

واقعہ نمبر (۳۵) ۱۹۸۹ء میں آنے والے زلزلے سے ایک دن پہلے ہی سان فرانسسکو کی جھاڑیوں اور آس پاس واقع جنگلات سے تمام چھچھوندر، نیولے، بچھو، سانپ اور دیگر کیڑے مکوڑے دوسرے علاقوں کی طرف کوچ کر رہے تھے، مگر انسان جسے سائنسی آلات، جدید ٹیکنالوجی اور اپنے انتظامات پر بڑا ناز ہے، بڑا اعتماد ہے، وہ بے خبر تھا، غافل تھا اور اپنی عیاشی، فحاشی، شراب نوشی میں مست تھا، اسے یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ چند گھنٹوں بعد یہ خوب صورت شہر اجڑنے والا ہے، زمین پھٹ جائے گی اور ہر طرف تباہی پھیل جائے گی اور پھر وہی ہوا، جس کا حیوانوں کو اندازہ ہو گیا تھا۔

واقعہ نمبر (۳۶) یہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی بات ہے جب کہ سان فرانسسکو کے شہری زندگی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ بازار آباد تھے اور کلبوں کی جوانی اپنے عروج پر تھی، شراب کے جام گردش کر رہے تھے، انسان موت سے قطعاً بے خبر زندگی کے ہنگاموں سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک فطرت کا پہیہ گھوما اور زلزلے کی شدت سے پورا شہر دیمک خوردہ درخت کی طرح لرزنے لگا، گاڑیاں لڑھکنے لگیں، موٹر سائیکلوں پر سوار جوان ہوا میں اچھل گئے، فلک بوس عمارتیں لمحوں میں زمین پر آرہیں اور اب زندگی کے بجائے موت کا بازار گرم تھا۔ ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں تھیں اور سینہ تان کر غرور سے سر اٹھا کر چلنے والے نوجوان مرد وزن کوڑے کا ڈھیر تھے، تو کچھ کا پیوند تھے یا بدبودار لاشے تھے۔

اخبارات و جرائد نے حکومت پر سخت تنقید کی کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں تباہی و بربادی کا قبل از وقت پتا کیوں نہیں چلا، مگر بے چارے کم عقل (تنقید کرنے والے) کیا جانیں کہ جب قانون فطرت کا پہیہ گھومتا ہے تو انسان کی تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ ہائے رے کمزور انسان! سائنس کے اس دور میں بھی تو کتنا بے بس ہے۔ کتنا بے علم ہے۔ کاش! تو اسے رب مان لے۔ جو علیم وخبیر ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾[2]

ترجمہ: "(اے پیغمبر!) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ آسمان و زمین میں جو مخلوقات ہیں، وہ غیب کا

۱۔ معارف القرآن ۵/۱۸۲، الرعد ۹ ۲۔ نمل ۶۵

شرک ہے، نعوذ باللہ منہ۔[1]

"اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے سوا کوئی غیب دان نہیں

دَلِیْلِ نَمبر ① ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! چند اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو میرے ساتھ کر دیں کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ میری قوم مسلمان ہو گئی تو میں بھی ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ستر بڑے جلیل القدر قاری قرآن اس کے ہمراہ کر دیے۔ ان سب (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بڑی بے دردی اور دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کو اس قدر رنج و صدمہ تھا کہ ایک ماہ تک آپ ﷺ قاتلین پر بددعا فرماتے رہے۔[2]

تنبیہ: علم غیب جس کو قرآن پاک نے مفاتح علم غیب کہا ہے اور جو سورۂ یونس کی آیت ٢٠ سے معلوم ہوتا ہے، وہ صفت حق تعالیٰ کی خاص ہے، آپ ﷺ کی نہیں ہے، اسی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دھوکہ بازوں کے حوالے ہو گئے اور آپ ﷺ پر اس شخص کے ظاہری دعوے اور طلب کی (کہ دین سکھانا ہے یا کیا مقصد ہے) حقیقت کھل نہ سکی۔

دَلِیْلِ نَمبر ② بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"تم لوگ میرے پاس مقدمے لاتے ہو۔ اگر کسی کو چرب زبانی سے بولنا اچھا آتا ہے اور وہ ایسی بات کرے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو وہ مطمئن مت ہو کہ اللہ کے رسول نے فیصلہ دلا دیا۔ وہ تو آگ کا ٹکڑا لیے جا رہا ہے۔"[3]

تنبیہ: یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ "عَالِم" اور "عَلِیْم" ذات صرف اللہ رب العزت کی ہی ہے۔

دَلِیْلِ نَمبر ③ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کھانے میں زہر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید بھی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ایک ہی لقمہ کھایا تھا اور فرمایا: "اِرْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ" "چھوڑ دو اس گوشت کو، اپنے ہاتھ اٹھاؤ" اور اس عورت کو بلوایا اور پوچھا: تم نے اس میں زہر ملایا ہے؟

اس عورت نے کہا: آپ کو کس نے خبر دی؟

فرمایا: "اَخْبَرَتْنِیْ ھٰذِہٖ فِیْ یَدِی الذِّرَاعُ" "مجھے اس گوشت کے ٹکڑے نے اطلاع دی جو میرے ہاتھ میں ہے۔"

اس عورت نے کہا: میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان کو نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر یہ نبی نہیں ہیں تو ہم سب کی جان چھوٹ جائے گی۔[4]

تنبیہ: جب تک کسی عالم الغیب ذات کو منظور نہ ہو کائنات کے سردار کو بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ زہر ملا ہے۔ کاش!

---

[1] معارف القرآن: ٢/٨٣   [2] بخاری، المغازی، باب الدعاء علی المشرکین: ٩٤٦/٢

[3] بخاری، الاحکام، باب القضاء فی قلیل المال و کثیرہ سواء: ١٠٦٦/٢

[4] ابوداؤد، الدیات، باب فیمن سقی رجلا سما...: ٢٣٩/٢

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اس آیت میں مشرکین اور عوام کے اس غلط عقیدے کی تردید ہے، جو ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قائم کر رکھا تھا کہ وہ غیب دان ہوتے ہیں، ان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح تمام کائنات کے ذرّے ذرّے پر حاوی ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ ہر نفع اور نقصان کے مالک ہوتے ہیں، جس کو جو چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اسی عقیدے کے سبب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کی معین تاریخ بتلانے کا مطالبہ کرتے تھے۔

اس آیت نے ان کے اس مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے بتلا دیا کہ علم غیب ... اور تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم محیط ہونا .... صرف "اللہ جل جلالہ" کی مخصوص صفت ہے۔ اس میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی و رسول، شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اسی طرح ہر نفع و نقصان کا مالک ہونا صرف "اللہ جل جلالہ" ہی کی صفت خاص ہے۔ اس میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے، جس کے مٹانے ہی کے لئے قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔[1]

اس آیت سے اس قول کی بھی تردید ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا ہوا تھا۔ اگر بالفرض ایسا ہی ہوتا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بہت خیر جمع فرما لیتے اور ہر شر اور ضرر سے بچ جاتے۔ آیت مبارکہ میں بڑی وضاحت سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کردیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لئے ضروری ہو اور اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ مضرت و تکلیف پہنچ گئی۔

اس آیت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب، بلکہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا خدا کی طرف سے ان کو دیا جائے۔

ہاں! اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے، وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، خصوصاً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّلین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب ملا کر اس سے بھی بہت زیادہ علم آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں ایسی غیب کی باتوں کی لوگوں کو خبریں دیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتلائی تھیں اور جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے

---

[1] معارف القرآن ۱۳۷/۴ الاعراف ۱۸۸

مشاہدہ ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بہت ساری غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاحِ قرآن میں علم الغیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔[1] نیز قرآن کریم میں اس عطا کئے جانے والے علم کو سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۴ میں انباءِ غیب (یعنی غیب کی خبریں) اور اسی سورت کی آیت نمبر ۱۷۹ میں اطلاعِ غیب اور سورۂ جن کی آیت نمبر ۲۶ میں اظہارِ غیب سے تعبیر کیا ہے۔

محض ان کے اظہار کئے جانے اور اطلاع دیئے جانے اور خبر دینے کی وجہ سے نبی ﷺ عالم الغیب کیسے ہو گئے؟ جبکہ ہمارے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ عقائد کو صحیح رکھا جائے اور ظاہر کی ایسے الفاظ کہنے سے بچا جائے جو قرآن و حدیث کی نصوص کے خلاف ہوں۔

اسی لئے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی جا بجا صراحت سے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کو علم دیتے ہیں، مگر خوب واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اچھی طرح سے یہ بات سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی باتوں کا ذرہ برابر بھی علم نہیں رکھتے ہیں سوائے ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کبھی کبھار بتا دیتے تھے، حنفی مسلک میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عالم الغیب کا عقیدہ رکھے وہ ایمان سے خارج ہے۔"[2]

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

"مَا عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ"[3]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال ایسی ہے، جیسے اس چڑیا نے دریا سے کم کیا ہے۔"

یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اللہ جل جلالہ کے غیر محدود علم کے ساتھ کیا نسبت؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے:

---

[1] معارف القرآن [illegible]، الاعراف [illegible]

[2] ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالى أحيانا وذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه الصلوة والسلام يعلم الغيب ..... (شرح فقه الأكبر [illegible]) بحواله رساله مسئله علم غيب ۲۲

[3] البخاري، باب قوله تعالى وإذ قال موسى لفتاه [illegible]

وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُونُ فِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ.[1]

"یعنی جو شخص یہ کہے کہ آں حضرت ﷺ غیب جانتے تھے اس نے اللہ جل جلالہ پر بہتان باندھا ہے۔"

اللہ رب العزت کی ذات کامل اور اکمل علم والی ذات ہے۔ ہر ہر مرحلے پر سارے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ رب العزت ہی کے محتاج رہتے تھے۔ کئی مشکل مواقع اور مراحل ایسے آتے تھے کہ جب تک وہ ذات کہ جو "العلیم" ہے اور صرف وہی ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ہے، وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو کسی بات سے آگاہ نہیں فرماتی تھی، تو آپ ﷺ بھی اس کی طرف سے رہبری کے محتاج رہتے تھے۔

اسی عنوان کے تحت آپ ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے ایسے بے شمار واقعات میں سے چند ہم ذکر کر چکے ہیں، تاکہ مسلمان صحیح بات سمجھیں اور عقیدت کے نام پر عقیدہ خراب نہ کریں۔

اگر کوئی خواب وغیرہ دیکھیں یا کوئی اور دیکھے تو یاد رکھئے! قصے کہانیاں خواب، احکام اور عقائد کے ثبوت کرنے کے لئے دلیل نہیں بن سکتے، چاہے وقت کا کتنا ہی بڑا بزرگ اس کو نقل کرے، بزرگوں سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، وہ معصوم نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ہمارے بزرگوں کے دیکھے ہوئے خوابوں کو اللہ تعالیٰ نے شرعی دلیل نہیں بنایا، بلکہ جو ارشادات حضور ﷺ سے قابلِ اعتماد واسطوں سے ہم تک پہنچے ہیں وہ صحیح اور پکی دلیل ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، خواب کی بات پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خوابوں کی حقیقت کا اندازہ اس واقعے سے لگائیے کہ:

واقعہ نمبر ۲۳: شریک ابن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جو خلیفہ مہدی کے زمانے میں قاضی تھے، ایک مرتبہ وہ خلیفہ مہدی کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قتل کروانے کا ارادہ ظاہر کیا، قاضی صاحب نے پوچھا: "امیر المؤمنین کیوں؟"

خلیفہ مہدی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم میرا بستر روند رہے ہو اور مجھ سے منہ موڑ رہے ہو، میں نے یہ خواب ایک تعبیر بتلانے والے کے سامنے ذکر کیا تو اس نے کہا: قاضی شریک ظاہر میں آپ کا فرماں بردار ہے، لیکن اندر اندر آپ کا نافرمان ہے۔

قاضی شریک نے جواب دیا: امیر المؤمنین! نہ آپ کا خواب ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے اور نہ آپ کا تعبیر دینے والا یوسف علیہ السلام ہے، تو کیا آپ جھوٹے خوابوں کے بل پر مسلمانوں کی گردنیں اڑانا چاہتے ہیں؟

مہدی یہ سن کر اپنے ارادے سے رک گیا۔[2]

ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو نبی تھے اور ان کا خواب بھی پکا اور سچا تھا، کیوں کہ نبی کا خواب بھی وحی کی ایک قسم ہوتا ہے، اور تعبیر دینے والا حضرت یوسف علیہ السلام نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے پیغمبر و رسول تھے۔ وہ صحیح تعبیر بتلانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حاصل تھا جب کہ پیغمبر کے علاوہ تو کوئی بھی

---

[1] مسلم، کتاب الإيمان، باب معنى قول الله عز وجل ولقد رآه نزلة أخرى: ۹۸/۱

[2] الاعتصام: ۲۰۳/۱

القابض جل جلالہ الباسط جل جلالہ

(تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ أَيْ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْأَخْلَاقِ وَالْأَرْزَاقِ وَالْأَشْبَاحِ وَالْأَرْوَاحِ. إِذَا قَبَضَ فَلَا طَاقَةَ وَإِذَا بَسَطَ فَلَا فَاقَةَ." [1]

"ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر چیز میں قبض اور بسط (یعنی تنگی اور کشادگی) فرماتے ہیں۔ خواہ وہ اخلاق ہوں، رزق ہو، اجسام یا ارواح ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں تنگی فرما دیں تو کوئی طاقت اس میں وسعت پیدا نہیں کر سکتی اور جب اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرما دیں تو کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔"

❷ "أَيْ مُضَيِّقُ الرِّزْقِ وَغَيْرِهِ عَلَىٰ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ، كَيْفَ شَاءَ وَمُوَسِّعُهُ." [2]

"یعنی رزق وغیرہ کو تنگ کرنے والا جس پر چاہے، جو چاہے، جس طرح چاہے اور اسی طرح رزق میں کشادگی کرنے والا ہے جس پر چاہے جو چاہے اور جس طرح چاہے۔"

❸ "القابض و الباسط جل جلالہ" وہی ذات ہے جو موت کے وقت روحوں کو جسموں سے قبض کرتی ہے اور زندگی دینے کے لئے روحوں کو جسموں میں پھیلا دیتی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: قبض و بسط دلوں پر کبھی تو گمراہی اور ہدایت کے اعتبار سے جاری ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ بعض دلوں کو گمراہی سے تنگ کر دیتے ہیں اور بعض دلوں کو ہدایت سے کشادہ فرما دیتے ہیں)۔ اور بعض اوقات یہ "قبض و بسط" (یعنی کشادگی اور تنگی) دلوں پر خشیت اور امید کے اعتبار سے ہوتا ہے۔" [3]

---

[1] مرقاة كتاب أسماء الله تعالى: ۵/۸۷

[2] مرقاة كتاب أسماء الله تعالى، باب شرح أسماء الله الحسنى: ۵/۸۹

[3] "اَلْقَابِضُ، اَلْبَاسِطُ" وَقِيْلَ هُوَ الَّذِيْ يَقْبِضُ الْأَرْوَاحَ مِنَ الْأَشْبَاحِ عِنْدَ الْمَمَاتِ، وَيَنْشُرُ الْأَرْوَاحَ فِي الْأَجْسَادِ عِنْدَ الْحَيَاةِ. وَقِيْلَ: يَقْبِضُ الْقُلُوْبَ وَيَبْسُطُهَا تَارَةً بِالضَّلَالِ وَالْهُدَىٰ، وَأُخْرَىٰ بِالْخَشْيَةِ وَالرَّجَاءِ" (شرح طيبى: الدعوات، باب أسماء الله تعالى ۵/۳۶)

تنگی وکشادگی "الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف سے ہے

تنگی وکشادگی سب "الْقَابِضُ و الْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا، ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنا دینا، سب اسی "الْقَابِضُ و الْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ہاتھ میں ہے۔

بعض مرتبہ عقل وشعور اور ظاہری اسباب ووسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک ہی طرح کا کاروبار شروع کرتے ہیں، لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اسے وسعت نصیب ہو جاتی ہے، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔

آخر یہ کون سی ہستی ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت وفراوانی والے شخص کو محتاج اور محتاج کو مال ودولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک "الْقَابِضُ و الْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ہاتھ میں ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

اسی چیز کو قرآن کریم میں طالوت کے واقعے سے سمجھایا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت شمویل عَلَیْہِ السَّلَام سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دیں اس کے ساتھ مل کر ہم دشمن سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جو غریب اور محنتی آدمی تھے، اُن پر بادشاہ بنا دیا، جو بنی اسرائیل کی نظر میں سلطنت کے قابل نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔"

"قبض وبسط" فراخی اور تنگی، نہ عقل کی کمی وزیادتی پر منحصر ہے، نہ لیاقت وقابلیت پر، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی دین ہے، جس کو چاہے جس حال میں اور جس طرح رکھے۔

چنانچہ امام احمد بن اسحاق بن یحییٰ راوندی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی[2] فرماتے ہیں:

"تم دیکھو گے بہت سے پڑھے لکھے سمجھدار کہ ان پر روزی کے اسباب تنگ ہوتے ہیں۔"

---

[1] البقرۃ: ۲۴۷

[2]
كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ ... وَكَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا
هٰذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً ... وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيرَ زِنْدِيقًا

(مختصر المعاني: ص ۱۲۲)

اور بہت سے ایسے لوگ کہ روزی کمانے کے ہنر سے ناواقف ہونے کے باوجود ان پر روزی کی خوب فراوانی ہے۔ اسی بات نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے (کہ زور زبان والوں کے لئے یہی چیز دل کی تقویت کا باعث بنی ہے کہ روزی کے خزانے اسی ذات کے قبضے میں ہیں جو "القابض والباسط جل جلالہ" ہے) اور مجھ جیسے عالم کو پریشان کر دیا ہے۔"

فراوانی اور کشادگی میں الباسط جل جلالہ کی حکمتیں

اب "الباسط جل جلالہ" نے جہاں بسط (فراوانی) رکھی ہے تو دنیا کے لئے بسط میں خیر ہے اور جہاں قبض (تنگی) رکھی ہے، وہاں قبض ہی میں خیر ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾ [1]

ترجمہ: "اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔"

حکمت نمبر 1 آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر دنیا کے ہر فرد پر ہر قسم کے رزق اور ہر قسم کی نعمت کی فراوانی کر دی جاتی تو انسانوں کا ایک دوسرے کے خلاف سرکشی و فساد حد سے بڑھ جاتا۔ اس لئے کہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے نہ کوئی کسی کا محتاج ہوتا اور نہ کوئی کسی سے دبتا۔ دوسری طرف دولت مندی کی ایک خاصیت یہ ہے کہ جتنی دولت بڑھتی ہے اتنی ہی حرص و ہوس میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک دوسرے کی املاک پر قبضہ جمانے کے لئے زور و زبردستی کا استعمال عام ہو جاتا۔ خونریزی، جھگڑے، سرکشی اور دوسری بد عنوانیاں حد سے بڑھ جاتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمت دینے کے بجائے ان نعمتوں کو اپنے بندوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ کسی کے پاس مال و دولت زیادہ ہے، کوئی صحت و قوت میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہے، کوئی حسن و جمال سے مالا مال ہے، کسی کے پاس علم و حکمت کی دولت دوسروں سے زیادہ ہے۔ غرض ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لئے دوسروں کا محتاج ہے اور اسی باہمی احتیاج پر تمدن کی عمارت قائم ہے۔

﴿وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾ کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ نے اپنی نعمتیں ایک خاص اندازے سے دنیا کے لوگوں پر نازل کی ہیں اور آگے ﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (بے شک وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے) فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس شخص کے لئے کون سی نعمت مناسب ہے اور کون سی نقصان دہ۔

لہٰذا اس نے ہر شخص کو مناسب نعمتیں دی ہیں اور اگر کسی سے کوئی نعمت سلب کر لی ہے تو وہ اس کی اور پورے عالم کی

---

[1] الشوریٰ: ۲۷

مصلحت ہی کی بنا پر سلب کی ہے اور یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر فرد کے بارے میں یہ مصلحت ہماری سمجھ میں بھی آجائے، کیوں کہ یہاں ہر انسان اپنی معلومات کے ایک محدود دائرے میں رہ کر سوچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری کائنات کی مصلحتیں ہیں، اس لیے اس کی تمام حکمتوں تک رسائی ممکن ہی نہیں ہے۔

اس کی ایک محسوس نظیر یہ ہے کہ ایک دیانت دار سربراہ مملکت بسا اوقات ایسے احکام جاری کرتا ہے جو بعض افراد کے خلاف پڑتے ہیں اور وہ ان کی وجہ سے مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو شخص کسی طرح مصائب کا شکار ہوا ہے، وہ چوں کہ صرف اپنے مفاد کے محدود دائرے میں رہ کر سوچ رہا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ اسے سربراہ مملکت کا یہ اقدام برا محسوس ہو، لیکن جس شخص کی نگاہ پورے ملک وقوم کے حالات پر ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ کسی ایک شخص کے مفاد پر پورے ملک کو قربان نہیں کیا جاسکتا، وہ اس اقدام کو برا خیال نہیں کرتا۔

اب جو "العلیم والخبیر، القابض والباسط جل جلالہ" پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے، اس کی حکمتوں کا احاطہ آخر کیسے کیا جاسکتا ہے۔

اگر یہ نکتہ ذہن میں رہے تو وہ اوہام اور وسوسے خود بخود کافور ہو سکتے ہیں، جو دنیا میں کسی شخص کو گرفتار مصائب دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں۔۔۔ صلاحیتوں۔۔۔۔ استعدادوں۔۔۔۔ کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا، وہ ہر بندہ کو اس کے ظرف، ضرورت ومصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے، ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوش حال ہی بنا دے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن وآشتی کے فتنہ وفساد برپا ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر ونافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔[1]

حکمت نمبر ②: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کا مال ودولت میں مساوی ہونا۔۔۔ نہ ممکن ہے نہ مطلوب، اور نہ نظام عالم کی تکوینی مصلحتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں۔[2]

اسی کو حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۲۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کو قدرت تو ہر چیز کی تھی، وہ سارے انسانوں کو یکساں مالدار بنا دیتے، سب کو تندرست رکھتے، کوئی بیمار نہ ہوتا، سب کو عزت وجاہ کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کر دیتے، کوئی ادنیٰ یا کم رتبہ نہ رہ جاتا، مگر نظام عالم میں اس کی وجہ سے بڑے رخنے پیدا ہوتے، اس لیے حق تعالیٰ نے کسی کو مال دار بنایا۔۔۔۔ کسی کو غریب اور مفلس۔۔۔۔ کسی کو قوی۔۔۔۔ کسی کو ضعیف۔۔۔۔ کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو صاحب عزت وجاہ۔۔۔۔ کسی کو گمنام۔ اس اختلاف انواع واصناف اور اختلاف احوال میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے، غنی کے شکر کا۔۔۔۔ غریب کے صبر کا۔۔۔۔ امتحان ہے، اسی طرح بیمار وتندرست کا حال ہے۔

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح بسط یا قبض بعض طالب حق کے حق میں مضر ہوتا ہے، اس لیے اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہونا چاہیے۔ التفسیر الماجدی: ۳۷۲/۲

[2] معارف القرآن: ۶۹۹/۷، الشوریٰ: ۲۷

دیں کہ اللہ کی برف کے نیچے اس "المفضل جل جلالہ" نے یہ دو مخلوقات بنادی ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس نے ہر چیز میں سختی اور بلندی رکھی ہے۔[1]

المرتفع جل جلالہ کی دوسروں کو عطا کردہ غیر اختیاری فضیلتوں کی تمناشہ کریں

دنیا میں مدار فضیلت دو چیزیں ہیں: ایک غیر اختیاری ہے جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسری اختیاری جو اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سے حاصل ہوتی ہے۔

دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اس چیز کے کسب و عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بلا واسطہ خالق کائنات کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس نے سات آسمان پیدا کئے، ان میں سے سب سے اونچے آسمان کو دوسروں پر فضیلت دے دی، حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا۔

پھر اس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور ان میں سے اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اولوالعزم رسولوں پر۔

پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام کو ساری دنیا کے دوسرے لوگوں پر پھر قریش کو ان سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور اولاد بنی آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر (اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی)۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے سلف امت کو بقیہ دوسرے مسلمانوں پر فضیلت دینا، یہ سب درحقیقت "المرتفع جل جلالہ" کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح زمین کے بہت سے مقامات کو دوسرے مقامات پر اور بہت سے دنوں اور راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں پر فضیلت دینا، یہ سب اسی کے اختیار اور انتخاب کا اثر ہے۔ غرض فضیلت و مفضولیت کا اصل معیار تمام کائنات میں یہی انتخاب و اختیار ہے۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾[2] "یعنی آپ کا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے۔" اس آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام و اعزاز کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں اور امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول اس آیت میں مشرکین کے اس قول کا جواب ہے جو وہ کہا کرتے تھے۔ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾[3]

ترجمہ: "یعنی یہ قرآن اللہ کو نازل کرنا ہی تھا تو عرب کے دو بڑے شہروں مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری ۱۴۹ [2] القصص ۶۸ [3] زخرف ۳۱

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (الرعد:۲)
’’اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو۔‘‘
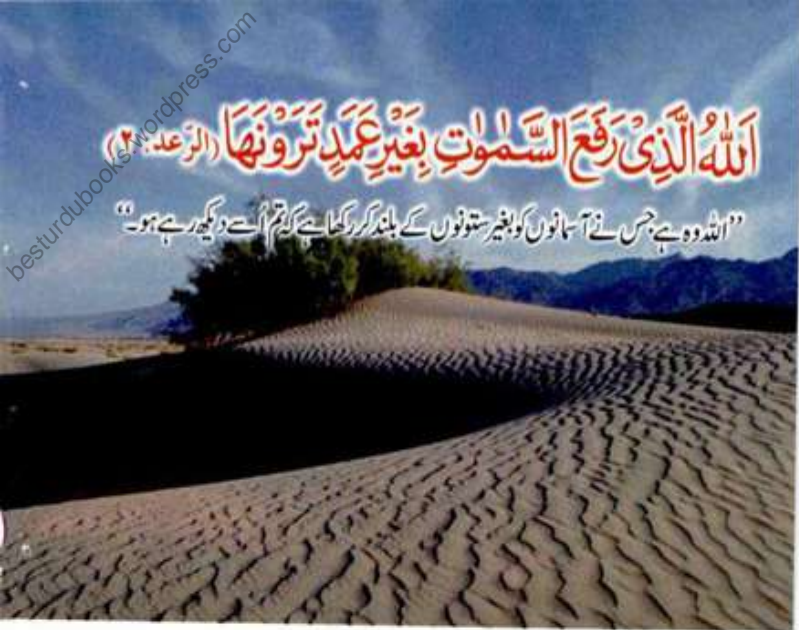
پر نازل فرماتا" (کہ اس کی قدر و حاجت پہچانی جاتی۔ ایک یتیم مسکین پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟)

اس کے جواب میں فرمایا "جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے، یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے کسی خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرے۔ اس میں وہ تمہاری تجویز کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے فلاں نہیں۔" [1]

سارے کے سارے اختیارات صرف اور صرف اسی "المختار المعز جل جلالہ" کو حاصل ہیں۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ [2]

ترجمہ: "اور تم کسی ایسی چیز کی تمنا مت کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

المختار جل جلالہ نے جو درجہ دیا اس پر شکر کریں

قرآن کریم میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضہ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کی کوشش و عمل کا کوئی دخل نہیں۔ وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا ...... یا کسی کا خاندان نبوت میں سے ہونا ...... یا خاندان حکومت میں پیدا ہونا ...... یا حسین و جمیل پیدا ہونا ...... وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے یا خاندانی سید بن جائے، اس کا رنگ و روپ، قد و قامت حسین ہو جائے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں۔ نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے، تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں۔ اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرمناک اور مضر خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں، فسادات قتل و غارت گری کا سبب ہے۔

[1] معارف القرآن ج ۶ سورۃ القصص ۶۸ — [2] النساء: ۳۲

سے بلا وقت مبتلا ہوا کرتے ہیں، بعض تو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش و آرام اور سکون و اطمینان کو دنیا ہی میں برباد کر لیتے ہیں اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برباد ہوئی، کیونکہ حسد بے گناہ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی اور کم ہمتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عملی پر پردہ ڈالنے کے لئے قسمت و تقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا کہ جو کمالات و فضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب وسعی (کوشش) موثر نہیں، ان فضائل کو تو حوالہ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے، اس پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اس سے زائد کی تمنا بھی لغو فضول اور رنج و غم کا باعث ہے اور جو فضائل و کمالات اختیاری ہیں، جو کسب و عمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وسعی اور جدوجہد بھی ہو اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی و عمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی بلکہ ہر ایک کو بقدر محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

آیت بالا میں اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی کمال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو تمہیں کرنا یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کی درخواست کرو کیونکہ فضل خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال و دولت فضل الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہو جائے تو گناہ و کفر میں مبتلا ہو جائے اور کسی کے لئے تنگی اور تنگ دستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مالدار ہو جائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہو جائے، اسی طرح کسی کی عزت و جاہ کی صورت میں فضل الٰہی ہوتا ہے، کسی کے لئے گمنامی اور کس مپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقت حال پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کو عزت و جاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصف معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو تاکہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

آخر آیت میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس میں اشارہ فرما دیا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عین حکمت اور عین عدل و انصاف ہے۔

جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت و عدل تھا، مگر چونکہ انسان کو اپنے اعمال کے انجام کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے (لہٰذا انسان کو

تقسیم الٰہی پر راضی رہنا چاہیے۔ [1]

الرفیع جل جلالہٗ نے عزت و بلند مرتبہ اپنے کلام میں رکھا ہے

واقعہ نمبر ۷: ”حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا۔ ان سے ایک مرتبہ دریافت فرمایا: جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟

انھوں نے کہا: ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ابن ابزیٰ کون شخص ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ہمارا ایک غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اعتراضاً) فرمایا: غلام کو امیر کیوں بنا دیا؟ انھوں نے کہا: کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حق تعالیٰ شانہٗ اس کلام کی بدولت بہت سے لوگوں کے رفع درجات فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پست کرتے ہیں۔“ [2]

اللہ تعالیٰ نے عزت و افتخار اپنے کلام میں رکھا ہے۔ اس کی تلاوت کرنے، اس کے مطابق عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین قرار دیے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو عزت و شرف کی چیز ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی قرآن مجید کی تعلیمات حاصل کرکے اس پر عمل پیرا ہو کر اعزاز حاصل کرنا چاہیے۔

انسان کی پستی کا سبب الرفیع جل جلالہٗ کی ناشکری ہے

واقعہ نمبر ۴۹: بنی اسرائیل کے ایک عالم مقتدا کی گمراہی کا عبرت ناک واقعہ ہے۔ جو حضرت ابن مردویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس شخص کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ یہ ملک شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم اس کو حاصل تھا۔ قرآن کریم میں جو اس کی صفت میں ﴿الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ [3] فرمایا ہے، اس سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر ماجدی میں ہے: ”یعنی اسے اپنے احکام علم کی نعمت ہم نے عطا کی تھی۔ ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ یعنی اس نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی، بلکہ تمرد و سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔“ [4]

---

[1] معارف القرآن: ۷/۷۳۲ الفرقان: ۲۲

[2] عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يرفع بهذا الكتاب أقوامًا ويضع به آخرين. (مسلم، فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن: ۸۱۷)

[3] الاعراف: ۱۷۵

[4] تفسیر ماجدی: ۲/۹۰ الاعراف: ۱۷۵

جب غرقِ فرعون اور فتحِ مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قومِ جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچ گئے اور ان کے مقابل قومِ فرعون کا غرق ہلاک ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا تو ان کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں، اور وہ اس لئے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں۔ آپ خدا تعالیٰ سے بد دعا کر دیں کہ ان کو ہمارے مقابلے سے واپس کر دیں۔ وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعوراء کو اسمِ اعظم معلوم تھا اور وہ اس کے ذریعے جو دعا کرتا تھا وہ قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا افسوس ہے تم کیسی بات کہتے ہو، وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں، میں ان کے خلاف بد دعا کیسے کر سکتا ہوں؟ حالانکہ ان کا جو مقام اللہ کے نزدیک ہے وہ بھی میں جانتا ہوں۔ اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

جب ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا اچھا میں اپنے رب سے اس معاملے میں معلوم کر لوں کہ ایسی دعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لئے استخارہ یا کوئی اور عمل کیا۔ خواب میں اس کو بتلایا گیا کہ ہرگز ایسا نہ کریں۔ اس نے قوم کو بتلا دیا کہ مجھے بد دعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس وقت قومِ جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو درحقیقت رشوت تھی۔ اس نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کر دیں اور ان کے اصرار [illegible] بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ ہدیہ قبول کر لیں اور ان کا کام کر دیں۔ اس وقت بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بد دعا کرنی شروع کی۔

اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلمات بد دعا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا وہ اس کی زبان سے وہ الفاظ بد دعا خود اپنی قومِ جبارین کے لئے نکلے۔ وہ چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لئے بد دعا کر رہے ہو۔ بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے، میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینے پر لٹک گئی اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا و آخرت تباہ ہو گئی۔ اب دعا تو میری چلتی نہیں، لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعے تم موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم پر غالب آ سکتے ہو۔

وہ یہ ہے کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہیں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ لوگ مسافر ہیں، اپنے گھروں سے مدت سے نکلے

ہوئے ہیں، اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز ہے، جس قوم میں یہ ہو، اس پر ضرور قہر و عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ فلاح و کامران نہیں ہو سکتی۔

بلعم کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آ گئی اور اس پر عمل کیا گیا۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس وبال سے روکا، مگر وہ باز نہ آیا اور شیطانی جال میں مبتلا ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت قسم کا طاعون پھیلا، جس سے ایک روز میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے، یہاں تک کہ جس شخص نے برا کام کیا تھا اس جوڑے کو بنی اسرائیل نے قتل کر کے منظرِ عام پر لٹکا دیا کہ سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور پھر لوگوں نے توبہ کی، اس وقت یہ طاعون رفع ہوا۔[۱]

وہ ذات الْمُذِلُّ جَلَّ جَلَالُهُ (ذلت دینے والا) جب کسی پر سے کرم کی نگاہ ہٹا لے اور وہ خصوصی حفاظت سے محروم ہو جائے تو پھر وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کو چھوڑ کر شرک و کفر اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا ہے اور پستیوں میں جا گرتا ہے۔

لہٰذا ہمیشہ عافیت و حفاظت طلب کرتے رہنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں وہ نعمت سلب نہ فرمالے، اس کے لئے ان باتوں پر ہر ایک کو عمل کرنا چاہئے:

❶ اس کے غضب و غصے سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

❷ اپنے عمل کی قبولیت کے لئے خوب خوب دعا مانگتے رہنا چاہئے۔

❸ دوسروں کے عیوب دیکھنے سے خوب بچتے رہنا چاہئے۔

❹ اور یہ دعا اہتمام سے مانگنی چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ"[۲]

ترجمہ: الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھن جانے سے ... اور تیری عافیت کے پھر جانے سے ... اور تیرے ناگہانی عذاب سے ... اور تیرے ہر طرح کے غصے سے ...

اسی طرح نعمتوں کو باقی اور محفوظ رکھنے کے لئے یہ دعا مانگتے رہیں:

"اَللّٰهُمَّ لَا تَنْزِعْ مِنَّا صَالِحَ مَا اَعْطَيْتَنَا."[۳]

ترجمہ: اے اللہ! جو بھی نعمت آپ نے ہمیں عطا کی اس کو ہم سے نہ روکنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو الْمُذِلُّ جَلَّ جَلَالُهُ کی نگاہِ کرم اور اس کی حفاظت و پناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہمیں ان دعاؤں کا اہتمام اور زیادہ کرنا چاہئے۔[۴]

[۱] معارف القرآن ۳/۶۲۹، الاعراف ۱۷۵　[۲] مسلم: الذکر والدعاء، باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء: ۲/۳۵۲

[۳] کنز العمال، الفروع والتوبۃ ۲/۶۸۰، رقم: ۵۰۸۴　[۴] معارف الحدیث: ۵/۱۰۰

المُعِزُّ جل جلالہٗ المُذِلُّ جل جلالہٗ

(عزت دینے والا، ذلت دینے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ "بعض صالحین فرماتے ہیں:

"المُعِزُّ جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جس نے اپنی حفاظت کے ذریعے اپنے دوستوں کو اعزاز بخشا پھر اپنی رحمت سے ان کو بخش دیا پھر ان کو اپنے "معزز گھر (یعنی جنت) میں منتقل فرمادے گا اور انہیں اپنے دیدار وزیارت سے نوازے گا۔

اور "المُذِلُّ جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جس نے اپنے دشمنوں کو اپنی معرفت سے محروم رکھ کر اور اپنی مخالفت میں ذلیل کر کے ذلیل فرمادیا پھر ان کو اپنے عقوبت خانے (جہنم) میں منتقل فرمادے گا اور انہیں وہاں چھوڑ کر اور اپنے سے دور رکھ کر رسوا کردے گا۔"[1]

عزت وذلت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

جیسے کہ ارشاد ہے۔ ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾[2]

ترجمہ: "جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔"

اس "المُعِزُّ جل جلالہٗ" نے انسان کو سب سے زیادہ معزز بنایا اور ان میں بھی عزت کے اعتبار سے بے شمار درجات ہیں، سب سے زیادہ عزت کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک متقی شخص کا ہے یعنی اس کا جو گناہوں سے بچنے والا ہے۔

عزت کا مدار تقویٰ پر ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾[3]

---

[1] وقال بعض الصالحين: "المعز" الذي أعز أولياءه بعصمته ... ثم غفر لهم برحمته ... ثم نقلهم إلى دار كرامته ... ثم أكرمهم برؤيته ومشاهدته ...

و"المذل" الذي أذل أعداءه بحرمان معرفته ... وركوب مخالفته ... ثم نقلهم إلى دار عقوبته ... وأهانهم بطرده وفرقته. (شرح الطيبي على المشكاة، باب أسماء الله تعالى ٥/٣٦)

[2] آل عمران ٢٦		[3] الحجرات ١٣

صرف دو قسمیں ہیں: (۱) نیک اور متقی، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ (۲) فاجر، شقی، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے اور لوگ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: دنیا کے لوگوں کے نزدیک عزت، مال و دولت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا۔ حق تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے، مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں اور قبیلوں میں فرمائی، اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے، مثلاً: ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہو سکتا ہے اور اس سے دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکتا ہے اور نسبی قرب و بعد کی مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں۔[2]

اکثر غیبت، طعن و تشنیع اور عیب جوئی کا منشا کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا یا چھوٹا ہونا، معزز یا حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوتا ہے اسی قدر "المُعِزُّ جل جلالہ" کے یہاں معزز و مکرم ہوتا ہے۔

نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم و حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی، مغل، فاروقی، صدیقی، عثمانی، علوی، خالدی اور انصاری سب کا سلسلہ آدم و حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوتا ہے، یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کئے ہیں۔

بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ معزز گھرانے میں پیدا کر دے، وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوب صورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت ٹھہرا لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔

ہاں البتہ شکر ضرور کرنا چاہیے کہ اس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو اخلاق بد اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہرحال بزرگی، شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں، تقویٰ و طہارت ہے۔[3]

---

[1] يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللّٰهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنَ التُّرَابِ، قَالَ اللّٰهُ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ﴾ (ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الحجرات: ۲/۱۶۱، ۳۲۷۰)

[2] معارف القرآن ۸/۱۲۵، الحجرات: ۱۳　　[3] تفسیر عثمانی ۱۸۶

"اللہ سمیع و بصیر سننے والے ہیں بغیر کسی کیفیت معلومہ کے ہوتے ہوئے، اس کی مخلوقات میں سے کسی کا کان کے سننے کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں ہے اور نہ ہی دیکھنے میں کوئی مشابہت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں ان الفاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی صورت و کیفیت کے اپنی تعریف کے لئے بتلائے ہیں۔[1]

یہ اسم قرآن مجید میں ۴۵ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[2]
2. ﴿وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[3]
3. ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾[4]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں دیگر اسماء مبارکہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

جیسے "سَمِيعٌ عَلِيمٌ، سَمِيعٌ بَصِيرٌ، سَمِيعٌ قَرِيبٌ."

ان اسماء کے تذکرہ میں بار بار ذکر کرنے میں عقل مند آدمی کے لئے نصیحت بھی ہے اور تنبیہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کا اور اس سے نکلنے والے اقوال و افعال کا محاسبہ کرتا رہے، کیونکہ "اللہ جل جلالہ" سے بندوں کا کوئی بھی قول و فعل چھپا ہوا نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں کے تمام اعمال محفوظ ہیں جن کا بدلہ انہیں آخرت میں دیا جائے گا، اگر اعمال اچھے ہوں گے تو اس کا بدلہ بھی اچھا ہوگا اور اگر اعمال برے ہوں گے تو ان کا بدلہ بھی برا ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں، دیکھتے بھی ہیں، جانتے بھی ہیں اور ہر شخص سے قریب بھی ہیں۔[5]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾[6]

سمیع: ظاہر و اقوال کو سننے والا، اور بصیر: احوال کا حال جاننے والا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں:

"پاک ہے وہ ذات جس کے سننے کی طاقت سارے جہاں کی آوازوں پر محیط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جو عورت اپنے شوہر کے جھگڑے کے بارے میں حضور ﷺ کو بتلا رہی تھی اور وہ اپنے شوہر کی شکایت میرے گھر کے کونے میں حضور ﷺ سے کر رہی تھی، میں پوری بات اتنی نزدیک ہوتے ہوئے بھی اچھی طرح نہ سن سکی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی

---

[1] فهو سميع ذو سمع، بلا تكييف، ولا تشبيه بالسمع من خلقه، ولا بصره كبصر خلقه، ونحن نصف الله بما وصف به نفسه بلا تحديد ولا تكييف. (التبصير ...) نقلا عن النهج الأسمى ۲۶۷/۱

[2] البقرة ۱۲۷ [3] المائدة ۷۶ [4] لقمان ۲۸ [5] النهج الأسمى ۲۶۳/۱ [6] المجادلة ۱

میں کمی نہیں آتی۔

پھر اس کے قبر کے پاس جاتا اور اپنی مرادیں ان کو سناتا کتنی ہی جاہلانہ احمقانہ حرکت ہوتی۔ خصوصاً بزرگوں کی قبروں مزاروں پر جا کر ان کو اپنی مرادیں سنانا، جو زندگی میں ہی تو سب کی آوازیں سن نہیں سکتے۔ سن لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔ قبول کر لیں تو دے نہیں سکتے۔ تو مرنے کے بعد کیا دیں گے، اسی لئے شرک کو اتنا بڑا گناہ کہا گیا ہے۔

اس لئے آج فیصلہ کرتی ہوں کہ اپنی مرادیں کسی بھی مخلوق کو نہیں سنائیں گے صرف اور صرف اسی "اَلسَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُهُ" کو سنائیں گے، نفلیں پڑھ پڑھ کر اسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے، زبان کھولیں گے۔

ایک بزرگ نے خوب فرمایا ہے: ؎

جو سنتا ذرہ ذرہ بکھرے سارے ذرہ ذرہ ذرہ ہو　　　اور جو ایک ہی ذرہ کا ہو رہے اسے کائنات کا ذرہ ذرہ ہو

امام اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے سننے اور خالق کے سننے کے درمیان ایک فرق بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو جو سماعت دی ہے وہ محض اپنے فضل و کرم سے دی ہے۔ اس لئے وہ دی ہوئی ہے ذاتی نہیں ہے، عارضی اور فانی ہے۔

انسان کو بچپن میں اتنا کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ وہ سن نہیں سکتا اور اگر سن بھی لے تو اس کو سمجھ نہیں سکتا اور جب بڑا ہو کر سمجھتا ہے تو ان آوازوں میں فرق سمجھ کر اور پھر ان آوازوں کو سوچ کر مناسب الفاظ سے جواب دیتا ہے اور اچھے کلام کو برے کلام سے الگ کرتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس کے سننے کی حد ہے کہ جب آواز دور سے آئے تو وہ سن نہیں سکتا اور بہت سارے لوگ ایک وقت میں اس سے بات کریں تو وہ کسی ایک کی بھی بات کو بھی طرح نہیں سن سکتا اور جواب بھی نہیں دے سکتا۔

اس کے برخلاف "اَلسَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جو اپنی تمام مخلوقات کی دعاؤں اور ان کے الفاظ کو سننے والا ہے، چاہے وہ مخلوقات اجتماعی طور پر مانگیں ...... یا انفرادی طور پر ...... باوجودیکہ ان کی زبان اور ان کے الفاظ الگ الگ ہوں، مختلف زبانوں میں مختلف مخلوقات اس کو پکاریں تو ایک ہی وقت میں ساری مخلوقات کی آوازیں سن سکتا ہے اور اس "اَلسَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُهُ" کی شان تو اس سے بھی اونچی ہے کہ جو الفاظ ابھی تک زبان سے ادا بھی نہیں ہوئے اور دل ہی دل میں وہ خیالات کی شکل میں ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے اسی کو فرما رہے ہیں:

"يَعْلَمُ مَا فِي قَلْبِ الْقَائِلِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ"

کہنے والے کے کہنے سے پہلے جو کچھ بھی اس کے دل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتے ہیں اور جب کہنے والا اپنی بات کو بیان کرنے سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ وہ بات بھی جانتے ہیں اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے اس کی دعا پر یا بغیر مانگے اس کو عطا کر دیتے ہیں۔ مخلوقات کی صفت سماعت تو موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سنتا

لہٰذا روزانہ دین کی باتیں سیکھنے کا معمول بنائیں، گھروں میں فضائل اعمال، منتخب احادیث، معارف الحدیث ان کتابوں میں سے ایک پڑھیے، تو باقی حصّہ تمام نعمتوں کا شکر ادا ہو۔

ایک بہت پیاری دعا

③ ایک حدیث میں "اَللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تفسیر سے متعلق ایک بہت پیاری دعا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اس دعا کا ترجمہ خوب اچھی طرح ذہن میں رکھ کر اس کے مفہوم کو خوب مستحضر کر کے رٹ لے۔ اس دعا کو مانگے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اپنے دل میں بٹھائے۔

۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جب اللہ تعالیٰ کے خصوصی مہمان حجاج بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں، اس دن وہاں رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، وہ قبولیتِ دعا کا خاص بڑا موقع ہے۔ اس موقع کی جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں وہ ذیل میں پڑھیے۔ اور ان دعاؤں کو "اَللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی بارگاہ میں مانگیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی دعا تھی:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ، وَتَرٰى مَكَانِيْ، وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ، لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِيْ، وَأَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ، الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ، الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ، الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ، أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ، وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ، وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ، وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهٗ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا، وَكُنْ بِيْ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ، وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے۔۔۔ اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے۔۔۔ اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے۔۔۔ تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔۔۔ میں دکھی ہوں۔۔۔ محتاج ہوں۔۔۔ فریادی ہوں۔۔۔ پناہ کا طلب گار ہوں۔۔۔ لرزاں ہوں، (ترساں ہوں) ہراساں ہوں۔۔۔ اپنے گناہوں کا اقراری ہوں۔۔۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے۔۔۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے۔۔۔ اور تجھ سے دعا کرتا ہوں جیسے کوئی ڈرنے والا آفت رسیدہ دعا کرتا ہے۔۔۔ اس کی

[1] البداية والنهاية: ذكر مواقفه صلى الله عليه وسلم بين الصفا والمروة ۱۶۷/۵

یہ اسم قرآن کریم میں بیالیس (۴۲) مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

❶ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾[1]

❷ ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾[2]

❸ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾[3]

مخلوقات کو قوتِ بصارت البصیر جل جلالہ نے عطا فرمائی

اللہ رب العزت بندوں پر اپنی نعمت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ﴾[4]

اس آیت میں چند ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں اسکو عطا فرمائی ہیں کہ غور ان کی صنعت و حکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت و قدرت کا نظارہ انہی چیزوں میں کرے۔ ان میں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شریانیں (رگیں) ان میں قدرتی روشنی، پھر آنکھوں کی وضع و ہیئت کہ یہ نازک ترین عضو ہے اس کی حفاظت کا کیا سامان خود اس کی خلقت میں کیا گیا، اس کے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خودکار مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں، ان پردوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے گئے جو ضرر کو روک دیتی ہیں، اس کے اوپر بھوؤں کے بال رکھے کہ اوپر سے آنے والی چیز کو براہِ راست آنکھ میں نہ پہنچنے دیں، اس کو چہرے سے اندر اس طرح فٹ کیا گیا ہے کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسار کی سخت ہڈی ہے، اگر کبھی چہرے کے بل گر جائیں یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آ جائے تو وہ نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچا لیں گی۔[5]

علامہ طنطاوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنکھوں کی دنیا اور آنکھوں کی قسمیں اس قدر ہیں کہ بیان میں نہیں سما سکتیں، بعض مخلوق بے چشم ہے مگر وہ کانوں یا پنکھوں وغیرہ سے دیکھتی ہیں۔

چمگادڑ سماعت سے بصارت کا کام لیتا ہے جیسے صاحبِ بصارت سے سماعت کا کام نکلتا ہے، بہت سے حشرات الارض اپنے سر کے ہونٹوں سے بصارت کا کام لیتے ہیں جو مختلف طرح کے ہیں، میں نے نابینا ایسے دیکھے جو اپنے ہاتھوں سے دیکھتے تھے اور چیز کے رنگ کی پہچان کر لیتے تھے، اپنی جیبی گھڑیوں سے وقت دیکھ لیتے تھے جس پر آئینہ چڑھا ہوتا تھا۔

البصیر جل جلالہ نے ایسی بصارتیں پیدا کر دیں جو سمندر کی تہ میں بھی دیکھ سکتی ہیں اور زمین کی گہرائیوں میں

---

[1] البقرۃ ۲۳۳ [2] آل عمران ۱۵ [3] الحدید ۴ [4] البلد ۸، ۹ [5] معارف القرآن ۸/۷۵۸

بھی تو اس سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے؟

ہدہد ذرا سا جانور یہ معلوم کر لیتا ہے کہ کس زمین کی تہہ میں پانی ہے اور کس میں نہیں، تب ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی ضرورت پڑی تھی، کیونکہ فوج پیاسی تھی اور پانی نہ تھا، ہدہد کی یہ خصوصیت تھی، اس کی بصارت سے مخفی نہیں ہوتی۔[1]

سب کی نگاہیں مل کر بھی اَلْبَصِيْرُ جَلَّ جَلَالُهُ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾[2]

ترجمہ: "اس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی اور وہ سب کی نگاہوں تک پہنچ جاتا ہے۔"

یعنی ساری مخلوقات جن و انس، ملائکہ اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ جل شانہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان کا دیکھنا ان سب پر محیط ہے، اس مختصر سی آیت میں "اَلْبَصِيْرُ جَلَّ جَلَالُهُ" کی عظیم صفت کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بلکہ سب کی نگاہیں مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جہان کے سارے انسان، جنات، فرشتے اور شیاطین جب سے پیدا ہوئے اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔[3]

یہ خاص صفت "اَلْبَصِيْرُ جَلَّ جَلَالُهُ" ہی کی ہو سکتی ہے، ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی چھوٹی سی چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کرے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا احاطہ کر سکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کتنے بڑے بڑے کرے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ ان کرّوں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں ان کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حاسہ ہے جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہو سکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل و وہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہے اور انسانی حواس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتی، اسی لیے دنیا کے عقلاء و فلاسفر جنہوں نے عقلی دلائل سے خالق کائنات کا پتہ

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۹۰

[2] الانعام: ۱۰۳ [3] تفسیر ابن کثیر ۱۹۸/۲، الانعام: ۱۰۳، التفسیر المنیر ۳۱۱/۴

کائنات اور اس کی ذات وصفات کے ادراک کے لئے اپنی عمریں بحث وتحقیق میں صرف کیں اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف ومشاہدہ کے راستے سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت کو کسی نے نہیں پایا ہے۔[1]

"البصیر جل جلالہ" وہ ذات ہے جو دونوں سمع وبصر کا مالک ہے۔

﴿أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ﴾[2]

ترجمہ: "کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟"

قرآن کریم نے بڑے حکیمانہ اور مربیانہ طریق پر مشرکین کی آنکھیں کھولنے کے لئے ان سے چند سوالات کئے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا ان لوگوں سے کہئے کہ آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ یہ کان اور آنکھوں کا کون مالک ہے کہ جب چاہے ان میں شنوائی اور بینائی پیدا کردے اور جب چاہے سلب کرلے اور کون ہے جو مردہ چیز میں سے زندہ کو پیدا کر دیتا ہے؟ جیسے مٹی سے گھاس اور درخت یا نطفہ سے انسان اور جانور یا انڈے سے پرندہ اور زندہ میں سے مردہ کو پیدا کر دیتا ہے جیسے انسان اور جانور سے نطفہ بے جان پیدا کرتا ہے اور کون ہے جو تمام کائنات کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟

پھر فرمایا جب آپ ان لوگوں سے یہ سوال کریں گے تو سب کے سب یہی کہیں گے کہ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے! تو آپ ان سے فرما دیں کہ پھر تم کیوں اللہ سے نہیں ڈرتے؟

جب ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا اور باقی رکھنے والا اور ان سب کے کام میں لگانے کا انتظام کرنے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر عبادت واطاعت کا حق دار اس کے سوا کسی کو کیوں بناتے ہو۔[3]

رب العالمین وہ ذات ہے جس نے کان کی ہڈی کو سنتا، آنکھ کی چربی کو دیکھتا اور زبان کے گوشت کو بولتا کیا ہے۔

رب العالمین وہ ذات ہے کہ سمندروں کی گہرائیاں، رات کی تاریکیاں اس کی دید کے لئے مانع نہیں، دلوں کی حالتیں اور طبع کے اطوار سب اس کی نظر کے سامنے ہیں۔[4]

جب انسان کے دل میں یہ استحضار ہو کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ استحضار اس کو گناہ سے بچاتا ہے۔ اسی طرح "البصیر جل جلالہ" کا استحضار دل میں جتنا زیادہ ہوگا اور جس قدر اس نام مبارک کی طرف توجہ رکھی جائے گی تو گناہ کے تصور سے بھی انسان لرز جائے گا اور عبادت ومناجات کا حظ دوبالا ہو جائے گا۔

او جان! کوئی تمہیں دیکھ رہا ہے

واقعہ نمبر (۵۶): کہتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے بچے کو مدرسے میں داخل کیا، قاری صاحب روزانہ درس کے بعد یہاں

[1] معارف القرآن جلد ۳ الانعام ۱۰۳ [2] یونس ۳۱
[3] معارف القرآن ۴/۵۳۲ یونس ۳۰ [4] شرح اسماء الحسنیٰ منصورپوری ۷۸

آگے کیا ہوگا

واقعہ نمبر ۵۵ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم عالیہ فرماتے ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جا رہے تھے، جب ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے تو محسوس کیا کہ ان کے ساتھ سامان مقررہ حد سے زیادہ ہے جو ایک مسافر کو بک کرائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، چنانچہ حضرت اس کھڑکی پر پہنچے جہاں سامان کا وزن کر کے زائد سامان کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے، تاکہ سامان بک کرا سکیں، کھڑکی پر ریلوے کا جو افسر کار موجود تھا وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کو جانتا تھا اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ جب حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سامان بک کرنے کی فرمائش کی تو اس نے کہا کہ مولانا! رہنے بھی دیجئے، آپ سے کیا سامان کا کرایہ وصول کیا جائے؟

آپ کو سامان بک کرانے کی ضرورت نہیں، میں انجن کے گارڈ سے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ کو سامان کی وجہ سے کچھ نہیں کہے گا۔

مولانا نے فرمایا یہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟

ریلوے افسر نے جواب دیا "غازی آباد تک"۔

پھر مولانا نے پوچھا: "غازی آباد کے بعد کیا ہوگا؟"

افسر نے کہا "یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے بھی کہہ دے گا"

مولانا نے پوچھا: "وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائے گا؟"

افسر نے کہا "وہ کانپور تک آپ کے ساتھ جائے گا۔"

مولانا نے پوچھا "پھر کانپور کے بعد کیا ہوگا؟"

افسر نے کہا "کانپور کے بعد کیا ہونا ہے؟ وہاں تو آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔"

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نہیں، میرا سفر تو بہت لمبا ہے، وہ کانپور پر ختم نہیں ہوگا، اس لمبے سفر کی انتہا تو آخرت میں ہوگی، یہ بتائیے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ یہ سامان تم کرایہ دیئے بغیر کیوں اور کس طرح لے گئے؟ تو یہ گارڈ صاحبان میری کیا مدد کر سکیں گے؟""

پھر مولانا نے ان کو سمجھایا کہ یہ ریل آپ کی یا گارڈ صاحب کی ملکیت نہیں ہے۔

اور جہاں تک مجھے معلوم ہے ریلوے کے محکمے کی طرف سے آپ کو یا گارڈ صاحب کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس مسافر کو چاہیں ٹکٹ کے بغیر یا اس کے سامان کو کرائے کے بغیر ریل میں سوار کرا دیا کریں۔ لہٰذا اگر میں آپ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر بغیر کرائے کے سامان لے بھی جاؤں تو یہ میرے دین کے لحاظ سے چوری میں داخل ہوگا، اور مجھے اللہ

تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہ کا جواب دینا پڑے گا اور آپ کی رعایت مجھے بہت مہنگی پڑے گی، لہٰذا براہِ کرم مجھ سے پورا پورا کرایہ وصول کر لیجئے۔

ریلوے کا وہ اہلکار والد کو دیکھتا رہ گیا، لیکن پھر اس نے تسلیم کیا کہ بات آپ ہی کی درست ہے۔

ٹکٹ خرید کر پھاڑ دیا

واقعہ نمبر (۳۷) اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیش آیا، وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے، لیکن دیکھا کہ جس درجے کا ٹکٹ لیا ہوا ہے، اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، گاڑی روانہ ہونے والی تھی اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ جا کر ٹکٹ تبدیل کروائیں، مجبوراً اوپر کے درجے کے ایک ڈبے میں سوار ہوگئے، خیال یہ تھا کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ تبدیل کرا لیں گے، لیکن اتفاق سے پورے راستے کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہ آیا، یہاں تک کہ منزل آگئی، منزل پر اتر کر وہ سیدھے ٹکٹ گھر پہنچے، وہاں جا کر معلومات کیں کہ دونوں درجوں کے کرائے میں کتنا فرق ہے؟

پھر اتنی قیمت کا ایک ٹکٹ وہاں سے خرید لیا اور وہیں پر پھاڑ کر پھینک دیا، ریلوے کے جس ہندو افسر نے ٹکٹ دیا تھا، جب اس نے دیکھا کہ انہوں نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیا ہے تو اسے سخت حیرانی ہوئی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دماغی حالت پر بھی شبہ ہوا ہو، اس لئے اس نے باہر آکر ان سے پوچھنا شروع کر دیا کہ آپ نے ٹکٹ کیوں پھاڑا؟

والد صاحب نے اسے پورا واقعہ بتایا اور کہا کہ اوپر کے درجے میں سفر کرنے کی وجہ سے یہ پیسے میرے ذمے رہ گئے تھے، ٹکٹ خرید کر میں نے یہ پیسے ریلوے کو پہنچا دیئے، اب یہ ٹکٹ بے کار تھا، اس لئے پھاڑ دیا۔ وہ شخص کہنے لگا: "مگر آپ تو اسٹیشن سے نکل آئے تھے، اب آپ سے کون زائد مطالبہ کر سکتا تھا" والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "جی ہاں، انسانوں میں تو اب کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، لیکن جس حق دار کے حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو، اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں، مجھے ایک دن ان کو منہ دکھانا ہے، اس لئے یہ کام ضروری تھا۔"

یہ دونوں واقعات قیام پاکستان سے پہلے اس دور کے ہیں جب برصغیر پر انگریزوں کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے دل میں اس حکومت کے خلاف جو نفرت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، چنانچہ ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں، خود حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ برملا اپنی اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ حکومت ہونی چاہئے جس میں غیر مسلموں کے تسلط سے آزاد ہو کر شریعت کے مطابق اپنا کاروبارِ زندگی چلا سکیں، لیکن انگریزی حکومت سے متنفر ہونے کے باوجود اس کے قائم کئے ہوئے محکمے سے تھوڑا سا فائدہ بھی معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل کرنا انہیں منظور نہ تھا۔[1]

---

[1] ذکر و فکر: [illegible]

اس "البصیر جل جلالہ" کا دھیان ہی تقویٰ و عبادت کی بنیاد ہے اور نماز میں اس کا دھیان جمانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان عبادت اس طرح کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، قیام میں سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، رکوع میں سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یعنی "البصیر جل جلالہ" کا مراقبہ کرے کہ اللہ جل جلالہ کا نام البصیر ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے، قیام کی حالت میں بھی وہ مجھے دیکھ رہا ہے، سجدہ کی حالت میں بھی وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

وہ ذات "البصیر جل جلالہ" ہے، جب کسی کو بصارت کے ساتھ ایمانی بصیرت بھی مل جاتی ہے تو اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اور ساری مخلوق اور پھیلے ہوئے دوسرے نقشے اسے بکھرے اور بے حیثیت نظر آتے ہیں۔ اعمالِ خیر میں کامیابی اور گناہوں میں واقعی نقصان نظر آتا ہے۔ جب دل کھل جاتا ہے بصارت ایمانی یعنی بصیرت عطا ہونے سے تو "اللہ اکبر" کہنے دینے میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے ہونے کا وہ تصور ہوتا ہے جو پہلے نہ تھا۔ پھر مخلوق کی نفی اور خود اپنی نفی کے دھیان کے ساتھ سارے کائنات کی بڑائی کا دھیان جاتا ہے، نمازوں اور ذکر میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا وجدان نصیب ہوتا ہے۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "البصیر جل جلالہ" یقین کرتا ہو ایسے کام نہ کرے جسے کسی دیکھنے والے کے سامنے نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اپنے آپ کو دے دے اور پھر دیکھے کہ دل اور دل کے خیالات کس قدر محفوظ ہو گئے ہیں۔[1]

❷ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ "البصیر جل جلالہ" کی نظر کے سامنے سمندر کی گہرائیاں اور رات کی تاریکیاں رکاوٹ نہیں۔ دلوں کی حاجتیں اور طبیعتوں کے خطرے سب اس کے سامنے ہیں، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، کالی رات میں چلتی چیونٹی کو، گہرے سمندر میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو، اس لئے بدنظری اور ہر اس بری بات کے کرنے سے اپنے آپ کو بچائے اور نظریں نیچی رکھے۔

❸ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ﴾[2]

ترجمہ: کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ سب خوب دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کا مراقبہ کرتے رہنا چاہئے کہ یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حالت میں دیکھ رہا ہے، اس مراقبے سے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

۱۔ شرح اسماء الحسنیٰ [illegible]: ص ۷۸ ۲۔ العلق: ۱۴

الحَکَمُ جَلَّ جَلالُہٗ

(اٹل فیصلے کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے کہ

"الحَکَمُ جَلَّ جَلالُہٗ" وہ ذات ہے جس کے فیصلے کو کوئی رد نہ کر سکے اور جس کے حکم میں کوئی ہیر پھیر نہ کر سکے۔[1]

اللہ رب العزت ہی کی جانب سے سارے عالم کے فیصلے ہوتے ہیں، جو کوئی فیصلہ اللہ رب العزت کی جانب سے عالم کی کسی بھی چیز کے متعلق صادر ہو جائے وہ ہو کر رہتا ہے۔ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ فیصلے فرمائیں گے۔ اس جہان فانی میں انسانوں کے لئے رزق کے فیصلے .... امن کے فیصلے .... صحت کے فیصلے .... چین و راحت کے فیصلے .... موت اور زندگی کے فیصلے .... اولاد کے فیصلے .... آسمان سے بارش کے فیصلے .... اور مصائب و مشکلات کے فیصلے .... سب اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتے ہیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ فِيْ حُكْمِهِ، كَمَا لَا شَرِيْكَ لَهُ فِيْ عِبَادَتِهِ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهِ أَحَدًا﴾[2]

ترجمہ: "بے شک تمام کا تمام حکم اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور نہ ہی شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو، یعنی نہ اس کا کوئی مزاحم (مد مقابل) ہے نہ کوئی شریک ہے۔"

پس ایسی عالی شان ذات کی مخالفت سے بہت ڈرنا چاہئے۔[3]

"جس طرح اس کا علم محیط ہے اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے، جیسے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کے جاننے میں اس کا کوئی شریک نہیں، اختیارات و قدرت میں بھی کوئی شریک و سہیم (حصہ دار) نہیں ہو سکتا۔"[4]

دنیا میں اللہ رب العزت نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ حق کامیاب ہوگا اور باطل ناکام

---

[1] مرقاۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ ۵/۸۳
[2] الکہف ۲۶، النہج الاسمیٰ ۲/۲۹۶
[3] بیان القرآن ۲/۴۰۰ الکہف: ۲۶
[4] تفسیر عثمانی ص ۳۹۵، الکہف ۲۶

ہوگا چنانچہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قلیل سی جماعت کو اس وقت کی بڑی طاقت کے مقابلے میں فتح نصیب فرمائی اور حق کا بول بالا ہوا۔

قیامت کے دن انسان دو گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔ ایک وہ جن کے حق میں سعادت کا فیصلہ ہوگا دوسرے وہ ہوں گے جن کے لئے شقاوت (بدبختی) کا فیصلہ ہوگا، جس کسی نے ایمان اور تقویٰ والی زندگی گزاری ہوگی اس کے لئے سعادت کا فیصلہ ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور جو بے ایمان دنیا سے جائیں گے ان کے لئے شقاوت (بدبختی) کا فیصلہ ہوگا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ غرض قیامت میں ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

اسی طرح خیر و شر کے درمیان حکم و فیصلہ کی ذات بھی صرف اللہ رب العزت ہی کی ہے۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے شر قرار دیا وہی حقیقتاً شر ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے خیر قرار دیا وہی حقیقتاً خیر ہے۔

"الحَکَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے فیصلے

حدیث شریف میں ارشاد ہے

"عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ." [1]

آں حضرت ﷺ نے مومن کے امور پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: "مومن کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے اور یہ خیر مومن ہی کے لئے ہوتی ہے، اگر اسے خوشی کی کوئی بات پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ (شکر) اس کے لئے خیر ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف کی بات پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ (صبر بھی) اس کے لئے خیر ہے۔ اور یہ شان مومن ہی کی ہو سکتی ہے۔"

یہ حدیث مبارک تمام نفسیاتی بیماریوں کی دوا اور تمام امراض کے لئے سبب شفاء ہے، چنانچہ اس حدیث پر غور کیا جائے، اس کے معانی کو دل و دماغ میں بٹھایا جائے، تو یہ تمام پریشانیوں و بے چینیوں کے دور ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ پریشانیاں دور کرنے کا اصول یہ ہے کہ "الحَکَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے حکم پر غور کیا جائے۔

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے، اس کے ارادے کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، نہ فائدہ کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔

﴿وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [2]

ترجمہ: "اور وہ کسی کو بغیر اللہ کے حکم کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

آیت سے ثابت ہوا کہ نفع و نقصان کے فیصلے اللہ رب العزت ہی کی جانب سے ہوتے ہیں، لہٰذا ہرگز ہرگز

---

[1] مسلم، [illegible] کتاب الزہد [illegible]
[2] البقرة: ۱۰۲

"اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی چیز کے حلال کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلال کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔ اور کسی چیز کے حرام کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حرام کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، اور جس چیز کے واجب کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو واجب فرما دیتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے احکامات و قضایا میں بھی حکم جاری فرماتے ہیں، ان تمام چیزوں میں اللہ رب العزت کی حکمت بھی کارفرما ہے۔"[1]

"وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُرَاجِعَ اللّٰهَ فِي حُكْمِهِ، كَمَا يُرَاجِعُ النَّاسُ بَعْضُهُمُ الْبَعْضَ فِي أَحْكَامِهِمْ، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾[2]
فَحُكْمُهُ فِي الْخَلْقِ نَافِذٌ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَرُدَّهُ أَوْ يُبْطِلَهُ"[3]

ترجمہ: "اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ رب العزت سے کسی فیصلے میں پس و پیش کرے جیسا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے فیصلوں میں پس و پیش کرتے ہیں۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: "اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

"پس اس کا حکم اس کی مخلوق پر نافذ ہو کر رہتا ہے اور کوئی اس کو رد یا ختم نہیں کر سکتا۔"

یعنی اس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے، جب وقت آ جائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔[4]

جس اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے ان میں باہم فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص و قویٰ ودیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اس "الحکم جل جلالہ" کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار، علم محیط اور حکمت بالغہ کے تقاضے سے جس چیز کو جس کسی کے لئے جس حالت میں چاہے، حلال یا حرام کر دے ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾[5]

"اس سے اس کے کئے کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا اور تمام مخلوقات سے ان کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

اسم مبارک "الحکم" قرآن کریم میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا﴾[6]

---

[1] فَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ وَمَا يَشَاءُ هُوَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، فَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ يَقْضِي فِي خَلْقِهِ مَا يَشَاءُ مِنْ تَحْلِيلِ مَا أَرَادَ تَحْلِيلَهُ وَتَحْرِيمِ مَا أَرَادَ تَحْرِيمَهُ، وَإِيجَابِ مَا شَاءَ إِيجَابَهُ عَلَيْهِمْ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَحْكَامِهِ وَقَضَايَاهُ، وَلَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ. (النهج الأسمى ۱/۴۶۵)
[2] الرعد: ۴۱
[3] النهج الأسمى: ۱/۴۶۵
[4] تفسير عثماني: ۳۳۷
[5] الأنبياء: ۲۳
[6] الأنعام: ۱۱۴

کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہو اس پر راضی ہو جائے، چاہے اس پر فقر کے حالات آئیں یا کوئی بیماری اور مصیبت آئے اور بندے کا اس طرح کے معاملات پر راضی ہونا مستحب ہے اور حالات پر صبر کرنا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خط کے ذریعے سے پیغام بھجوایا کہ

امّا بعد! تمام خیر حاصل کرنے کی جڑ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی ہونا ہے اور اگر تجھ میں اس کی طاقت نہ ہو تو صبر و تحمل سے کام لے۔

اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا محبت کو پیدا کرتا ہے اور اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، دل کی صفائی کی علامت ہے، اسی طرح یقین کامل کی علامت اور صحیح معنی میں تقویٰ کی نشانی ہے۔[1]

چنانچہ ڈاکٹر [illegible] آگے فرماتے ہیں غم اور رنج کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرنا اور دنیا کے اسباب کی طرف متوجہ رہنا، جب ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی تو ان چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پریشانی و تکلیف ہوتی ہے۔

پس وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مل گئی تو وہ بڑے مزے کی زندگی میں ہے۔ اس لئے کہ اسے رضا بالقضا کی دولت حاصل ہے چنانچہ جو اس کے مقدر میں لکھا گیا ہے وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔

اگر وہ دعا کرے اور دعا قبول نہ ہو تو اس کے دل میں اعتراض پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمان بنایا ہے اور اس کا مقصد صرف خالق کی بندگی ہی ہے۔ پس اسی صفت کی وجہ سے اس کا آنا جانا اور مخلوق کی طرف سے دکھ کا آنا اور خواہشات کے مزے اس پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔

تو دیکھے گا کہ وہ شخص خلوت میں بھی اپنے رب کے سامنے با ادب ہے، اپنے رب سے مناجات کرنے سے بڑی انسیت رکھتا ہے اور لوگوں کے ملنے جلنے سے پریشان ہوتا ہے، اور جتنا اس کا رزق ہے اسی پر قناعت کرتا ہے۔

اس کا اپنے رب سے معاملہ اس محبوب جیسا ہے کہ جب وہ اس کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو وہی اس کا مطلوب

---

[1] إن الرضا من العبد عن الله يقتضي أن لا يكره ما يجري به قضاؤه، والرضا منه عن العبد هو أن يراه مؤتمرا بأمره ومنتهيا عن نهيه. ولما كان أعظم الرضا هو رضا الله سبحانه وتعالى، ورد في القرآن الكريم بصيغة الرضوان، وهو الرضا الكبير، قال الله تعالى: ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الفتح: ٢٩) إن غاية المؤمن نيل رضا الله تعالى عنه من أن تتحقق آماله وتختفي نوائبه. يجب على المسلم أن يرضى بفعل ما أمر به وأن يرضى بتركه ما نهي عنه. ومن رضا المؤمن عن ربه أن يرضى بما قدره الله عليه وما ابتلاه به من فقر أو مرض أو نحو ذلك، والرضا بهذا مستحب من العبد على قول الراجح، أما الواجب فهو الصبر. كتب عمر بن الخطاب إلى أبي موسى رضي الله عنهما: أما بعد، فإن الخير كله في الرضا فإن استطعت أن ترضى وإلا فاصبر. إن الرضا عن الله تعالى يثمر المحبة ويقرب العبد من ربه، وهو دليل على صفاء القلب، وقوة اليقين، وتمكين التقوى. [illegible] ١٤٧

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی پر روزی کے معاملے میں تنگی ہو تو اسے گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھنی چاہئے۔"

❷ "بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَدِيْنِيْ... اَللّٰهُمَّ رَضِّنِيْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا قُدِّرَ لِيْ حَتّٰى لَا اُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَا اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ" [1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اس میں مجھے برکت عطا فرما تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرما دی ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے (فی الحال) مقدم کر دیا ہے اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔"

---

[1] عمل اليوم والليلة (لابن السني) باب ما يقول إذا عسرت عليه معيشته ۱۹۰

اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(سراپا عدل وانصاف)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

"اَلْعَدْلُ" کے اصلی اور لغوی معنی برابر کرنے کے ہیں، اسی کی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں ﴿أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾[1] اسی معنی کے لئے آیا ہے اور اسی لحاظ سے لفظ "عدل" افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے، اور اسی کی مناسبت سے بعض ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی نے اس جگہ لفظ "عدل" کی تفسیر ظاہر وباطن کی برابری سے کی ہے، یعنی جو قول یا فعل انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہو باطن میں بھی اس کا وہی اعتقاد اور حال ہو۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ لفظِ عدل اپنے عام معنی میں ہے جو ان سب صورتوں کو شامل ہے، جو مختلف ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی سے منقول ہیں، ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں۔[2]

"اَلْعَدْلُ" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بغیر افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل وانصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ گہری سے گہری محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اُس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔ جو چیزیں شرعاً مختلف یا کسی درجے میں مضر ہیں ان سے اپنا بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ "عدل وقسط" یعنی دوست ودشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملے میں جذباتِ محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصولِ تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔

یعنی ایسا عدل وانصاف جس کو کسی کی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے، اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو پرہیزگار بننا آسان ہو جاتا ہے، اس کے حصول کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اُس کی شانِ جزا کا خوف ہے اور یہ خوف ﴿إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾[3] (بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے) کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] النسآء: ۵۸ [2] معارف القرآن: ۳۸۹/۵، النسآء: ۵۸ [3] المائدۃ: ۸

جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین بیٹھ جائے گا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اس کا قلب خشیتِ الٰہی سے لرزنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل وانصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔[1]

انصاف کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: ① زبردست ہونا کہ کوئی اس کے فیصلے سے سرتابی نہ کر سکے اور ② حکیم ہونا کہ حکمت و دانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے، کوئی حکم بے موقع نہ دے چناں کہ حق تعالیٰ عزیز بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں۔[2]

اس "العدل جل جلالہ" نے بڑا زبردست نظامِ عدل قائم کیا ہے، کیونکہ یہاں سزا مل جاتی ہے، چھوٹوں کو یہاں۔ مجرم کو قید، کوڑے، ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے یا سولی پر لٹکانے کی سزا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ اس "العدل جل جلالہ" کے عدل وانصاف کے تحت ہی ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اکثر و بیشتر ظالموں کو وہ ایسی سزائیں دیتا ہے کہ مخلوق اگرچہ ان سزاؤں کا احساس نہیں کرتی، مگر وہ خود تو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمارے کئے کی سزا مل رہی ہے اور ہم "العدل جل جلالہ" کی گرفت میں آگئے، کیوں کہ ان کے ضمیر میں ایک ایسی خلش ہر وقت رہتی ہے جو کسی طرح ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی، وہ طرح طرح سے دل بہلاتے ہیں، مگر دل کسی طرح نہیں بہلتا، یہ بھی ایک قسم کا عذابِ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک اور کان پیدا کئے ہیں، تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو جواد (سخی) ہے اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں "العدل" ہے، مثلاً: آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ اگر اس کو گدی، یا پاؤں پر، یا ہاتھ، یا کھوپڑی پر بنایا جاتا تو جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا وہ مخفی نہیں اور اسی طرح اس نے ہاتھوں کو کندھوں سے معلق کیا ہے۔

اگر ان کو سر کے ساتھ یا کوکھوں میں یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے جو خلل آتا وہ محتاجِ دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کئے ہیں، کیوں کہ وہ جاسوس ہیں، ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا، اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو یقیناً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائے گا۔ بالاجمال اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں یا بائیں، اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص..... یا باطل..... یا خراب..... یا بدنما..... اور یا غیر متناسب ہوتی۔ ناک کو چہرے کے وسط میں پیدا کیا گیا ہے، اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا جاتا تو اس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آجاتی، یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسانی جسم ایک جامع اور بے نقص بناوٹ اور تمیزی کے ساتھ بہ کمالِ

---

[1] تفسیر عثمانی: ۱۱۴ [2] تفسیر حقانی: ۹۰

حرکت کر سکتا ہے۔

ذرا یہ تو تصور کریں کہ اگر ہر شے اس قدر جامع اور بے نقص نہ ہوتی اور پورے جسم میں ایک ہی طرح کی ہڈی ہوتی تو انسان کے لئے چلنا ایک ناممکن مسئلہ بن جاتا۔ ہمارے جسم بڑے بھدے اور سست ہوتے، تمام کچھ ایک ہی سخت ہڈی ہوتی، بیٹھنا تک مشکل ہو جاتا اور ہر ایسے کام میں تناؤ پر جب دباؤ پڑتا تو وہ بہت جلد ٹوٹ جاتی۔ تاہم انسانی ڈھانچے کی ساخت اس قسم کی ہے جو جسم کو ہر طرح کی حرکت کی اجازت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ڈھانچہ تخلیق کیا اور اب بھی اس کے تمام تر عوامل تخلیق کر رہا ہے۔

انسان کو اس پر ضرور غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدت کی تعریف کرنی چاہئے جس نے اسے تخلیق کیا ہے اور اس کا شکر بجا لانا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ بہت بڑے گھاٹے میں رہے گا۔

"اللّٰہ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا اعضائے انسانی میں عدل

انسانی جسم کے تمام اعضاء مل جل کر کام کرتے ہیں۔ ہماری روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی حرکات و سکنات مثلاً سانس لینا یا مسکرانا انسانی جسم میں مکمل اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اس کا مقصد زندگی کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ اتفاق جسم کے ڈھانچے میں تمام تر ظاہری طور پر نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ چھوٹی سے چھوٹی حرکت کے لئے بھی جسم کا ڈھانچہ، پٹھے اور اعصابی نظام پوری طرح باہم مل کر کام کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انسانی جسم کے اندر مختلف اطلاعات کا ایک بہت ترقی یافتہ جال بچھا ہوا ہے۔ یہ اطلاعات آنکھوں، کان کے اندرونی حصے کے توازن کے میکانزم، پٹھوں، جوڑوں اور کھال کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ ہر سیکنڈ کے اندر کئی بلین معلومات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور فیصلے اس کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ وہ تو بس حرکت کرتا، ہنستا، چلتا، پھرتا، دیکھتا اور سوچتا ہے۔

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے لئے تو درجنوں پٹھوں کو ایک وقت میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ان پٹھوں میں سے ایک بھی اگر شریک نہ ہو یا اس کی حرکت ادھوری ہو تو چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔

چلنے کے قابل ہونے کے لئے پاؤں، ٹانگوں، کولہوں اور پشت کے ۵۴ مختلف پٹھوں کو باہمی تعاون سے کام کرنا ہوتا ہے۔ جب ہاتھ اوپر اٹھایا جاتا ہے تو کندھے کو جھکانا پڑتا ہے۔ بازو کے سامنے اور پیچھے کے پٹھوں کو جنہیں "تین سروں والے پٹھے" اور "دو سروں والے پٹھے" کہا جاتا ہے سکیڑ کر اور پھر ڈھیلا چھوڑ کر اور کہنی اور کلائی کے درمیانی پٹھوں کو مروڑنا ہوتا ہے۔ اس کام کے ہر مرحلے میں کئی ملین وصول کنندہ عصبیے جو پٹھوں میں ہوتے ہیں پٹھوں سے متعلق معلومات کو فوری طور پر مرکزی نظام اعصاب تک پہنچاتے ہیں۔ جواباً یہ مرکزی نظام اعصاب پٹھوں کو بتاتا ہے کہ انہیں اگلا قدم کیا اٹھانا ہے۔

یقیناً کوئی بھی اس سارے عمل سے آگاہ نہیں ہوتا۔ وہ تو بس اپنا ہاتھ اوپر اٹھانا چاہتا ہے اور ایسا فوراً کر لیتا ہے۔ اسی طرح جسم کو سیدھا رکھنے کے لئے آپ اپنی ٹانگوں، پاؤں، کمر، پیٹ، چھاتی اور گردن کے پٹھوں میں موجود کئی ملین ادراکی

تھیلیوں (Receptors) سے بہت سی معلومات حاصل کرتی رہتی ہے۔ پھر سب ان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور ہر لمحہ میں اپنے ہی احکامات پٹھوں کو جاری کرتے ہوتے ہیں۔ انہیں پڑھنے کے لئے بھی کوئی اضافی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ انسان یہ منصوبہ بندی نہیں کرتا کہ صوتی ڈوریاں (Vocal Cords) کتنی دور دور ہونی چاہئیں یا کس طرح ارتعاش کتنی دیر بعد پیدا ہونا چاہئے، منہ کے اندر سینکڑوں پٹھوں کو کتنی بار اور ان میں سے کن پٹھوں کو زبان اور گلے کو سکیڑنا اور پھر ڈھیلا چھوڑ جانا چاہئے۔ نہ ہی وہ یہ حساب لگا سکتا ہے کہ کتنے مکعب سینٹی میٹر ہوا اسے پھیپھڑوں میں بھرنی ہے اور کتنی سانس کے ذریعے خارج کرنی ہے۔ ہم ایسا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ ہمارے منہ سے ادا ہونے والا ایک لفظ تنفس، نبض سے عضلات کے اجتماعی کام کا نتیجہ ہوتا ہے، جو نظام تنفس سے لے کر نظام اعصاب تک اور پٹھوں سے ہڈیوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی زندگی اس کے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ انسان ذاتی میں کوئی کمال نہیں جس پر وہ غرور وتکبر یا سرکشی کا مظاہرہ کر سکے۔ انسان کی صحت، خوب صورتی یا توانائی اس کا اپنا کام نہیں ہے۔ نہ ہی یہ اسے ہمیشہ کے لئے دی گئی ہے۔ اسے ایک روز یقیناً بوڑھا ہو جانا ہے، جب اس کی صحت اور خوب صورتی جاتی رہے گی۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقٰى ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[1]

ترجمہ: "اور تم لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟"

اگر انسان چاہتا ہے کہ اس کو آخرت میں اس سے کہیں زیادہ بہتر اور عمدہ صفات پیدا ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے اسے یہ نعمتیں عطا کی ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہئے۔[2]

عدل کے مختلف معانی

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ "عدل" کے اصل معنی برابری کرنے کے ہیں، پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً

❶ ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات اور تقاضوں پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی فرماں برداری و تعمیل اور اس کی شریعت کے ممنوعات ومحرمات (چھوٹے بڑے تمام گناہ، ماں باپ کی بے ادبی، کسی کا دل دکھانا وغیرہ) سے

---

[1] القصص: ٦٠   [2] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۸۲ تا ۸۶

اللطيف

فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ (الحجر ٢٢)
"پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں"۔

اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی مہربانیاں

اللہ تعالیٰ کا رزق تو ساری مخلوقات کے لئے عام ہے۔ دریا اور خشکی میں رہنے والے وہ جانور جن کو کوئی نہیں جانتا، ان کا رزق بھی ان کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رزق کی بے شمار اقسام و انواع ہیں۔ بقدرِ ضرورت معاش رزق تو سب کے لئے عام ہے۔ پھر خاص خاص اقسامِ رزق کی تقسیم میں (اللہ تعالیٰ نے) اپنی حکمت بالغہ سے مختلف درجات اور پیمانے رکھے ہیں، کسی کو مال و دولت کا رزق زیادہ دے دیا، کسی کو صحت و قوت کا، کسی کو علم و معرفت کا، کسی کو دوسری انواع و اقسام کا۔ اس طرح ہر انسان دوسرے کا محتاج بھی رہتا ہے اور یہی احتیاج ان کو باہمی تعاون پر آمادہ کرتی ہے جس پر تمدنِ انسانی کی بنیاد ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے۔ اوّل یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسبِ حال غذا اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا ایک وقت نہیں دیتا ورنہ اوّل تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا اور کتنی بھی حفاظت کرتا پھر بھی وہ سڑنے اور خراب ہونے سے نہ بچتا۔[1]

پانی اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی بڑی مہربانی ہے

اس "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ذات کی مہربانیاں دیکھیں کہ پینے کے پانی کو میٹھا بنایا اور سمندر کے پانی کو نمکین بنایا اور یہ دونوں ہی اس کی مہربانیاں ہیں، اور اس تک پہنچ اتنی آسان بنائی کہ ہر ایک اس کو حاصل کر لے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتے ہیں:

﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے رہتے ہیں جو بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کو ذخیرہ کر کے رکھنے والے نہ تھے۔"

﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ﴾ سے ﴿وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾ تک قدرتِ الٰہیہ کے اس حکیمانہ نظام کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اور جانور، چرندوں، پرندوں، درندوں کے لئے ضرورت کے مطابق آب رسانی کا ایسا نظام محکم قائم کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو ہر جگہ، ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے دھونے اور کھیتوں، درختوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی بلا کسی قیمت کے مل جاتا ہے اور جو کچھ کسی کو کنواں بنانے یا پائپ لگانے پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اپنی سہولتیں حاصل کرنے کی قیمت ہے، پانی کے ایک قطرے کی قیمت بھی کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

[1] تفسیر قرطبی، الشورٰی: ۱۸/۱۲ [2] الحجر: ۲۲

کی سے ماری جاتی ہے۔

اس آیت میں پہلے تو اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح قدرتِ الٰہیہ نے سمندر کے پانی کو پوری زمین پر پہنچانے کا عجیب و غریب نظام بنایا ہے کہ سمندر میں بخارات پیدا فرمائے جن سے بارش کا مواد (مون سون) پیدا ہوا، اوپر سے ہوائیں چلائیں جو اس کو بادل کی شکل میں تبدیل کر کے پانی سے بھرے ہوئے پہاڑوں جیسے جہاز بنا دیتی ہیں، پھر پانی سے لبریز ان ہوائی جہازوں کو دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں جہاں پہنچانا ہے پہنچا دیں۔ پھر فرمانِ الٰہی کے تابع جس زمین پر جتنا پانی ڈالنے کا حکم ہے، اس کے مطابق یہ خودکار ہوائی جہاز وہاں پانی برسا دیں۔

اس طرح یہ سمندر کا پانی زمین کے ہر گوشے میں بسنے والے انسانوں اور جانوروں کو گھر بیٹھے مل جاتا ہے، اسی نظام میں ایک عجیب و غریب تبدیلی پانی کے ذائقے اور دوسری کیفیات میں پیدا کر دی جاتی ہے کیونکہ سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انتہائی کھارا بلکہ نمکین بنایا ہے کہ بڑی مقدار میں نمک اسی سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ عظیم الشان پانی کا کرہ جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے اور اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر پڑتا ہے، اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی تندرستی اور زندگی بھی مشکل ہو جاتی، اس لئے قدرت نے اس کو ایسا تیز کھارا بنا دیا کہ دنیا بھر کی غلاظتیں اس میں جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ غرض اس حکمت کی بنا پر سمندر کا پانی کھارا بلکہ تلخ بنایا گیا جو نہ پیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، انعامِ قدرت نے جو پانی کے ہوائی جہاز بادلوں کی شکل میں تیار کئے ان کو صرف سمندری پانی کا گودام ہی نہیں بنایا بلکہ سمندر سے اٹھنے سے لے کر زمین پر برسنے تک ان میں ایسے انقلابات بغیر کسی فوری مشینوں کے پیدا کر دیئے کہ اس پانی کا ذائقہ بدل کر میٹھا پانی بن گیا۔

سورۂ مرسلٰت میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴾[1]

اس میں لفظ "فُرَاتًا" کے معنی ہیں پیاس بجھانے والا میٹھا پانی جس سے پیاس بجھے، معنی یہ ہیں کہ ہم نے بادلوں کی قدرتی مشینوں سے گزار کر سمندر کے کھارے اور کڑوے پانی کو تمہارے پینے کے لئے شیریں بنا دیا۔

سورۂ واقعہ میں اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: "بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اس کو اتارا بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے، اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے۔"

[1] المرسلٰت: ۲۷ [2] الواقعہ: ۶۸، ۶۹، ۷۰

یہاں تک تو قدرت الٰہیہ کی یہ کرشمہ سازی دیکھئے کہ سمندر کے پانی کو میٹھے پانی میں تبدیل کر کے پورے روئے زمین پر بادلوں کے ذریعے کس حسن نظام کے ساتھ پہنچایا کہ ہر خطہ کے نہ صرف انسانوں کو بلکہ ان جانوروں کو بھی جو انسانوں کی دریافت سے باہر ہیں گھر بیٹھے پانی پہنچا دیا اور بالکل مفت بلکہ جبری طور پر پہنچایا۔

لیکن انسان اور جانوروں کا مسئلہ صرف اتنی بات سے حل نہیں ہو جاتا، کیوں کہ پانی ان کی ایسی ضرورت ہے جس کی احتیاج ہر روز بلکہ ہر آن ہے، اس لئے ان کی ضرورت روزمرہ کو پورا کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جگہ سال کے بارہ مہینے ہر روز بارش ہوا کرتی، لیکن اس صورت میں ان کی پانی کی ضرورت تو رفع ہو جاتی مگر دوسری معاشی ضروریات میں کتنا خلل آتا، اس کا اندازہ کسی اہل تجربہ کے لئے مشکل نہیں، سال بھر کے ہر دن کی بارش تندرستی پر کیا اثر ڈالتی اور کاروبار اور نقل وحرکت میں کیا مشکلات پیدا کرتی۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سال بھر کے خاص خاص مہینوں میں اتنی بارش ہو جائے کہ اس کا پانی باقی مہینوں کے لئے کافی ہو جائے، مگر اس کے لئے ضرورت ہوتی کہ ہر شخص کا ایک کوٹہ مقرر کر کے اس کے سپرد کیا جائے، تاکہ وہ اپنے کوٹے اور حصے کا پانی خود اپنی حفاظت میں رکھے۔

اندازہ لگائیے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ہر انسان اتنی ٹنکیاں یا برتن وغیرہ کہاں سے لاتا جن میں تین یا چھ مہینے کی ضرورت کا پانی جمع کر کے رکھ لے اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو ظاہر ہے کہ چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جاتا اور پینے بلکہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہ رہتا، اس لئے قدرت الٰہیہ نے اس کے باقی رکھنے اور بوقت ضرورت ہر جگہ مل جانے کا ایک دوسرا عجیب وغریب نظام بنایا کہ جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں، انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے، کچھ کھلے تالابوں، جھیلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے بہت بڑے حصے کو برف کی شکل میں منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے جہاں تک نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی، پھر اگر وہ پانی سیال صورت میں رہتا تو ہوا کے ذریعے کچھ گرد وغبار یا دوسری خراب چیزیں اس میں پہنچ جانے کا خطرہ رہتا، پرندوں اور جانوروں کے اس میں گرنے مرنے کا اندیشہ رہتا، جس سے وہ پانی خراب ہو جاتا، مگر قدرت نے اس پانی کے عظیم خزانے کو منجمد (برف) بنا کر پہاڑوں پر لاد دیا جہاں سے تھوڑا تھوڑا پگھل کر یہ پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور جہاں یہ چشمے بھی نہیں ہیں تو وہاں زمین کی تہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطے پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آب رسانی کا یہ نظام بھی "وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ" کی ہزاروں نعمتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

(١) پانی کو پیدا کرنا۔

(٢) بادلوں کے ذریعے اس کو زمین کے ہر خطہ پر پہنچانا۔

③ اس کو انسان کے پینے کے قابل بنا دینا۔

④ اس پانی کو ضرورت کے مطابق جمع اور محفوظ رکھنے کا نظام قائم کرنا۔

⑤ انسان کو اس سے پینے اور سیراب ہونے کا موقع دینا بھی ایک نعمت ہے، کیونکہ پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی ایسی آفتیں ہوسکتی ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی پینے پر قادر نہ ہو، قرآن کریم کی آیت: ﴿فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ﴾[1] میں ان ہی تمام نعمتوں کی طرف اشارہ اور تنبیہ کی گئی ہے۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾[2]

امام غزالی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اس نام کے لائق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے، اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں اور اس کمال علم و عمل کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات میں تمام تر متصور اور ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہر ایک باریک اور مخفی باتوں پر جس قدر احاطہ ہے اس کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی بلکہ ہر مخفی بات اس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے جیسے کھلی بات، کچھ بھی فرق نہیں۔ افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی شمار میں نہیں آسکتی، کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو۔ جس قدر دونوں کو جانتا ہوگا اسی قدر وہ "اسم لطیف" کے معنی سمجھتا ہوگا۔ اس بات کی شرح بڑی طول چاہتی ہے اور امید نہیں کہ کئی جلد اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہو سکیں، ہاں ابتداً اس کی بعض باتوں کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔[3]

ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے

"اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے بے شمار لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین (بچے) کو ماں کے پیٹ میں تین اندھیریوں میں پیدا کرتا ہے، وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ پیدائش کے وقت ہی اس کو سکھا دیا جاتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے، حالانکہ اندھیرا اس کی راہ میں ہوتا ہے اور کوئی اس کو سکھاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے۔

کئی طرح کے دانت بناتا ہے

اسی طرح "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُهٗ" اپنے لطف و کرم سے چہرہ نکالتا ہے اور اس کو بڑھنے کا موقع دیتا ہے، پھر یہ کہ وہ بچے کے پیدا ہونے کے وقت دانت نہیں بناتا، کیونکہ ابھی دودھ پینے کی وجہ سے دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی، پھر جب کھانے کی چیزوں کو چبانے کے لیے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو دانت اگاتا ہے اور وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے ایک

[1] الحجر: ۲۲ [2] معارف القرآن: ۶/۱۶، المؤمنون: ۱۴ [3] رسائل امام غزالی: ۸۹

اور جس میں جو کھانے کی چیزوں کو پیسنے کے لئے ہیں، اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں، اور ایک سامنے کے دانت ہیں جو کاٹنے کی خاطر ہیں، پھر یہ کہ وہ زبان بظاہر جس کی غرض کلام ہے، لیکن کھانے کی چیزوں کو دانتوں کی چکی میں ڈالنے کے کام پر مامور بھی ہے۔

لقمے میں مہربانیاں

ایک لقمے کے میسر ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا تفصیل ذکر کیا جائے جو بندوں کو بلا مشقت ہاتھ آتا ہے، اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں اتنی مخلوق نے جس کو شمار نہیں ہو سکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا، کسی نے بیج بویا، کسی نے سینچا، کسی نے فصل کو کاٹا، کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا، کسی نے اس کو پیسا، کسی نے گوندھا، کسی نے پکایا، وغیرہ وغیرہ تو اس کی تفصیل اختتام کو نہ پہنچے۔[1]

ایک لقمہ جو انسان کے پاس پکا پکایا پہنچتا ہے، اس "اللطیف جل جلالہ" کی اس لقمے میں مہربانیاں سوچے تو گن نہیں سکتا کہ اس "اللطیف جل جلالہ" نے کتنے لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا اور انہوں نے محنت کی، ان سب کی محنت جمع ہوئی تو یہ لقمہ تیار ہو کر ہمارے پاس آیا۔

اور افعال و اعمال میں جو اس "اللطیف جل جلالہ" کی بندوں پر مہربانیاں ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا، جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کے احسانات کو سوچے گا اسی قدر "اللطیف جل جلالہ" کی معرفت بڑھے گی۔

غرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے "الحکیم جل جلالہ" ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا "البدیع جل جلالہ" ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی "المصور جل جلالہ" ہے اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھا "العدل جل جلالہ" ہے اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی "اللطیف جل جلالہ" ہے اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ہمیشہ کی جنت

بندوں پر اس کا ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ اس نے ان کو طاقت سے زیادہ توفیق دی ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ تھوڑی بہت (یعنی دنیوی عمر جیسی خفیف) کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت ہمیشہ کی جنت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے، کیونکہ اس عمر کو ابد (آخرت کی زندگی) کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں۔

---

[1] المقصد الاسنیٰ: ۶۲، ۶۳

آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ

ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ وہ گوبر و خون میں سے صاف دودھ ... اور سخت پتھروں سے قیمتی جواہر ... اور مکھی سے شہد ... اور کیڑے سے ریشم ... اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ، اپنی امانت کا حامل اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے، اور یہ وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آسکتا۔

یہ اسم قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[1]

❷ ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾[2]

❸ ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[3]

فوائد ونصائح

❶ اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ان کو بلانے اور دین کی دعوت دینے میں ان کے ساتھ خوب نرمی کرے، نہ یہ کہ سختی، لڑائی اور تعصب کرے۔

"اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا سب سے اچھا لطف جس میں قبولیت حق کی ایک کشش[4] موجود ہوتی ہے وہ پاک عادات، اچھی صفات اور نیک اعمال ہیں۔[5]

❷ ہر انسان کو چاہیے کہ "اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی مہربانیوں کو یاد رکھے اور اس کی عطا کی ہوئی زندگی کو اس کے حکم کے مطابق گزارے۔

أَيَا مَنْ قَدْ تَهَاوَنَ بِالْمَنَايَا وَمَنْ قَدْ غَرَّهُ الْأَمَلُ الطَّوِيلُ
أَلَمْ تَرَ أَنَّمَا الدُّنْيَا غُرُورٌ وَأَنَّ مُقَامَكَ فِيهَا قَلِيلُ؟

تَرجَمَہ: "اے وہ شخص جسے تمناؤں نے تھکا دیا اور لمبی امیدوں نے اسے دھوکے میں ڈالے رکھا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دنیا دھوکے کی چیز ہے اور ہمارا اس میں قیام بہت ہی کم ہے؟"

---

[1] الانعام: ۱۰۳ [2] یوسف: ۱۰۰ [3] الملک: ۱۴ [4] [illegible] [5] رسائل امام غزالی [illegible]

طلبہ، طالبات کو امتحان کے موقع پر یہ دعائیں مانگنی چاہئیں

۳ کاموں کی آسانی کے لئے ان دعاؤں کا معمول بنانا چاہئے۔ طلبہ کو امتحان کے اوقات میں کوئی کتاب یا مضمون مشکل معلوم ہو تو ان سے پہلے یہ دعائیں مانگ لیا کریں:

۱ ”اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِيْ فِيْ تَيْسِيْرِ كُلِّ عَسِيْرٍ فَإِنَّ تَيْسِيْرَ كُلِّ عَسِيْرٍ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ وَأَسْأَلُكَ الْيُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ [1]

ترجمہ: ”اے اللہ! ہر دشواری کو آسان فرمانے میں مجھ پر مہربانی فرمائیے، اس لئے کہ آسان کرنا ہر دشوار کام کا آپ کے لئے بالکل آسان ہے، اور میں آپ سے سوال کرتا ہوں آسانی و سہولت کا اور عافیت و صحت کا دنیا و آخرت دونوں میں۔“

۲ ”اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ اللُّطْفَ فِيْمَا جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيْرُ“ [2]

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیرے لطف و کرم کا سوالی ہوں ان تمام امور میں جن سے تقدیریں متعلق ہیں۔“

۳ ”يَا لَطِيْفًا بِخَلْقِهِ يَا خَبِيْرًا بِخَلْقِهِ يَا عَلِيْمًا بِخَلْقِهِ الْطُفْ بِيْ يَا لَطِيْفُ يَا عَلِيْمُ يَا خَبِيْرُ“ [3]

ترجمہ: ”اے اپنی مخلوق پر لطف و کرم کرنے والے! اے اپنی مخلوق کو خوب اچھی طرح جاننے والے! اے اپنی مخلوق (کے احوال) سے باخبر! مجھ پر لطف و کرم فرمائیے، اے مہربان! اے خوب جاننے والے! اے بڑے ہی باخبر!“

۴ اس اسم سے تخلق (تعلق) حاصل کرنے والوں کو چاہئے کہ مخلوق خدا کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آیا کریں، اور جو کوئی شخص مصیبت کے وقت امداد چاہے اس سے بقدر وسعت دریغ نہ کریں۔ جو کوئی ”اللطیف جل جلالہ“ کے بندوں اور اس کی تمام مخلوقات کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرے گا ”اللطیف جل جلالہ“ بھی اس کے ساتھ مہربانی والا معاملہ کرے گا۔ [4]

---

[1] مجمع الزوائد، الأدعية، باب الأدعية المأثورة عن رسول الله ﷺ ۲۷۳/۱۰

[2] ”زاد مسلم الصبح والمساء“ للشيخ عبد الغفور البلوشي ۶۱

[3] ”زاد مسلم الصبح والمساء“ للشيخ عبد الغفور البلوشي ۶۱

[4] شرح أسماء الحسنى للمنصورپوری ۸۰

الحلیم جل جلالہٗ

(نہایت بردبار)

اس اسم مبارک کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

ان چھ تعریفوں کو پڑھنے سے پہلے دعا کریں کہ ان میں سے ہر تعریف کا اثر ہماری زندگی میں ظاہر ہو جائے۔

❶ الحلیم: یعنی انّه ذو انأة لا یعجل علی عباده بعقوبتهم علی ذنوبهم[1]

ترجمہ: امام ابن جریر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "الحلیم جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو نرمی کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کو گناہوں پر عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

❷ الحلیم: هو ذو الصفح والأناة الذی لا یستفزه غضب، ولا یستخفه جهل جاهل، ولا عصیان عاص[2]

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "الحلیم جل جلالہٗ" وہ ایسا معاف کرنے والا اور نرمی کرنے والا ہے جس کی نرمی کو نہ غصہ ختم کرتا ہے اور نہ جاہلوں کی جہالت اور نہ ہی گناہ گاروں کے گناہ اس کو ختم کرتے ہیں۔

❸ حافظ ابن کثیر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "حلیمٌ وَغفورٌ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ بندے اس کی ذات کا انکار اور اس کی نافرمانی کر رہے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے، ان کے معاملے کو مؤخر کرتا ہے، ان کو مہلت دیتا ہے اور ان پر جلدی نہیں فرماتا اور پھر دوسروں کی نظروں سے ان کے عیوب کو چھپاتا ہے اور ان کو معاف کر دیتا ہے۔[3]

علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ "الحلیم جل جلالہٗ" ہیں بندے کو سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتے تاکہ بندے کو مہلت مل جائے اور وہ گناہ سے توبہ کر لے۔[4]

---

[1] جامع البیان [illegible] تلخیص النہج الاسمیٰ [illegible]　[2] النہج الاسمیٰ [illegible]

[3] قال ابن کثیر رحمه الله: "حلیمٌ غفورٌ" أی یری عباده وهم یکفرون به ویعصونه، وهو یحلم فیؤخر وینظر ویؤجل ولا یعجل، ویستر آخرین ویغفر. تفسیر ابن کثیر [illegible]　[4] قال ابن القیم فی نونیته:

وهو الحلیم فلا یعاجل عبده　　بعقوبة لیتوب من عصیان

(نونیہ [illegible]، نقلاً عن النہج الاسمیٰ [illegible])

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے اندر کیا کیا انوارات، اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کامل اور مکمل طور پر بہتر جانتے ہیں، ہم لوگ اس کی تہہ تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان اسمائے حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود تاثیریں رکھی ہیں، اس لئے جب خود حضور اقدس ﷺ (صلوٰۃ الحاجۃ کی دعا کے طور پر) یہ تلقین فرمائیں کہ ان اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرو، تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز پنہاں (چھپا ہوا) ہوگا، لہٰذا خاص طور پر وہی کلمات کہنے چاہئیں تاکہ وہ مقصد حاصل ہو۔ (چنانچہ جب کوئی حاجت وضرورت پیش آجائے، تو دو رکعت نماز پڑھ کر جو کلمات سکھائے گئے ہیں، ان ہی کلمات سے دعا کریں۔) وہ کلمات یہ ہیں:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ... سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ... أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ... وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ... وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ... وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ... لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"[1]

اب اس دعا کے ایک ایک جملے کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجئے۔

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اللہ جو حلیم ہے اور کریم ہے۔"

"حلیم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفت میں سے ہے اور "کریم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، ان دونوں صفتوں کو خاص طور پر بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ بندہ پہلے مرحلے پر ہی یہ اعتراف کرے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ آپ میری دعا قبول کریں، اپنی ذات کے لحاظ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی درخواست پیش کرسکوں۔

اس وجہ سے کہ میرے گناہ بے شمار ہیں، میری خطائیں بے شمار ہیں، میری بداعمالیاں اتنی ہیں کہ آپ کے حضور درخواست پیش کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے لیکن چونکہ آپ حلیم ہیں، بردباری آپ کی صفت ہے اور اس کی وجہ سے کوئی بندہ چاہے وہ کتنا ہی خطاکار ہو، اس کی خطاؤں کی وجہ سے جذبات میں آکر آپ کوئی فیصلہ نہیں فرماتے، بلکہ اپنی صفت "حلم" کے تحت فیصلہ فرماتے ہیں، اس لئے میں آپ کو آپ کی صفتِ "حلم" کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں اور آپ کی صفتِ "حلم" کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ میرے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔

اور پھر صفتِ "کرم" کا معاملہ فرمائیں، یعنی صرف یہی نہیں کہ گناہوں سے درگزر فرمائیں، بلکہ مزید نوازشات عطا فرمائیں، مزید اپنا کرم میرے اوپر فرمائیں۔ لہٰذا صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر یہ دعا کا اہتمام فرمائیں۔

[1] ابوداؤد، الصلوٰۃ، باب فیما النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل [illegible]

اس کے بعد فرمایا: "سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" ....

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ پاک ہے، جو عرش عظیم کا مالک ہے۔"

"وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ"

ترجمہ: "اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔"

پہلے یہ تعریفی کلمات کہے اور اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے

"اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت ملنے کا سبب ہوں۔"

"وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ"

ترجمہ: "اور آپ کی طرف سے پختہ مغفرت عطا کئے جانے کا سوال کرتا ہوں۔"

"وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ"

ترجمہ: "اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمایئے۔"

"وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ" ....

ترجمہ: "اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھیے۔"

"لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ" ...

ترجمہ: "ہمارا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑیے جس کو آپ نے معاف نہ فرما دیا ہو" (یعنی ہر گناہ کو معاف فرما دیجئے)

"وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ" ...

ترجمہ: "اور کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑیے جس کو آپ نے دور نہ فرما دیا ہو" (یعنی کوئی شدید غم ایسا نہ چھوڑیے، جس کو دور کرنے کے سامان نہ کئے ہوں)

"وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

ترجمہ: "اور ہماری کوئی حاجت جس میں آپ کی رضامندی ہو، ایسی نہ چھوڑیئے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرما دیا ہو۔"

یہ دعا کے الفاظ اور اس کا ترجمہ ہے اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی یہ دعا موجود ہے، یہ دعا ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے، اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں جو حاجت مانگنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ یقینی بات ہے کہ زبان نبوت سے نکلی ہوئی یہ دعا جب اسی طریقے کے ساتھ اور اخلاص سے مانگیں گے، تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو اپنی رحمت سے ضرور قبول فرمائیں گے۔

ہر ضرورت کے لئے نماز حاجت پڑھ کر دعا مانگیں

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ کی یہ سنت بیان کی گئی ہے:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى" (۱)

یعنی جب کبھی حضور اقدس ﷺ کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ سب سے پہلے نماز کا اہتمام فرماتے، صلوۃ الحاجۃ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یا اللہ! یہ مشکل پیش آگئی ہے، آپ اس کو دور فرمادیجئے۔ اس لئے ایک مسلمان کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے صلوۃ الحاجۃ کی کثرت کرے۔ (اسی طرح بچے بھی والدین کے پاس ضرورت لے کر آئیں تو ان کو بھی سمجھائیں کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگو، پھر ظاہری سبب کے طور پر ہم کو اطلاع دو)۔

"صلوۃ الحاجۃ" کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

دو رکعت "صلوۃ الحاجۃ" کی نیت سے پڑھیں، اور اس صلوۃ الحاجۃ کے پڑھنے کے طریقے میں اور دوسری عام نفلی نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح سے یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "صلوۃ الحاجۃ" پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے خاص خاص طریقے گھڑ رکھے ہیں، بعض لوگوں نے اس کے لئے خاص خاص سورتیں بھی متعین کر رکھی ہیں کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے وغیرہ وغیرہ، لیکن حضور ﷺ نے "صلوۃ الحاجۃ" کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے، اس میں نماز پڑھنے کا کوئی الگ خصوصی طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی قرآن کی سورۃ کی لازمی طور پر تعیین فرمائی۔

البتہ بعض بزرگوں کے تجربات میں سے ہے کہ اگر "صلوۃ الحاجۃ" میں فلاں فلاں سورتیں پڑھ لی جائیں تو بعض اوقات اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے تو اس کو سنت سمجھ کر انسان اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اگر سنت سمجھ کر اختیار کرے گا تو وہ بدعت ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب صلوۃ الحاجۃ پڑھنی ہو تو پہلی رکعت میں "سُوْرَةُ أَلَمْ نَشْرَحْ" اور دوسری رکعت میں "سُوْرَةُ النَّصْر" پڑھ لیا کرو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورتیں نماز حاجت میں پڑھنا سنت ہے، بلکہ بزرگوں کے تجربے سے یہ پتہ چلا ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سنت سمجھے بغیر (کبھی کبھی) پڑھ لے تو اس میں

---

(۱) ترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء فی صلاۃ الحاجۃ، (...)

سنت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بہرحال صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، بلکہ جس طرح عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بس نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ نیت کرلے کہ میں دو رکعت "صلوٰۃ الحاجۃ" کے طور پر پڑھتا ہوں۔[1]

اگر وقت تنگ ہو تو صرف دعا کریں:

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ان الفاظ سے دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ سے حاجت طلب کرے، لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پیش کرے چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ"۔[2]

یعنی اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔

لہٰذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے، تو بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے در سے مانگنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

درحقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے کہ جوتے کے تسمے کا درست ہوجانا ہماری نسبت سے یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کا مل جانا بڑی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ اس کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں۔ ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد، اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[3] "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" اس کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے ہر حاجت بڑی ہو یا چھوٹی، بس اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو اور پھر مسنون اور مشروع طریقے پر تدبیر کرو۔ بس شروع سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اس بندے نے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز جانا۔

نماز حاجت کی برکت

﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پچھلے زمانے میں مسلمان بادشاہ اور رعایا دونوں اللہ کی ذات پر یقین رکھتے تھے۔ مشکل وقت میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے مانگتے تھے اور مسئلہ حل کروالیتے تھے۔ عرب حضرات کی ایک جماعت ملتان آئی۔ ایک ساتھی نے سب حاضرین کو بتایا کہ کسی بھی ضرورت کے وقت دو نفل پڑھ کر اللہ کی ذات سے مانگ لیں اور اللہ سے مانگنا بہت ہی اچھا ہے۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ج۱۰/۲۳۲،۲۳۳ [2] ترمذی، الدعوات، باب لیسأل احدکم ربہ حاجتہ: ۳۵۳۶ [3] البقرۃ: ۲۰

اسی طرح کا واقعہ سابقہ تاریخ میں سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملتا ہے۔ سلطان محمود رحمہ اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان پر سترہ حملے کئے آخری حملہ سومنات کے بت کو ختم کرنے کے لئے کیا۔ اللہ کی ذات نے اس کو کامیابی سے نوازا اور کافی مال و متاع ہاتھ لگا۔ ہندو قوم ان کی دشمن ہوگئی۔ واپسی پر ان کے گائیڈ (راستہ بتانے والے) جو پہلے ہندوؤں سے ملے ہوئے تھے انہوں نے سلطان کی فوج کو رجھت کے ریگستان میں ڈال دیا جہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے فوج کے جانور پیاس سے مرنے لگے اور فوج کے پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔

سلطان غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ملی کہ فوج کے راہبر گائیڈ غائب ہیں اور تمام فوج پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہے۔ فوج کے راہبروں کے غائب ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے خفیہ کسی کو بتایا کہ سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دیوتاؤں کو ختم کیا ہے اس لئے وہ اور اس کی ساری فوج دیوتا کی بددعا سے پیاسی مرجائے گی۔

سلطان غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ سن کر حیرانگی ہوئی اور جوش ایمانی میں بول پڑا کہ ہمارا رب بہت ہی طاقتوں کا مالک ہے۔ سلطان مرحوم کو اللہ کی ذات پر یقین تھا۔ دو نفل صلوٰۃ الحاجۃ پڑھے اور اللہ سے تمام مشکلات کے حل کے لئے دعا کی۔ ابھی دعا مانگ رہا تھا کہ اس کے اوپر سے دو مرغابیاں اڑتی ہوئی گزریں۔ صحرائی مرغابیاں خوش خبری کی علامت تھیں۔ محمود سواروں کا ایک گروپ مرغابیاں جس سمت سے آرہی تھیں ادھر بھیجا اور ایک گروپ جدھر جارہی تھیں وہاں بھیجا۔ لشکر کے پڑاؤ کے قریب دریائے ہاکڑا بہہ رہا تھا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دریا اب صدیوں بعد خشک ہو چکا ہے۔ اسلامی لشکر نے وہاں سے اپنی ضروریات پوری کیں۔

سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گائیڈوں کو بلایا اور اللہ کی ذات کی قدرت بتلائی کہ ہمارا اللہ تمام قدرتوں کا مالک ہے کہ دو نفل پڑھ کر ہمارا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ قوت ایمانی کی بنا پر ہندو رہبروں کو مروا دیا اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا۔ یہی ہمارا عقیدہ ہونا چاہئے کہ وہ ذات کبھی کمزور نہیں ہوسکتی۔[۱]

حلم و بردباری "اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی محبوب صفات میں سے ہے

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر (حلم) کرنے والا کوئی نہیں، جو ایسے بندوں سے یہ باتیں سنتا ہے کہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا بیٹا (یا اس کا شریک) ٹھہراتے ہیں اس کے باوجود وہ ان بندوں کو رزق بھی دیتا ہے اور عافیت بھی دیتا ہے۔"[۲]

---

۱ [illegible] ۲ "لَیْسَ أَحَدٌ أَوْ لَیْسَ شَیْءٌ أَصْبَرَ عَلٰی أَذًی سَمِعَهُ مِنَ اللّٰهِ، إِنَّهُمْ لَیَدْعُوْنَ لَهٗ وَلَدًا وَإِنَّهٗ لَیُعَافِیْهِمْ وَیَرْزُقُهُمْ" البخاری، کتاب الادب، باب الصبر فی الاذیٰ ۲/۹۰۳

ترجمہ: "حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔"

حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مزین اور حسین ہوتی ہے، یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں۔ یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام جن فضائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی اختیار کرنا۔[1]

بردبار بننے کے لئے آپ ﷺ کی ایک وصیت

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِي، قَالَ: لَا تَغْضَبْ، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: لَا تَغْضَبْ"[2]

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اس شخص نے اپنی (یہی) درخواست کئی بار دہرائی۔ آپ ﷺ نے ہر مرتبہ یہی ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔"

غصہ آئے تو یہ وصیت یاد کر لیجئے کہ میرے محبوب ﷺ نے وصیت فرمائی "لَا تَغْضَبْ۔" "غصہ نہ کیا کرو۔" ان شاء اللہ اس کو سوچنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی، اور اس کے ساتھ ساتھ غصہ آنے کے بعد وہ دو کام کریں جو آپ ﷺ نے بتلائے ہیں:

❶ "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو (دین) سکھاؤ، خوش خبریاں سناؤ اور دشواریاں پیدا نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ خاموشی اختیار کرلے۔"[3]

❷ "حضرت عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ شیطان (کے اثر) سے ہوتا ہے۔ شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ

---

[1] معارف الحدیث: ۲/۲۴۰

[2] البخاری، الادب، باب الحذر من الغضب: ۲/۹۰۳

[3] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: عَلِّمُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ" (مسند احمد ۱/۲۳۹، رقم ۲۱۳۷)

آئے تو اس کو چاہیے کہ وضو کرلے۔"[1]

فوائد و نصائح

❶ "الحلیم جل جلالہ" اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی کام میں جلد بازی نہ کرے ۔۔۔ سکون ۔۔۔ وقار ۔۔۔ حلم و بردباری ۔۔۔ کو ہمیشہ اپنی زندگی کا شیوہ بنائے تاکہ کسی بھی کام میں شیطان اور نفس کے جال میں پھنس کر غصہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اگر انسانوں میں سے کسی سے تکلیف پہنچے تو ظاہری طور پر توبہ کرے اور باطنی طور پر اپنی کمی کوتاہی ڈھونڈ کر اصلاح کرے۔

❷ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے ہر کام کو حلم، متانت، وقار سے کرے اور صفت حلم کو اختیار کرے کہ یہ بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے۔

"الحلیم جل جلالہ" کا حلم و بردباری مسلمان، کافر، گناہگار، نیک سب کو حاصل ہے، اس لئے کہ کتنے ہی گناہگار ہیں جن کو مہلت دی ہوئی ہے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے، لیکن قربان جایئے "الحلیم جل جلالہ" پر کہ پھر بھی انہیں محروم نہیں فرماتے۔

آسمان و زمین، پہاڑ و سمندر روزانہ اجازت چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کہ گناہگاروں کو ختم کردیں لیکن "الحلیم جل جلالہ" ان سب کو منع فرماتے ہیں۔[2]

لہٰذا "الحلیم جل جلالہ" سے حلم مانگیں، بردباری صبر و تحمل مانگیں اور "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ" والی دعا جو اس اسم مبارک میں ذکر کی گئی ہے مانگنے کا خوب اہتمام کریں۔

---

[1] عن عطية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الغضب من الشيطان، وإن الشيطان خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء، فإذا غضب أحدكم فليتوضأ" (ابوداود، الادب، باب ما يقال عند الغضب ۲/۳۰۴)

[2] المنہج للامام الجوزی ۲۳۶

العظیم جل جلالہ

(بڑی عظمت والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① وَقَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ: هُوَ الَّذِيْ جَاوَزَ قَدْرُهُ عَزَّوَجَلَّ حُدُوْدَ الْعُقُوْلِ، حَتّٰى لَا تُتَصَوَّرُ الْإِحَاطَةُ بِكُنْهِهٖ وَحَقِيْقَتِهٖ.[1]

ترجمہ: "العظیم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہے، اس کی حقیقت کا نہ تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی احاطہ ممکن ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ عظمت والے ہیں بلا کسی کے ساتھ مقابلہ کے۔ چنانچہ وہ اپنی ذات وصفات میں بھی بڑے عظمت والے ہیں، اپنے تمام اسماء میں بھی عظیم ہیں، دیکھنے میں بھی سننے میں بھی، اپنی قدرت وقوت میں بھی اور اپنے علم میں بھی عظیم ہیں۔ پس کسی چیز میں ان کی عظمت کی کمی جائز نہیں۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان کی فضا میں تصرف کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت نہیں دی۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "النونیة" میں اسی بات کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر اس معنی کے ساتھ عظیم ہے جس کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوتی ہے۔ تعظیم کی وجوہات کسی انسان کے احاطہ میں نہیں آ سکتیں۔[2]

---

[1] النهاية نقلا عن النهج الأسمى

[2] إن الله سبحانه هو العظيم المطلق، فهو عظيم في ذاته، عظيم في أسمائه كلها، عظيم في صفاته كلها، فهو عظيم في سمعه وبصره، عظيم في قدرته وقوته، عظيم في علمه ... فلا يجوز قصر عظمته في شيء دون شيء، لأن ذلك تحكم لم يأذن به الله.

قال ابن القيم رحمه الله في نونيته عن ذلك:

وهو العظيم بكل معنى يوجب التعظيم لا يحصيه من إنسان

(النونية، النهج الأسمى)

ساتھ مخلوق کو ملا دیا) اسی طرح یوں بھی نہیں کہنا چاہیے "میرا اللہ تعالیٰ کے سوا اور تیرے سوا کوئی سہارا نہیں۔" (یہاں بھی اللہ رب العزت کے ساتھ مخلوق کی تعظیم کو شامل کر لیا گیا ہے)۔

اسی طرح یوں بھی نہیں کہنا چاہیے "ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور تو چاہے گا" (یہ الفاظ بھی تعظیم کے منافی ہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کا یہ حق ہے کہ کسی بھی مخلوق کو محبت...... تعظیم...... بزرگی اور اطاعت...... میں اللہ رب العزت کے برابر نہ سمجھا جائے اور نہ ہی زبان سے کہا جائے۔[1]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں نو مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾[2]
2. ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾[3]
3. ﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾[4]

تمام مخلوقات العظیم جل جلالہ کی عظمت کی دلیل ہیں

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں غور کریں، جس میں کئی بلین سے بھی زائد ستارے اور کہکشائیں جن کا شمار ممکن نہیں اپنے اپنے مدار پر سرگرم سفر ہیں، مگر پھر بھی ان سب میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ستارے، سیارے اور سب سیٹلائٹ اپنے اپنے محوروں کے گرد اور اسی نظام کے اندر گردش کرتے ہیں جس سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زمین اپنے محور کے گرد ۱۶۷۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی سمتی رفتار سے گردش کرتی ہے۔ جب ہم اس بات کو ذہن میں رکھتے ہیں کہ سب سے تیز گولی کی سمتی رفتار (Velocity) ۱۸۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے تو اس سے ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین اپنی بہت بڑی جسامت کے باوجود کس قدر تیزی سے گردش کر رہی ہے۔ سورج کے گرد زمین کی اپنے مدار پر رفتار گولی کی رفتار سے تقریباً ۶۰ مرتبہ زیادہ ہوتی ہے جو ۱۰۸۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ بنتی ہے۔ نظام شمسی کہکشاں کے مرکز کے گرد ۷۲۰۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے گردش کرتا ہے۔ خلاء میں خود "کہکشاں" (Milky Way) جس میں ۲۰۰ بلین ستارے ہیں کی رفتار ۹۵۰۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔

اس قدر زیادہ رفتار، ہمیں یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس زمین پر ہماری زندگیاں اسی طرح گزر رہی ہیں جس طرح چاقو کی نوک پر گزاری جا رہی ہوں۔ اس قسم کے پیچیدہ نظام میں عام حالات میں تو بڑے بڑے حادثات پیش آنے کے

---

[1] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا تَعْرِفُونَ حَقَّ عَظَمَتِهِ وَمِنْ عَظَمَتِهِ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا مِنْ خَلْقِهِ، أَيْ فِي اللَّفْظِ، بِمِثْلِ قَوْلِ: وَاللَّهِ وَحَيَاتِكَ، وَمَا لِي إِلَّا اللَّهُ وَأَنْتَ، وَمَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتَ، وَلَا فِي الْحُبِّ وَالتَّعْظِيمِ وَالْإِجْلَالِ وَلَا فِي الطَّاعَةِ. (الدر المنثور [illegible])

[2] البقرة ۲۵۵ [3] الواقعة ۹۶ [4] النمل ۲۶

امکانات تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝﴾[1]

ترجمہ: ”جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے، تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرما دیا کہ اس نظام میں کوئی ”بے ربطی“ یا ”تو سب کی کمی“ نہیں پائی جاتی۔ اس کائنات کو، اس کے اندر موجود تمام چیزوں سمیت، بس یوں ہی اس کے اپنے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا گیا، بلکہ یہ تو ایک ایسے توازن کے مطابق کام کرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔[2]

انسان کو خود اپنے جسم کی تخلیق کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ کوئی شخص ماں کے رحم میں بچے کو بنتے ہوئے دیکھے تو یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس اندھیری کوٹھری میں جو انسان تیار ہو رہا ہے یہ مستقبل کا وزیر اعظم یا بادشاہ یا بڑا ڈاکٹر ہوگا۔ ماں کے پیٹ میں نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، مگر جب اس دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اس پیدا کرنے والی عظیم ذات کو بھلا دیتا ہے۔

ایک نوزائیدہ بچہ یا ایک چھ فٹ لمبے انسان کا جسم دس لاکھ کھرب خلیوں سے بنا ہوا ہے۔ (خلیہ اینٹوں کی شکل کا ہوتا ہے جو صرف خوردبین سے نظر آتا ہے) زمین پر کوئی عمارت، حتیٰ کہ تجارتی مرکز کی بلند ترین عمارت بھی اتنی اینٹوں سے نہیں بنی جتنے انسان میں خلیے ہیں۔ یہ تمام دس لاکھ کھرب خلیے اسی ایک خلیے سے بنتے ہیں جو باپ کے نطفہ اور ماں کے انڈے کے ملاپ سے بنتا ہے۔ جسم کے مختلف اعضا مثلاً آنکھ، دل، ناک، گردے، دماغ وغیرہ اس ایک خلیے سے بنتے ہیں، مگر حیران کن حد تک مختلف تخصص میں کام کرتے ہیں۔ یہ سب کس نے کیا؟ میرے اللہ العظیم جل جلالہ کی قدرت سے ہوا۔ حیران کن بات جو دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ کہ انسان کے جسم کا ہر عضو اپنے موزوں ترین مقام پر بنایا گیا ہے، مثلاً اگر آنکھیں پاؤں پر ہوتیں تو دیکھنا مشکل ہو جاتا، یہ سب چیزیں العظیم جل جلالہ کی عظمت کی واضح دلیلیں ہیں۔

جس نے العظیم جل جلالہ کی عظمت کو جان لیا، دنیا اس کی نظر میں ذلیل ہے

واقعہ نمبر ۳۱ ● عبد الواحد بن زید کہتے ہیں: ایک مرتبہ میرا گزر ایک عبادت گاہ پر ہوا۔ وہاں ایک راہب (دنیا سے منقطع) رہتا تھا۔ میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی، وہ نہ بولا۔ پھر دوسری مرتبہ پکارا پھر بھی نہ بولا۔ پھر تیسری

---

[1] الملک ۴،۳
[2] ”ہم سوچنے والوں کے لئے نشانیاں“ ص ۹۱

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ جہنم کو حکم ہوگا) اسے پکڑلو پھر اسے طوق پہنادو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو پھر اسے ایک زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔ بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعظیم میں سے یہ بات ہے کہ انسان تمام منکرات و حرام کردہ چیزوں سے بچے جن کو اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات سے ان کی حرمت کو واضح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سب سے بڑی چیز شرک اور اس کی اقسام ہیں۔

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعظیم میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے احکامات پر چلے۔ ان میں سے سب سے بڑی چیز توحید اور عبادات میں اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔

اس سے زیادہ گمراہ کوئی شخص نہیں جو کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انکار کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں دوسروں کو شریک کرنے پر جما رہے، جو نہ خود اپنے رزق کے مالک ہیں اور نہ نفع اور نقصان کے۔ یہ مشرک اپنی حاجتیں پوری کرواتے ہیں، پتھروں اور قبروں سے۔ غور سے سوچنے کی بات یہ ہے کہ پتھر کیسے انسان کی حاجتیں پوری کریں گے جو قبروں میں مدفون ہیں وہ تو ختم ہوگئے، ان کی ہڈیاں بھی چورا چورا ہوگئیں، اب وہ ان کی حاجت تو کیسے پورا کریں گے اور مریضوں کو کیسے شفا دیں گے۔ ایسے لوگ جو بتوں کے پاس یا مزاروں کے پاس یا پیروں، ولیوں کے لباس میں بیٹھے ہوئے جاہلوں، کاہنوں، نجومیوں وغیرہ کے پاس جاکر اپنی ضرورتیں مانگتے ہیں وہ دنیا میں بھی اندھے اور دور کی گمراہی میں ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پس جب کوئی شخص "اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تعظیم نہیں کرے گا تو اس کو عذاب عظیم ہوگا۔ جو بندہ اس کا حق عظمت ادا نہیں کرے گا تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت رکوع میں بیان کیجیے

❶ حضور نبی کریم ﷺ نے رکوع میں اس تسبیح کا حکم دیا ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ کو رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، پس رکوع میں تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" بیان کرو اور سجدہ میں خوب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو، یہ اس کے مناسب ہے کہ تمہاری دعا قبول کی جائے۔"[1]

❷ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ"[2]

---

[1] مسلم، الصلوٰۃ، باب النھی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود: ۱۹۱/۱

[2] بخاری، الأذان، باب الدعاء فی الرکوع، رقم ۷۹۴

اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ کا واسطہ دے کر ذلت ورسوائی سے بچیے

❷ اس مبارک دعا میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی بیان کی گئی ہے۔ دعا والے حضرات اس کا ترجمہ پڑھ کر ملاحظہ فرمائیں کہ "اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی عظمت اور قدرت واسعہ کا بیان دعا میں دیکھئے گا۔

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبٌّ عَظِيْمٌ لَا يَسَعُكَ شَيْءٌ مِمَّا خَلَقْتَ وَاَنْتَ تَرٰى وَلَا تُرٰى وَاَنْتَ بِالْمَنْظَرِ الْاَعْلٰى وَاِنَّ لَكَ الْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى وَلَكَ الْمَمَاتُ وَالْمَحْيَا وَاِنَّ اِلَيْكَ الْمُنْتَهٰى وَالرُّجْعٰى نَعُوْذُبِكَ اَنْ نَذِلَّ وَنَخْزٰى"[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! تو بڑی عظمت والا رب ہے، کوئی بھی چیز تیری وسعت کو نہیں پہنچ سکتی۔ تو سب کو دیکھتا ہے اور خود تو دیکھا نہیں جاسکتا اور سب سے بلند منظر (مقام) پر ہے اور تیرے ہی لئے ہے آخرت اور دنیا اور تیرے ہی لئے ہے (بندوں کا) مرنا اور جینا اور تیری ہی طرف ہے سب کا پہنچنا اور سب کا پھر لوٹ کر آنا۔ ہم تیری پناہ لیتے ہیں اس بات سے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں۔"

اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ کے عرش عظیم کا واسطہ دے کر غموں کو دور کیجیے

❸ حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح وشام سات مرتبہ اس دعا کو پڑھے اس سے مانگے یعنی فضیلت کے یقین کے ساتھ مانگے یا یوں ہی فضیلت کے یقین کے بغیر مانگے تو اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ دنیا اور آخرت کے تمام غموں سے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

دعا مانگی ہو تو سب سے بہتر اسمائے حسنیٰ کا واسطہ اور وسیلہ دے کر انسان دعا مانگے۔ ذلت ورسوائی سے بچنے کے لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جو دعا مانگی اس میں اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کا واسطہ دیا ہے

"حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ"

تَرجَمَہ: "مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔"[2]

اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ عجز وانکساری کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع کے ساتھ حاضر ہوں اور دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے بھر کر غیر اللہ کی بڑائی دل میں نہ آنے دیں۔

---

[1] کنز العمال، کتاب الاذکار ۲/۱۷۲ رقم ۳۶۰۹ [2] ابوداؤد، الادب، باب ما یقول اذا اصبح رقم ۵۰۸۱

اور چھوٹی سی نیکی پر بھی مغفرت کا فیصلہ ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ"[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نیکی کے کاموں میں سے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔"

یعنی اپنے بھائی سے خوشی کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے اور اس نیکی کو حقیر نہ سمجھے، عمل کرے، اس پر شکر ادا کرے تاکہ زیادہ اجر پائے۔

الغفور جل جلالہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی پر مغفرت

واقعہ نمبر ۳۶: ایک شخص جو کسی سفر میں جا رہا تھا، شدید پیاس کا شکار ہوا، ایک کنویں پر اس نے پانی دیکھا تو کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی، باہر نکلا تو پیاس سے ہانپتا ایک کتا نظر آیا۔ اسے فوراً خیال آیا کہ جس طرح یہ پیاس سے ہانپ رہا ہے میں بھی ابھی کچھ دیر قبل اسی طرح پیاسا تھا، بے چین تھا، فوراً اس نے موزہ اتارا، اس کو منہ سے پکڑا، اس میں پانی بھرا اور کتے کو پلایا تو اللہ پاک نے اس عمل پر خوش ہو کر اس کی مغفرت کر دی۔[2]

عورت کی مغفرت کر دی گئی

واقعہ نمبر ۳۷: اسی طرح دوسرا واقعہ ہے کہ ایک عورت فاحشہ تھی، کتے کو پیاس سے زبان لٹکائے دیکھا تو بے چین ہو گئی اور اپنے موزہ میں پانی نکال کر اسے پلایا۔ اس پر اس عورت کی مغفرت کر دی گئی۔[3]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خصوصیات عطا کی ہیں وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کیں۔ انسان اپنی ضرورت کے لئے کنویں میں اتر کر پانی حاصل کرنے پر قادر ہے، لیکن جانور کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھانے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کی پیاس بجھانے کے لئے انسان کے دل میں جذبہ پیدا کیا اور انسان کی مغفرت کے لئے بھی عمل بہانہ بن گیا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں واقعات میں کنویں سے پانی نکالنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی، ڈول کوئی

---

[1] مسلم، البر والصلة والآداب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء: ۲۶۲۶

[2] بخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء: ۲۳۶۳

[3] مسلم، قتل الحيات وغيرها، باب فضل سقي البهائم: ۲۲۴۵

والی تھا، نہ رسی تھی، نہ کوئی دوسرا برتن تھا۔ اس شخص نے اپنی پیاس تو خود کنویں میں اتر کر بجھالی تھی لیکن کتے کو کیسے پانی پلاتا؟ کوئی چیز تو تھی نہیں، چنانچہ اس نے موزہ اتارا، اسے پانی سے بھرا، لیکن اب اوپر کیسے چڑھے؟ ہاتھوں میں موزہ کو پکڑ نہیں سکتا، کیونکہ ہاتھوں سے کنویں کی منڈیر کو پکڑنا ضروری ہے، جبھی تو اوپر بھی چڑھ سکتا، لہٰذا اس نے اپنے منہ سے موزہ کو پکڑا، حالانکہ عام حالات میں انسان اپنے موزے اور جوتے وغیرہ کو چہرے کے قریب تک بھی گوارا نہیں کرتا، چہ جائیکہ منہ سے اسے پکڑے، لیکن جب رحم کا جذبہ ہو تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اس عورت کے پاس بھی بظاہر پانی لانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، خود کنویں میں اترنا مشکل تھا، تو موزہ اتارا اور اسے بطور ڈول استعمال کیا اور اپنا دوپٹہ اتار کر اسے بطور رسی استعمال کیا۔ دونوں واقعات میں ایک بے زبان جانور کو پانی پلانے کے لئے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کرنے پر "اللہ جل جلالہ" نے مغفرت سے سرفراز فرمایا، حالانکہ کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے، انسان کو طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے، خصوصاً جب کہ وہ آوارہ پھرنے والا ہو، لیکن مخلوقِ خدا کی تکلیف کو دور کرنا "اللہ جل جلالہ" کے نزدیک نہایت قابلِ اعزاز ٹھہرا اور اسی کی بنا پر وہ مغفرت و فضل کے مستحق ہو گئے۔

اس واقعے میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا مستحق بناتا ہے، خصوصاً بے زبان جانوروں پر رحم کرنا، ان کی تکلیف کو دور کرنے کا سامان کرنا بہت بڑی بات اور انسانیت کا بہترین درجہ ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جب بے زبان جانوروں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق بناتا ہے تو ان بے زبان جانوروں پر ظلم کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا (جب کہ وہ موذی نہ ہوں) اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی پکڑ کا بھی مستحق بنائے گا۔
2. انسان کی مغفرت بعض اوقات کسی بظاہر چھوٹے نظر آنے والے عمل پر بھی ہو جاتی ہے، مغفرت و رحمتِ حق کسی بھی انسان پر کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، عمر بھر کا گناہ گار ایک لمحہ میں مقربین میں شامل ہو سکتا ہے اور سو سال کی عبادت لمحہ بھر کی لغزش سے بے قیمت ہو سکتی ہے۔[1]

صبر و شکر مغفرت کا سبب بن گیا

واقعہ نمبر ۲۲: دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمود دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ دیوبند کے باشندے اور بڑے عالم تھے اور ہزاروں علماء کے استاذ تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے استاذ، ان دونوں حضرات رحمہما اللہ تعالیٰ سے دارالعلوم کی بنیاد پڑی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا: کیا گزری، کیا معاملہ ہوا؟

---

[1] مسلم الصحیح حدیث ١٠٦

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے بخش دیا۔

پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا: اور کسی چیز کے بارے میں، پڑھنے لکھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں، وہاں وقت لمیں تے بارے میں بھی کسی نے نہیں پوچھا، البتہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور کھچڑی میں نمک تیز ہو گیا اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھا لیا اور اپنی بیوی کو کچھ کہا نہیں اور تم نے اس تکلیف کو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دکھے گا۔ اس صبر و تحمل کے نتیجے میں تمہیں بخش دیا گیا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ الٰہی وظائف ہوتے ہیں۔ جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔

ہر آن اس حقیقت کو نگاہوں کے سامنے رکھا جائے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات واحد سے ہو رہا ہے، اس دنیا میں جتنے واقعات پیش آتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتے ہیں اور اسی کی مشیت کے بغیر کوئی ذرہ ادھر سے ادھر حرکت نہیں کر سکتا، لیکن ہر رنج و راحت اور غم و مسرت کے وقت اس حقیقت کا استحضار نہیں رہتا، اس لئے جب کسی ظاہری ذریعے سے کوئی خوشی یا تکلیف پہنچتی ہے، تو آدمی اسی ظاہری ذریعے کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور خوشی اور تکلیف دونوں کی نسبت اسی کی طرف کرتا ہے، لیکن "توحید" کا مطالبہ انسان سے یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو ہر آن اس طرح مستحضر رکھے کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے، اسی کو بعض بزرگوں نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ:

توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تعلق باتوں سے نہیں، عمل کرنے اور دل سے ہے۔ بس تیری نعمتوں کا شکر کیے جانے کا نام ہے۔

"صبر" کے بعد دوسرا مقام، جس کی تحصیل فرض ہے "مقام شکر" کہلاتا ہے۔ اگر آپ نے قرآن کریم پڑھا ہے تو اس میں بے شمار آیات دیکھی ہوں گی، جن میں انسان کے ذمے "شکر" کو واجب قرار دیا ہے۔ اب مختصراً یہ بتلانا ہے کہ اس "شکر" سے کیا مراد ہے؟ اور یہ مقام کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

"شکر" کے تین لازمی عناصر

"شکر" کی حقیقت یہ ہے کہ محسن حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں محسن کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو، گویا "شکر" کے تین لازمی عناصر ہیں:

(۱) احسانات کا اقرار و اعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں، وہ سب کی سب "اللہ جل جلالہ" کی طرف سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

اس کا اعتراف و اقرار کرنے کے لئے یہ دعا صبح و شام مانگ لینی چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ."[1]

(۲) چوں کہ "اللہ جل جلالہ" نے مجھ پر اپنے فضل و کرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں، اس لئے کائنات میں میرے لئے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) "اللہ جل جلالہ" کے بے پایاں احسانات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کروں، بالفاظ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں، ان کو ان ہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے بچوں، جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

جب یہ تینوں جذبات کسی انسان کے دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو "علماء" کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے "مقامِ شکر" کو حاصل کر لیا ہے۔

پھر مقامِ شکر کو حاصل کرنے کے لئے ان تین جذبات میں سے بھی اصل اور بنیادی پہلا ہی جذبہ ہے، کیوں کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال کما حقہ راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کتنی نعمتیں ہر آن متوجہ رہتی ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اطاعت کا جذبہ خود بخود بیدار ہوگا، لہٰذا اگر کسی وقت محبت اور اطاعت میں کوتاہی محسوس ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ "اللہ جل جلالہ" کی نعمتوں کا صحیح اقرار و اعتراف دل میں پیدا نہیں ہوا۔[2]

حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شکرِ نعمت یہ ہے کہ نعمت دہندہ کو دیکھو اور نعمت کو نہ دیکھو۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ شکرِ نعمت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو اس نعمت کے قابل نہ سمجھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: شکر نصف ایمان ہے۔[3]

بقول ایک اللہ والے کے فرمایا: اے لوگو! میں نے اللہ کی اتنی ناشکری کی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، پھر فرمایا: آج ہمارے دانت بھی کھانے کھاتے گھس گئے۔ یہ زبان ناشکری کرتے کرتے نہیں گھسی۔

حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر کرنے والے اور اس کی تعریف کرنے والے تھے۔ جو چیز بھی کھاتے فوراً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرماتے اور جو چیز پیتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" فرماتے۔ چلتے پھرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے اور کپڑے پہنتے تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتے۔

ایک روایت کے مطابق، اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی:

---

[1] ابوداؤد، الادب، باب ما یقول اذا اصبح: ۳۲۶/۲ [2] دل کی دنیا: ۱۹۶ [3] مکاشفۃ القلوب، باب الشکر: ۱۵۸

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾[1] "یقیناً وہ (نوح علیہ السلام) بہت شکر گزار بندے تھے۔"

سخت پریشانی میں شکر

واقعہ: علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک دن سفر میں تھا، میرے پاؤں میں زخم ہو گیا اور اس زخم کی وجہ سے میرا پاؤں خراب ہو گیا۔ طبیبوں کو جمع کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ اس کا کاٹنا بہت ضروری ہے۔

پھر اسی دن آپ کے محبوب ترین بیٹے کے پیٹ پر اونٹ نے لات ماری اور وہ مر گیا۔ آپ نے فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" "ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے" کیونکہ یقیناً اس سفر میں ہم کو تکلیف بھی پہنچی۔ پھر آسمان کی طرف خشوع و خضوع کے ساتھ دیکھتے ہوئے اور عاجزی کی حالت میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "اے اللہ! میرے چار اعضاء تھے دو ہاتھ دو پاؤں، ایک تو نے لے لیا تین باقی بچ گئے اور میرے سات بیٹے تھے ایک کو تو نے لے لیا چھ باقی رہ گئے۔ پس میں تیری تعریف کرتا ہوں اس پر جو تو نے دیا اور جو لے لیا ہے، اس پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔"[2]

پریشانیوں اور مصیبتوں میں بھی شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔ وہ کیسے؟ اس کے لئے انسان کو چاہئے کہ نعمتوں کو سوچے کہ کتنی نعمتیں مجھ پر باقی ہیں، جتنی مجھ سے لی گئی ہیں اس کے مقابلے میں کتنی ابھی باقی ہیں۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

أَنَالَكَ رِزْقَهُ لِتَقُوْمَ فِيْهِ ... بِطَاعَتِهِ وَتَشْكُرَ بَعْضَ حَقِّهِ

فَلَمْ تَشْكُرْ لِنِعْمَتِهِ وَلٰكِنْ ... قَوِيْتَ عَلٰی مَعَاصِيْهِ بِرِزْقِهِ[3]

ترجمہ: تیرے رب عزت نے تجھے رزق سے نوازا تاکہ تو اس کی اطاعت میں لگ کر اس کا شکر ادا کرے لیکن تو نے اس کا شکر تو کیا ادا کرنا اس کے عطا کردہ رزق سے قوت حاصل کر کے اس کی نافرمانیوں میں پڑ گیا۔

والدین کا شکر ادا کرنا گویا کہ "اَلشَّكُوْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کا شکر ادا کرنا ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾[4]

ترجمہ: "شکر ادا کر میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھ ہی تک آنا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے شکر کے ساتھ والدین کا شکر ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ اس لئے کہ

---

[1] بنی اسرائیل: ۳ [2] اللطائف ... فصل الثناء والحمد ۲۷۷ [3] ... اهل الثناء والمجد ۹۴

[4] المنهج الاسمیٰ ۱/۲۸۰ [5] لقمان: ۱۴

ترجمہ: "یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی (انہوں نے) اور ہم یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکرا ہو۔"

"الشکور" کا لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾[1]
2. ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾[2]
3. ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾[3]

ذکر و شکر پر استقامت کی دعا

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: مجھے تم سے محبت ہے، لہٰذا تم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا مت بھولنا:

"اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"[4]

ترجمہ: اے اللہ! میری مدد فرما اپنی یاد کرنے میں، اپنے شکر کرنے میں اور اچھی طرح اپنی عبادت کرنے میں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ کلمات فرمایا کرتے تھے:

"رَبِّ أَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ ...... وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ ...... وَامْكُرْ لِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ ......

وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ،

رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيْبًا،

رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ ...... وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ ...... وَأَجِبْ دَعْوَتِيْ ...... وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ ......

وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ ...... وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ."[5]

ترجمہ: "اے اللہ! میری مدد فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ فرما، اور میری نصرت فرما اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ فرما،

اور میرے لئے تدبیر فرما اور میرے خلاف تدبیر نہ فرما، اور مجھے سیدھی راہ چلا اور میری مدد فرما اس شخص کے مقابلے میں جو مجھ پر ظلم کرے۔

اے میرے رب! مجھے اپنا شکرگزار بنا، اپنا ذکر کرنے والا بنا، اپنے سے ڈرنے والا بنا، اپنا تابع دار بنا، اپنی طرف رجوع کرنے والا بنا اور تیرے خوف سے آہیں بھرنے والا اور رجوع کرنے والا بنا۔

---

[1] فاطر: ۳۰　[2] فاطر: ۳۴　[3] الشوریٰ: ۲۳　[4] ابوداؤد، الصلوٰۃ، ابواب الوتر، باب فی الاستغفار: ۱/۲۱۳

[5] ترمذی، الدعوات، باب فی الدعاء: اللّٰهم أعنی ...: ۲/۱۹۵

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، گرمی میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، غرض جو کام بھی چھوٹا ہو یا بڑا طبیعت کے موافق ہو جائے یا کوئی دعا قبول ہو جائے، جس بات سے بھی دل کو لذت و مسرت حاصل ہو، جس کارِ خیر کی بھی توفیق ہو جائے اس پر "اَللہُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کی عادت ڈال لیں۔ اس کام میں نہ وقت لگتا ہے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی محنت لگتی ہے۔

شکر کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ عبادت ہے

شکر کی عبادت اللہ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے عظیم اور محبوب کتاب قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو سورۂ فاتحہ سے شروع فرمایا اور سورۂ فاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع کیا، پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے، آخر کچھ تو بات ہے جو شکر کو اتنی اہمیت سے بیان کیا جا رہا ہے اور یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس سورۃ کو نہ صرف ہر نماز میں بلکہ ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں "اَللہُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی حمد و تعریف ہے اور "اَللہُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو اپنی تعریف و شکر بہت پسند ہے۔[1]

عبادتِ شکر جنت میں بھی جاری ہوگی

جنت میں کوئی عبادت بھی نہیں ہوگی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب عبادتیں ختم ہو جائیں گی، صرف عیش و عشرت ہوگی، لیکن ایک عبادت وہاں بھی رہے گی یعنی شکر۔ حدیث میں آتا ہے کہ اہلِ جنت کے منہ سے ہر وقت حمد جاری رہے گی، جس طرح دنیا میں بغیر کسی ارادے اور محنت کے سانس جاری رہتا ہے اسی طرح جنت میں بلا تکلف حمد جاری رہے گی۔[2]

گناہ کے ساتھ شکر گزاری نہیں ہو سکتی

یاد رکھو شکر گزاری نہیں ہو سکتی جب تک کہ بندہ گناہ میں مبتلا رہے، اگر کسی شخص کو کسی ایک گناہ کی بھی عادت ہے، مثلاً صرف غیبت کرتا ہے، صرف جھوٹ بولتا ہے، صرف بخل کی بیماری ہے، صرف شرعی وضع قطع جو ہونا ضروری ہے وہ نہیں ہے یا اسی طریقے سے گناہوں میں سے ایک گناہ کا عادی ہے تو ایسا شخص کامل شاکر نہیں، شکر کرنے والا اور نعمت کی قدر کرنے والا نہیں، پھر جب شکر گزار نہیں تو پھر نعمت میں ترقی کیسے ہوگی؟ نعمت میں زیادتی تو جب ہوگی جب شکر کرے۔

مقامِ شکر سے محرومی کا انجام

جب انسان کو "مقامِ شکر" حاصل نہیں ہوتا تو تکلیفوں اور پریشانیوں کے لئے اس کا احساس تیز اور نعمتوں کے لئے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۹۳ [2] الترمذی، باب صفۃ اهل الجنۃ ۲/۸۰

بندہ قسم کا ارادہ رکھتا ہے کہ اس عمل کی برکت سے اس کی خوب صورتی میں ضرور اضافہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

اسی طرح اگر کوئی مال، عزت اور دین دنیا میں بڑھوتری چاہتا ہے وہ بھی کثرت سے شکر ادا کرے۔

فائدہ ۲: عطاءِ محبتِ الٰہی کی بشارت

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایک مجلس میں فرمایا: "شکر سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور محبت سے قربِ حق کا تقاضا ہوتا ہے" (جو کہ مقصودِ اصلی ہے)۔

فائدہ ۳: شکر عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ﴾[1]

ترجمہ: ''یعنی اگر تم میرا شکر کرتے رہو تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔''

معلوم ہوا کہ جو ایمان والے شکر گزار ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔[2]

فوائد و نصائح

1. جس بندہ کا "الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُهُ" سے تعلق پیدا ہو جائے گا تو وہ ہر چھوٹی بڑی نعمت پر شکر ادا کرے گا، اور نیک اعمال میں مزید ترقی کی کوشش کرے گا۔
2. شکر کی توفیق جسے مل گئی گویا اسے آدھا ایمان مل گیا اور اگر صبر بھی خوب کرنے والا ہے تو صبر کرنا بھی آدھا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے: "اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو" اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: "اور میرا شکر ادا کرو ناشکری نہ کرو۔"
3. شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں، اس لئے خوب ذکر و شکر کرنے کی عادت ڈالیں، جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر شکر ہو اور اگر کوئی پریشانی آئے تو صبر کریں اور اس اسم مبارک سے دل کی ذکر و شکر کی دعا، نعمتوں کے ختم ہونے سے بچنے کی دعا کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کریں اور نمازوں کے بعد مانگتے رہیں۔

---

[1] النساء: ۱۴۷ [2] مشکوۃ قلب، ۳۴۳، ۱۹۱

اور پاک ہے ان باتوں سے جنہیں ظالم اور سرکش لوگ کہا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند ہے، عالی شان ہے، عظیم الشان ہے۔[1]

باری تعالیٰ کا یہ مبارک نام قرآن کریم میں آٹھ مرتبہ آیا ہے۔ جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾[2]
2. ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾[3]
3. ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾[4]

اللہ تعالیٰ سے اس کے پیارے نام کے ذریعے دعا مانگیے

واقعہ نمبر ①: درحقیقت ہر عزت وعظمت اور بلندی وبرتری کی مالک وہی ذات پاک ہے۔ یہ اسم مبارک ان پیارے ناموں میں سے ہے جن کے ذریعے دعا مانگ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیئے تھے اور سمندر میں "اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنی قدرت سے ان کے لئے راستے بنا دیئے۔

حضرت سہم بن منجاب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ہم علاء بن حضرمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے۔ ہم چلتے چلتے دارین (جزیرے) کے پاس پہنچ گئے۔ ہمارے اور دارین والوں کے درمیان سمندر تھا۔ علاء بن حضرمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے یہ دعا مانگی:

"يَا عَلِيْمُ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ اِنَّا عَبِيْدُكَ وَفِيْ سَبِيْلِكَ نُقَاتِلُ عَدُوَّكَ..... اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْ لَنَا اِلَيْهِمْ سَبِيْلًا"

ترجمہ: "اے علیم، اے بردبار، اے علی، اے عظیم! ہم تیرے بندے ہیں، اور تیرے راستے میں تیرے دشمن سے جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ! دشمن تک پہنچنے کا ہمارے لئے راستہ بنا دے۔"

اس کے بعد علاء بن حضرمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیں لے کر سمندر میں اتر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ گھس گئے، اور سمندر کا پانی ہماری زین کے نمدوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم لوگ ان تک پہنچ گئے۔[5]

واقعہ نمبر ②: ایک موقع پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے کہ

---

[1] قال ابن كثير رحمه الله: وقوله ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (الحج ٦٢) كما قال ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرة ٢٥٥) وقال ﴿الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد ٩) فكل شيء تحت قهره وسلطانه وعظمته، لا اله الا هو ولا رب سواه؛ لانه العظيم الذي لا اعظم منه، العلي الذي لا اعلى منه، الكبير الذي لا اكبر منه، تعالى وتقدس وتنزه عز وجل عما يقول الظالمون المعتدون علوا كبيرا. (تفسير ابن كثير: ٣/٢٢٣، الحج ٦٢)

[2] البقرة: ٢٥٥ [3] الحج: ٦٢ [4] المؤمن: ١٢ [5] حجة الاولياء: [illegible]

لشکر والے سخت پیاسے ہوئے اور پانی ختم ہو چکا تھا۔ حضرت علاء بن حضرمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نماز پڑھی اور دعا کی:

"اَللّٰھُمَّ یَا عَلِیْمُ یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ..... اِنَّا عَبِیْدُكَ وَفِیْ سَبِیْلِكَ نُقَاتِلُ عَدُوَّكَ..... فَاسْقِنَا غَیْثًا نَشْرَبُ مِنْهُ وَنَتَوَضَّأُ..... وَلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِیْهِ نَصِیْبًا غَیْرَنَا."

تَرجَمَہ: "اے اللہ! اے علیم! اے حلیم! اے علی! اے عظیم! ہم تیرے بندے ہیں اور تیری راہ میں تیرے دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ سو ہم پر ایسی بارش برسا، جس سے ہم سیراب بھی ہوں اور وضو بھی کریں اور اس میں ہمارے علاوہ کسی اور کا حصہ نہ ہو یعنی وہ صرف ہمارے لئے مخصوص ہو۔"

اس کے بعد وہ تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ انہوں نے بارش کے پانی کی نہر دیکھی جس کا پانی اچھل رہا تھا۔ سارے لشکر والوں نے اس پانی کو استعمال کیا اور اپنے برتن بھی بھر لئے۔ پھر وہ آگے چل دیئے۔ کچھ ساتھی اپنی ضرورت کے لئے واپس نہر کی جانب آئے تو وہاں انہوں نے کچھ بھی نہ پایا۔ گویا کہ اس جگہ پر اس سے پہلے بھی پانی تھا ہی نہیں۔ (یہ حضرت علاء بن حضرمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دعا کی برکت تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصیت کو بھی برقرار رکھا کہ وہ چشمہ صرف اسی لشکر کے لئے پیدا کیا گیا تھا)۔[1]

جو اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے، اگرچہ ساری دنیا کی چیزیں حاصل بھی کر لے تب بھی وہ نقصان میں ہوتا ہے، تو وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جس کا کل سرمایہ ہی دنیا کا تھوڑا سا مال و متاع ہو؟ کیونکہ حقیر دنیا کا مال و متاع، جو ساری کی ساری مل کر بھی مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔[2]

یہ نام کتنا اہم ہے

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے آسمانوں پر جو تسبیح سنی ان تسبیحات میں یہ نام بھی مذکور ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے معراج کی رات آسمانوں میں جو تسبیحات سنیں وہ یہ تھیں:

"سُبْحَانَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی."[3]

تَرجَمَہ: "پاک ہے وہ ذات جو بلند، سب سے برتر، پاک اور عالی شان ہے۔"

امام حاکم نیشاپوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ذکر کیا ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی دعا اس تسبیح سے شروع فرماتے تھے:

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الْوَهَّابِ."[4]

تَرجَمَہ: "میرا رب سب عیبوں سے پاک ہے، بلند اور سب سے برتر اور سب سے زیادہ دینے والا ہے۔"

---

[1] اهل الثناء والمجد ۲۶۱ [2] اهل الثناء والمجد ۲۶۲

[3] تفسیر قرطبی: ۲/۲۷۸ [4] المستدرك للحاكم: ۱/۶۳۰، حدیث: ۱۸۶۷

الحفیظ جل جلالہ

(سب کی حفاظت کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

● قَالَ الزَّجَّاجِيُّ: (اَلْحَفِيْظُ): اَلْحَافِظُ.

ترجمہ: "امام زجاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حفیظ، حافظ کے معنی میں ہے۔"

❷ (اَلْحَافِظُ) وَمَعْنَاهُ الصَّائِنُ عَبْدَهُ عَنْ أَسْبَابِ الْهَلَكَةِ فِيْ أُمُوْرِ دِيْنِهِ وَدُنْيَاهُ.[1]

ترجمہ: الحافظ وہ ذات ہے جو تمام دینی اور دنیاوی کاموں میں بندوں کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔

❸ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر حفیظ ہیں۔ (یعنی ساری مخلوق ان کی حفاظت و نگرانی میں ہے) اور وہی ان کی حفاظت کرتے ہیں ہر ناگہانی و غیر متوقع آفت و مصیبت سے جو پیش آتی ہو، جس کا خدشہ ہو۔[2]

"حفیظ" امانت کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور اسی معنی میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے: ﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾[3]

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجیے۔ میں امانت دار (نگہبان) اور خوب جاننے والا ہوں۔

کبھی "الحفیظ" کسی چیز کو گن کر اور جان کر محفوظ کرنے والے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

بے شک وہی چیز محفوظ رہتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں اور جس کے بارے میں آپ اللہ تعالیٰ فیصلہ

---

[1] المنہاج ۱/۲۰۹

[2] قال ابن القیم في نونيته:

وَهُوَ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمُ وَهُوَ الْكَفِيْلُ بِحِفْظِهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ عَانِ

(النونية: ۳۲۱۰، كذا شرحها على النهج الاسمى ۱/۳۸۹)

[3] یوسف: ۵۵

فرماتے ہیں کہ یہ چیز محفوظ رہے اور باقی رہے اور جس چیز یا ہستی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ضائع کرنے یا کمزور کرنے یا ہلاک کرنے کا فیصلہ فرمادیں تو یقیناً وہ ضائع ہونے والی ہے اور ہلاک ہونے والی ہے۔

اسم مبارک "الحفیظ" قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾[1]

❷ ﴿وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾[2]

❸ ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ﴾[3]

الحفیظ جل جلالہ کی حفاظت کے کرشمے

❶ "الحفیظ جل جلالہ" نے اپنی کتاب عزیز کی حوادثات زمانہ کے باوجود جو کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے رہتے ہیں، تغیر، تبدیلی اور تحریف (رد و بدل) سے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[4]

ترجمہ: "ہم نے خود اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن) اور ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں۔"

لہٰذا قرآن مجید اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "الحفیظ جل جلالہ" نے اس کلام مجید کی ان طویل زمانوں کے گزر جانے کے باوجود حفاظت فرمائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے آنکھوں دیکھی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی سچائی پر ایک دلیل ہے۔

مسلمانوں پر تاریخ کا وہ سیاہ دور بھی گزرا ہے جو فتنوں سے پر تھا۔ جس میں اہل بدعت اور نفس پرست لوگوں کا ہجوم ہو گیا تھا، جنہوں نے اس دین میں طرح طرح کی نئی چیزیں داخل کیں اور رسول اللہ ﷺ کی جانب طرح طرح کی جھوٹی باتیں منسوب کیں لیکن اس کے باوجود وہ سب کے سب قرآن مجید میں کوئی تحریف کرنے سے قاصر رہے، حتیٰ کہ ایک حرف کو بھی تبدیل نہ کر سکے۔ قرآن مجید اپنی حالت پر برقرار رہا اور اب بھی ہے اور قرآن مجید کا ایک ایک حرف اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔

دنیا کے کتب خانے ایسی کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو چودہ سو سال سے اپنے الفاظ، حروف، نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آ رہی ہو۔

❷ اسی طرح ان مقامات کا حال ہے جو عبادت کے لئے مخصوص کئے گئے۔ ان میں سے وہی مقامات محفوظ ہیں جن کی "الحفیظ جل جلالہ" نے حفاظت فرمائی اور "الحفیظ جل جلالہ" بہترین حفاظت فرمانے والے ہیں۔

❸ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ان نشانیوں میں سے

---

[1] ھود:۵۷ [2] سبا:۲۱ [3] الشوریٰ:۶ [4] الحجر:۹

ایک کعبہ بھی ہے۔ کعبۃ اللہ پتھروں سے بنا ایک گھر ہے، جو ایک وادی میں واقع ہے جہاں کھیتی بھی نہیں ہوتی۔ نہ ہی اس جگہ کوئی دشمن سے کعبۃ اللہ کی حفاظت کرنے والا تھا اور نہ ہی آس پاس باغات تھے اور نہ ہی ایسے امور جن کی طرف لوگوں کو رغبت ہوتی ہو اور اگرچہ اس کی طرف رغبت کی اور عظمت کی کوئی ظاہری صورت نہ تھی، مگر پھر بھی اُس ذات "الحفیظ جل جلالہ" نے اپنی قدرت سے اس کی ہیبت اور عظمت لوگوں کے دلوں میں اپنے گھر کی ڈالی کہ ایک تو رغبت سے مخلوق اس کی طرف مائل ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ جو اس دربار میں آتا ہے ذلیل ہو کر دل میں عاجزی لے کر، نفس کی اپنی پستی کی انتہائی سوچ کے ساتھ آتا ہے اور روئے زمین سے مخلوق ان ہی جذبات کے ساتھ کھنچی چلی آتی ہے۔ یہ ہزار سال سے زائد عرصے سے ہو رہا ہے، کسی اور گھر کے ساتھ پوری دنیا میں کہیں ایسا معاملہ نہیں کیا جاتا، جو اس قدرت والے کی رحمت کے سایہ کی وجہ سے اس دربار کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز (اس بات کو یوں بھی سوچو کہ) دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ عظیم الشان محلات بناتے ہیں۔ وہ کچھ عرصے باقی اور قائم رہتے ہیں پھر منہدم ہو جاتے ہیں، پھر کوئی ان کی بنیاد یا باقیات دیکھنے نہیں جاتا اور کوئی ان کے خراب ہونے یا گر جانے سے نہیں ڈرتا۔[۱]

● "الحفیظ جل جلالہ" اپنے بندوں کے اعمال کی حفاظت فرماتے ہیں اور کسی عمل کو ضائع نہیں فرماتے اور نہ "الحفیظ جل جلالہ" پر کوئی عمل مخفی رہتا ہے، خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، اور ان اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پورا پورا عطا فرمائیں گے۔ اگر اچھے اعمال کئے ہوں گے تو اچھا بدلہ اور اگر برے اعمال کئے ہوں گے تو برا بدلہ۔ "الحفیظ جل جلالہ" ان اعمال میں سے کسی عمل کو بھولتے نہیں اگرچہ لوگ بھول جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال گن رکھے ہیں اور وہ لوگ ان اعمال کو بھول گئے ہیں۔"[۲]

"اور ہر چیز ہم نے گن کر لکھ رکھی ہے۔"[۳]

ہر چیز گن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں میں سے کراماً کاتبین کو مقرر فرمایا ہے۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے:

"اور تم پر نگہبان مقرر ہیں، عزت والے، عمل لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔"[۴]

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾[۵]

ترجمہ: "یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

جب ہود علیہ السلام کی قوم نے حضرت ہود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے کہا ہمارا خیال یہ ہے کہ

---

۱ المنهج الأسنى: [illegible] ۲ المجادلة: ۶
۳ النبأ: ۲۹ ۴ الانفطار: ۱۰، ۱۱ ۵ هود: ۵۷

ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو ان کی عبادت سے روکتے اور برا بھلا کہتے تھے، انہیں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو سمجھایا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بے چاری پتھر کی مورتیاں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں، تم سب جو بڑے شہ زور.... تنومند اور طاقت ور.... نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر مجھ جیسے تنہا پر پوری قوت سے یک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

سنو! میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بیزار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ نہ اس میں ذرا کوتاہی کرو، نہ ایک لمحہ کی مجھے مہلت دو۔

اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ پر ہے، جو میرا رب ہے اور وہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے، گو کج فہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز، جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضے اور تصرف میں ہے۔ گویا ان کے سر کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے قبضہ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں، نہ سچے اس کی پناہ میں رہ کر رسوا ہو سکتے ہیں۔

بلاشبہ میرا پروردگار عدل وانصاف کی سیدھی راہ پر ہے، اس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام۔ اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اس نے بتلائی، بیشک اسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے موجود ہے۔[1]

"الحفیظ جل جلالہ" کی طرف سے حفاظت کے اسباب

اس ذات "الحفیظ جل جلالہ" کی جانب سے حفاظت کے عجیب عجیب طریقے ہیں اور عجیب وغریب باتیں مشاہدے میں آتی ہیں کہ ہر شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ دنیوی اور روحانی اعتبار سے بھی ہمارا کوئی محافظ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پولیس، چوکیدار یا ہمارے عزیز واقارب یا پڑوسی ہماری جان ومال کی حفاظت کر رہے ہیں، مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے، حفاظت دراصل اس "الحفیظ جل جلالہ" کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی حفاظت کو جس دم اٹھا لیتا ہے، چور مال چرا کر لے جاتے ہیں اور قاتل قتل کر جاتا ہے، خواہ کتنے ہی پہرے دار محافظ اور نگہبان کیوں نہ ہوں۔

واقعہ نمبر ۱: ایک مشہور بادشاہ (شاہ فیصل رحمۃ اللہ تعالیٰ) ایک مضبوط قلعے میں ایک محفوظ مقام پر محافظوں کی

[1] تفسیر عثمانی: ۲

اپنی حفاظت کو سنبھال لیتا ہے تو وہ فنا ہو جاتی ہے۔ خشخاش کے دانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی چھوٹے چھوٹے انڈوں میں وہ کس کمال حفاظت سے نطفہ مادر و پدر کو محفوظ کر کے انہیں ایک زندہ اور مخلوق بنا دیتا ہے۔ ریشم، مچھلی، آتش و آب میں ان بے شمار مخلوقات کی رات دن حفاظت کرتا ہے۔

اس کی حفاظت کے بھی عجیب و غریب مرتبے ہیں۔ وہ فرعون جیسے بنی اسرائیل کے دشمن کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو پروان چڑھا دیتا ہے، خون خوار درندوں سے، انسانوں کے بچوں کی پرورش کرا لیتا ہے۔ ابھی کچھ سالوں کا واقعہ ہے کہ لکھنؤ کے جنگل میں ایک بچے فرزند آدم کو زیر علاج رکھا گیا تھا، جسے بھیڑیے نے بچپن میں اپنے کھانے کے لئے اٹھایا تھا، مگر حفاظت الٰہیہ سے وہ دشمن اس کا تربیت کرنے والا بن گیا حتیٰ کہ وہ جوان ہو گیا۔

ابھی کچھ دنوں کا واقعہ ہے کہ کراچی میں ایک بلی نے بچے دیئے پھر وہ مر گئی، ایک کتیا ادھر سے گزری تو وہ اپنے دودھ سے ان کی پرورش کرنے لگی، یہ عجوبہ قدرت اہل کراچی نے بڑے تعجب سے دیکھا۔[1]

سچ ہے جسے خدا رکھے اسے کون چکھے

الحفیظ جل جلالہ کا انسانی جسم میں حفاظت کا عجیب و غریب انداز

ہر روز آپ کے جسم کی گہرائیوں کے اندر ایک جنگ لڑی جاتی ہے جس کا ادراک آپ کو نہیں ہوتا۔ اس جنگ میں ایک فریق وائرس اور بیکٹیریا پر مشتمل ہوتا ہے جو آپ کے جسم کے اندر سرایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے قابو میں کر لیتے ہیں اور دوسری جانب دوسرا فریق محافظ خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ان دشمنوں سے آپ کے جسم کو بچاتے ہیں۔ دشمن حملے کے لئے انتظار کرتا ہے، جب موقع ملتے ہی مطلوبہ حصے میں پہنچ جائے اور پھر پہلے مرحلے میں اپنے ہدف کے علاقے میں داخل ہو جائے، مگر ہدف والے حصے میں موجود مضبوط، منظم اور ایک زنجیر کے جانباز سپاہی دشمن کو آسانی کے ساتھ اندر آنے نہیں دیتے۔

سب سے پہلے دفاعی جنگ لڑنے والے یہ سپاہی دشمن کے سپاہیوں کو نگل جاتے ہیں۔ وہ انہیں (خلیہ خوروں کو) میدان جنگ میں پہنچتے ہی، بے اثر بنا دیتے ہیں، تاہم کبھی کبھار یہ جنگ اس قدر سخت ہوتی ہے کہ دفاع کرنے والے ان سپاہیوں کے بس کی بات نہیں رہتی۔ ایسے دشمنوں پر دوسرے سپاہی (بڑے کھال خلیے macroproges) طلب کر لیے جاتے ہیں۔ ان کی شمولیت ہدف کے علاقے میں خطرہ پیدا کر دیتی ہے اور دوسرے سپاہی (مددگار خلیے) بھی جنگ میں بلا لیے جاتے ہیں۔ یہ سپاہی مقامی آبادی سے بہت مانوس ہوتے ہیں۔ وہ بہت جلد اپنی اور دشمن کی فوج کے درمیان پہچان کر لیتے ہیں اور فوراً ان سپاہیوں کو ہدایت جاری کرتے ہیں جن کے ذریعے ہتھیاروں (بی خلیوں) کی فراہمی ہوتی ہے۔

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ للازہری ص ۱۰۶

عمر نے کہا میں کروں گا۔ لوگوں نے کہا بے شک تم ہی کر سکتے ہو۔ عمر تلوار لٹکائے ہوئے اٹھے اور چل دیئے راہ میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ بنی زہرہ کے جن کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے (اور بعضوں نے کسی اور صاحب کا نام لکھا ہے) ملے۔ انہوں نے پوچھا عمر! کہاں جا رہے ہو؟

کہنے لگے: محمد (ﷺ) کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد نے کہا: بنو ہاشم اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے؟ وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا ہے لا پہلے تجھ ہی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں، تلوار سنبھال لی۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ غصے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔

وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ مکان کے کواڑ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کواڑ کھلوائے۔ ان کی آواز سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ جلدی میں باہر ہی رہ گیا، جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے کواڑ کھولے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا: اپنی جان کی دشمن! تو بھی بے دین ہو گئی۔ اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا بات چیت کر رہے تھے۔ کہنے لگے: "کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا؟"

بہنوئی نے کہا: اگر دوسرا دین حق ہو تب؟

یہ سننا تھا کہ ان کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو ان کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں: عمر! ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے، بے شک ہم مسلمان ہو گئے ہیں جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔ اس کے بعد حضرت عمر کی نگاہ اس صحیفے پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصے کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آ رہی تھی۔ کہنے لگے: اچھا! مجھے دکھلاؤ یہ کیا ہے؟

بہن نے کہا: تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہر چند اصرار کیا مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور اس کو لے کر پڑھا۔ اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اس کو پڑھنا شروع کیا اور ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [1] تک پڑھا تھا کہ حالت ہی بدل گئی۔

---

[1] طٰہٰ: ۱۴

کر ہلاک کر دیے۔

کھڑی تو ہلاک ہوگئی لیکن اس کے زہر کی چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑ گئیں، جو اس کی موت کا سبب بن گئیں۔[1]

یہ عورت صاف ستھرے شفاف محل میں محکم بنی ہوئی تک ایک مکڑی کے ذریعے ہلاک ہوگئی۔ اس کے بالمقابل کتنے ہی ایسے آدمی ہیں کہ زندگی بھر جنگوں اور معرکوں میں گزار دی وہاں موت نہ آئی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام کے سپاہی اور جرنیل مشہور ہیں اور "سیف اللّٰہ" ان کا لقب ہے، پوری عمر شہادت کی تمنا میں جہاد میں مصروف رہے اور ہزاروں کافروں کو تہ تیغ کیا۔ ہر خطرے کی وادی کو بے خوف و خطر عبور کیا اور ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ میری موت عورتوں کی طرح چارپائی پر نہ ہو بلکہ ایک شہسوار کی طرح میدانِ جہاد میں ہو، لیکن آخر کار ان کی موت بستر پر ہی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی اور موت کو حکیم و قادرِ مطلق نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب وہ چاہے تو آرام کے بستر پر ایک مکڑی کے ذریعے مار دے اور بچانا چاہے تو تلواروں کی چھاؤں میں بچا لے۔[2]

الحفیظ جل جلالہ جس طرح چاہے حفاظت فرماتا ہے

واقعہ نمبر (۵): حضرت عمرو بن یحییٰ مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک قافلے کے ساتھ کوفہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ راستے میں ہمارے ایک ساتھی کو استسقاء (پیاس لگنے) کی بیماری ہوئی۔ اسی سفر کے دوران کچھ عرب ڈاکو ہمارے قافلے میں سے اونٹوں کی ایک قطار جدا کر لے گئے۔ اتفاق سے وہ بیمار شخص اسی قطار میں شامل تھا۔ اس لئے وہ بھی ہم سے بچھڑ گیا۔ اس کے کافی دنوں بعد جب ہم واپس لوٹ رہے تھے تو وہی شخص ہمیں وہاں پوری طرح صحت مند نظر آیا۔

ہم نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا وہ قبائلی لوگ مجھے اپنی بستی میں لے گئے۔ جو وہاں سے چند کوس کے فاصلے پر تھی اور مجھے انہوں نے اپنے گھروں کے قریب لے جا کر ڈال دیا۔ میں اس کربناک زندگی سے عاجز آکر موت کی تمنا کر رہا تھا۔ اسی میں ایک دن میں نے انہیں دیکھا کہ وہ بہت سے اژدھے شکار کرکے لائے ہیں اور ان کے سر اور دم کاٹ کر انہیں بھون رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ لوگ اژدہوں کے کھانے کے عادی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر میں کھاؤں تو مر جاؤں، ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اگر میں مر گیا تو اس المناک زندگی سے نجات مل جائے گی۔

چنانچہ میں نے ان سے وہ بھنا ہوا اژدھا مانگا، تو انہوں نے میری طرف پھینک دیا اور میں نے کھا لیا۔ اس کا کھانا تھا کہ مجھے زبردست غنودگی آئی اور جب میں بیدار ہوا تو پسینے سے شرابور تھا اور شدید گرمی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے دست آنے لگے اور میرا پیٹ ہلکا ہو گیا۔ یہاں تک کہ تین دن ہوتے ہوتے میرا پھولا ہوا پیٹ پچک گیا۔ پھر میں نے ان

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۵ ج ۱۔[2] معارف القرآن ص ۳۹۱ ج ۲

لوگوں سے کوئی کھانے کی چیز مانگی اور چند روز میں بالکل شفایاب ہو گیا۔[1]

إِنَّ الْمَقَادِيرَ إِذَا سَاعَدَتْ ... أَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ

ترجمہ: "یعنی جب تقدیر الٰہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملا دیتی ہے"

اسی طرح "الحفیظ جل جلالہ" کی حفاظت زمین و آسمان کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر جاری ہے یہاں تک کہ بادام و اخروٹ کے گودے کو سخت چھلکے اور پوست کی طراوت و رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، تاکہ ان سے بعض کھانے والے جانداروں کا دفاع ہوتا رہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں، جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ، پنجے اور کچلیاں ہیں، حتیٰ کہ پانی کے قطرے قطرے کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہوتے ہیں جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں۔[2]

داعی کے گھر والوں کی حفاظت

واقعہ نمبر ۲: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے علاقے سے ہجرت فرمائی تو ان کے ہمراہ ان کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام بھی تھیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے آگ میں ڈالا اور آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے لیے گل گلزار بن گئی تو اس کے بعد انہوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور دور دراز علاقوں میں جا کر رہتے رہے۔ ظاہر بات ہے کہ سفر، غریب الوطنی اور اجنبی علاقوں میں کوئی ان کا مددگار و حمایتی نہ تھا اور ایسے حالات میں ظالم و سرکش لوگ مسافر لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایسے ظالم و جابر اور اقتدار کے نشے میں مدہوش فرعون صفت انسان سے واسطہ پڑا جس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) اس کی سرزمین پر دنیا کی حسین و جمیل عورت کے ساتھ اترا ہے۔ اس زمانے میں ظالم اور بدمعاش لوگوں کا طریقہ تھا کہ اگر کسی عورت کو حاصل کرنا چاہتے تو اس کے شوہر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتے تھے (اگر وہ عورت شوہر والی ہوتی)۔ البتہ اگر وہ کنواری ہوتی یا اپنے باپ یا بھائی کے ساتھ ہوتی تو اس صورت میں اس سے اور اس کے عزیز و اقارب اور گھر والوں کو چھوڑ دیتے۔

یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس ظالم بادشاہ کے قاصد سے یہی کہا کہ سارہ میری بہن ہے (تاکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار نہ کرے اور حضرت سارہ علیہا السلام کی عزت پر حملہ آور نہ ہو) لیکن اس کے باوجود اس ظالم نے ان پر بدنیتی سے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو اس بادشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ بالآخر پیغمبر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین راسخ (پختہ) اور "الحفیظ جل جلالہ" حضرت سارہ کی عزت و عصمت کی حفاظت

---

[1] [illegible] ۰۰   [2] رسائل [illegible]

فرمائی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "اللّٰہ جل جلالہ" کی ذات پر کامل یقین تھا کہ حضرت سارہ علیہا السلام جابر بادشاہ کی شیطانیت سے محفوظ رہیں گی، لہٰذا انہیں بھیج دیا۔ البتہ انہیں یہ بتلا دیا کہ:

"میں نے بادشاہ کو یہ بتلایا ہے کہ تم میری دینی بہن بھی ہو" یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے سے سب ایمان والے بہن بھائی ہیں، اس طور پر شرعاً یہ جھوٹ بھی نہ ہوا۔

بہرکیف! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا کہ میں نے اسے یہی بتلایا ہے کہ "تم میری بہن ہو اور حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے، لہٰذا تم میری ایمانی بہن ہو۔" (اللہ جل جلالہ کا ارشاد بھی ہے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[1] "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں")

چنانچہ جب حضرت سارہ علیہا السلام اس سرکش و شیطانی صفت بادشاہ کے پاس پہنچیں، اس نے تو ازراہِ شیطانیت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو قدرت کی غیبی تو تیں حرکت میں آگئیں اور وہ ظالم شیطان عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو گیا اور حق تعالیٰ نے اسے اپاہج اور معذور کر دیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ یہ اگر مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ میں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اس شیطان نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا: تم اللہ سے دعا کرو کہ مجھے اس عذاب سے نجات دے تو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور تم سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی اور اسے عذاب سے نجات مل گئی، لیکن عذاب سے نجات ملتے ہی اس کی شیطانیت پھر لوٹ آئی اور اس نے دوسری بار ازراہِ خباثت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر قدرت کی غیبی مدد ان کے ساتھ تھی، لہٰذا پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اس ظالم بادشاہ کو اپاہج و معذور کر دیا گیا۔ وہ پھر رونے لگا کہ "تم دعا کرو کہ اس مصیبت سے نجات مل جائے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ حضرت سارہ نے پھر دعا کی:

"یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر الزام لگے گا کہ اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا، لہٰذا اسے چھوڑ دیجیے۔" غرض اسے نجات دے دی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے دربانوں اور مددگاروں کو بلوایا اور انہیں کہا کہ تم تو میرے پاس کس شیطان کو لے آئے ہو (وہ سمجھتا تھا کہ غیبی قوت کے خزانے شیطان کے پاس ہوتے ہیں) اسے لے جاؤ اور بالکل صحیح و سالم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس پہنچا دو۔ کیوں کہ وہ جان گیا تھا کہ ان کی حفاظت تو کہیں اور سے کی جا رہی ہے اور وہ ہر طرح سے آبروئی سے محفوظ ہیں اور اس نے بطورِ خادمہ ہاجرہ علیہا السلام بھی ہدیۃً پیش کیں اور یہ وہی ہاجرہ ہیں جو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہیں کہ حضرت سارہ علیہا السلام نے انہیں اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام کو ہدیہ کر دیا تھا اور انہوں نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔[2]

---

[1] الحجرات: ۱۰ [2] قصص القرآن ۶۳

جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ پھر فرمایا: اے معاذ! کیا تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ یہ کام کرلیں؟ (یعنی عقیدۂ توحید پر صحیح طریقے سے جمے رہیں اور صحیح عمل پر بھی قائم رہیں)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسی صورت میں بندوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے۔"[1]

یہ بہت بڑا حق ہے جس کی حفاظت و رعایت کا "الحفیظ جل جلالہ" نے حکم فرمایا ہے۔ اور اسی حق کی حفاظت کی خاطر "الحفیظ جل جلالہ" نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ سو جس شخص نے اس حق کی حفاظت دنیا میں کی، "الحفیظ جل جلالہ" قیامت کے دن اپنے عذاب سے اس کی حفاظت فرمائیں گے اور اسے سلامتی وامن نصیب فرمائیں گے اور "الحفیظ جل جلالہ" کے ہاں اس کے لئے ایک عہد ہوگا جس کے تحت "الحفیظ جل جلالہ" اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور جہنم سے حفاظت نصیب فرمائیں گے، اور اگر ایسے شخص کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب بھی ہوا تو بھی ایسا شخص توحید پر قائم رہنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے سے محفوظ رہے گا۔ (بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا) جب کہ کفار جنہوں نے "الحفیظ جل جلالہ" کے حق یعنی توحید کو ضائع کیا، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اور وہ بڑے بڑے واجبات جن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے ان میں ایک نماز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَىٰ﴾[2]

ترجمہ: "نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾[3]

ترجمہ: "(کامیاب ہوئے وہ مومنین) جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں۔"

سو جس نے نمازوں اور اس کے ارکان کی حفاظت کی تو "الحفیظ جل جلالہ" اس کی اپنے عذاب سے حفاظت فرمائیں گے اور اس کو قیامت کے دن نجات حاصل ہوگی۔

---

[1] مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات ..... (٤٩)

[2] البقرة: ٢٣٨ [3] المؤمنون: ٩

میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

قسم کی حفاظت

جن چیزوں کی حفاظت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ان میں سے قسم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: ”اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔“

قسم کی حفاظت انسان کے ایمانی جذبہ کے تحت ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ قسم کے معاملے کو انتہائی آسان سمجھتے ہیں اور بات بات میں قسم اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ اور آخر قسم کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ان پر کفارے لازم ہوتے رہتے ہیں لیکن انہیں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ (یا تو دینی معاملات سے ناواقفیت کی بناء پر یا کفارے کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) تو ایسے لوگ گناہ میں پڑے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک نازک معاملہ ہے اس میں سب کو احتیاط برتنی چاہئے اور عوام میں اس مسئلے کو اجاگر کرنا علماء امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے کی اہمیت کا شعور عوام میں پیدا کریں۔

دین کی حفاظت کے لئے سب سے اہم چیز دعا ہے۔ جب مؤمن بندہ جب اللہ تعالیٰ سے اپنے دین کی حفاظت کے لئے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ مؤمن کے دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مؤمن بندے اور ان چیزوں کے درمیان جو دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں، ایسے اسباب حائل فرما دیتے ہیں جن کی طرف بندہ کا گمان بھی نہیں جاتا اور بعض اوقات بندہ ان اسباب کو ناپسند بھی کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کے فائدے کے لئے ہوتے ہیں اور یہ دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ ایسے فرماتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے دین کی حفاظت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ”اور یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہم یوسف سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔“

اپنی حفاظت کے لئے یہ دعائیں کیجئے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص صبح و شام تین تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے اسے کوئی زہریلا جانور نقصان نہیں پہنچائے گا:

● ”اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔“[3]

[1] المائدة:۸۹ [2] یوسف:۲۴ [3] مسند احمد، کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ والتعوذ:۳۶۷۰

صبح و شام ایک ایک مرتبہ ذیل کے کلمات پڑھے تو جن و انس کے شر سے حفاظت ہوتی ہے۔

❶ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ." [١]

❷ اور ہر فرض نماز کے بعد قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ـــــ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ـــــ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔

حفاظت کے لئے ان کلمات کو پڑھنے کے ساتھ ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ مال و اسباب کی ہلاکت کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پوری طرح زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔ اس لئے زکوٰۃ پوری طرح ادا کرنے کا اہتمام کریں اور دوسرے کسی مسلمان کا کوئی اور جانی یا مالی حق بھی ہرگز نہ دبائیں کہ جس کی بنا پر آپ اس کی بددعا کے مستحق ٹھہریں اور وہ بددعا آپ کے جان و مال کے نقصان کا سبب بنے۔ [٢]

فوائد و نصائح

اس مبارک اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ ان چند باتوں پر عمل کریں:

❶ اللہ تعالیٰ کو محافظ حقیقی یقین کریں۔

❷ حفاظتِ ظاہری کے جملہ اسباب کو بغیر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے ہیچ و حقیر سمجھیں۔

❸ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی جان و مال اور اولاد کا حقیقی محافظ سمجھیں۔

❹ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ اٹھانا اور نامحرم کی طرف دیکھنا ہے، اور آخری نتیجہ زنا ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کا تعلق اسے مضبوط اور پختہ ایمان حاصل ہو، اس کو چاہئے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے۔ اخبار، ٹی وی، اشتہارات، کمپیوٹر وغیرہ پر خصوصاً اور عمومی زندگی میں عموماً اپنی نگاہ پر سخت چوکی دار بٹھائے۔ [٣]

❺ جس کی حفاظت میں آکر جملہ بلیات شیطانی و آفاتِ نفسانی سے کنارہ کش رہیں اور مؤمن بندہ پر یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری میں زندگی گزارے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور بندوں کے حقوق ظلم نہ کرنا، الزام نہ لگانا، تکلیف نہ پہنچانا وغیرہ کا اہتمام و حفاظت کرے۔ [٤]

---

[١] ترمذی، ابواب الدعوات: ج٢، ص١٩٢ [٢] حفاظت اور عافیت کے لئے تیس (٣٠) دعائیں صبح و شام مانگنے کا معمول بنالیں، جو ہمارے یہاں کی شائع شدہ کتاب "صبح و شام کی مسنون دعائیں" میں درج ہیں اور مختصر کتابچہ کی صورت میں بھی چھپوا دی گئی ہیں۔

[٣] طبرانی: ٢٩٦ [٤] شرح اسماء الحسنیٰ للمسعودی: ٩٦

المُقِيتُ جَلَّ جَلَالُهُ

(سب کی روزی پیدا کر کے پہنچانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُقِيتُ" خَالِقُ الْأَقْوَاتِ الْبَدَنِيَّةِ وَالرُّوحَانِيَّةِ وَمُوَصِّلُهَا إِلَى الْأَشْبَاحِ وَالْأَرْوَاحِ.[1]

ترجمہ: "المُقِيتُ بدنی اور روحانی روزی کا پیدا کرنے والا اور اس کو جان داروں تک پہنچانے والا ہے۔"

❷ اَلْمُقِيتُ: اَلْمُقْتَدِرُ عَلَى الشَّيْءِ، يُقَالُ: أَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ إِذَا اقْتَدَرَ عَلَيْهِ.[2]

ترجمہ: امام زجاجی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "المُقِيتُ" کا مطلب ہے کسی چیز پر قادر ہونا، کہا جاتا ہے أَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ إِذَا اقْتَدَرَ عَلَيْهِ یعنی فلاں نے کسی چیز پر قدرت پالی۔[3]

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا﴾[4]

اس آیت کے تین مطلب ذکر کئے جاتے ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنے والے اور اس پر نگراں ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو تدبیر کے ساتھ قائم رکھنے والے ہیں۔

❸ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں۔[5]

علامہ ابن جریر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: لغتِ قریش میں "المُقِيتُ" "القَدِيرُ" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[6]

---

[1] شرح الطيبي، الدعوات، باب أسماء الله تعالى: ۵/۴۳ [2] النهج الأسمى: ۱/۳۰۶

[3] هُوَ اسْمُ الْفَاعِلِ مِنْ أَقَاتَ يُقِيتُ فَهُوَ مُقِيتٌ، وَالْيَاءُ فِيهِ بَدَلٌ مِنْ وَاوٍ لِأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْقُوتِ. (النهج الأسمى: ۱/۳۰۶)

[4] النساء: ۸۵ [5] النهج الأسمى: ۱/۳۰۶

[6] وَالصَّوَابُ مِنْ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ، قَوْلُ مَنْ قَالَ: مَعْنَى الْمُقِيتِ، الْقَدِيرُ، وَذٰلِكَ أَنَّ ذٰلِكَ فِيمَا يُذْكَرُ كَذٰلِكَ بِلُغَةِ قُرَيْشٍ. (النهج الأسمى: ۱/۳۰۷)

جس طرح مخلوق مختلف انواع و اقسام کی ہے، اسی طرح قوت یعنی روزی کی بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ سطح زمین ایک وسیع دستر خوان ہے، جہاں صلائے عام صدائے عام ہے "بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست"

کافر و مومن، فاسق و فاجر اور زاہد و متقی کا کوئی امتیاز نہیں، کوئی اسے مانتا ہو یا نہ مانتا ہو، اس کی حمد و ثنا کرتا ہو یا گستاخ بارگاہ ہو سب برابر ہیں۔ وہ "المقیت جل جلالہ" ہر ایک کو اس کے مناسب حال روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ گوشت خور کو گوشت، سبزی خور کو سبزی، پھل اور میوے کھانے والوں کو پھل اور میوے اور پھول کھانے والے کو پھول۔

بے شمار انواع و اقسام کے رزق بنے ہیں، گوشت، سبزی، پھل، پھول، شہد، لکڑی، آگ، مٹی، دھواں، ہوا، پانی، ریت، نمی، کیچڑ، کیڑے مکوڑے، خون، پیپ، گندگی، کوڑا کرکٹ، میل، دانے، گھاس پھونس، ہڈی، کوئلہ، کائی، ریچھ، نمک، گوبر، گٹھلیاں، روئی، درختوں کی چھال اور پوست، برادہ، آٹا، دودھ، انڈے الغرض طرح طرح کے برے بھلے رزق ہیں کہ جن کی غذا ہیں ان کے لئے بہر حال بھلے ہی بھلے ہیں، جن سے خوب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ دوسروں کے لئے قابل نفرت ہیں۔

رزق جو نصیب میں لکھا ہے ضرور ملے گا

چونکہ وہ "المقیت جل جلالہ" ہے۔ لہٰذا اس کی اس صفت کا ظہور کامل و اکمل طریق پر ہونا چاہئے تھا، سو ہوا ہی ہے۔ انسان ہو یا حیوان، جڑی بوٹیاں ہوں یا نباتات سب کے لئے اس نے رزق پیدا کر دیا ہے، عقل والا ہو یا بے عقل، زبان والا ہو یا بے زبان، چلنے پھرنے والا ہو یا ساکن و صامت، اس معاملے میں سب برابر ہیں۔ کسی مذہب و ملت، ملک و قوم، شرقی و غربی اور کافر و مومن کا کوئی فرق نہیں۔ دعوت عام ہے اور صدائے تمام ہے۔

کھانے پینے کے معاملے میں جس کسی نے اولیاء اللہ میں سے اس بارے میں کوئی امتیاز برتا تو انہیں تنبیہ کی گئی کہ فلاں شرابی و زانی کے ساتھ تم نے کیوں کھانے کے بارے میں فرق کو ملحوظ رکھا؟ کیا وہ ہمارا بندہ نہیں ہے؟ اگرچہ گناہ گار ہے، ہم امتیاز نہیں کرتے تو تم کیوں ایسا کرتے ہو؟ وہ کافروں کو پلاؤ زردے کھلاتا ہے اور مومنوں کو چٹنی روٹی، رزق کا معاملہ مقدر سے طے کر دیئے جانے پر موقوف ہے، اسلام و کفر پر نہیں ہے۔[1]

المقیت جل جلالہ نے انسان کو حصول رزق کا طریقہ سکھایا

اس "المقیت جل جلالہ" نے ہر ایک کو رزق حاصل کرنے کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں۔ مناسب آلات تو دیئے ہی ہیں حیلے اور طور طریقے بھی سکھا دیئے ہیں، مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی زمین پر ٹھونگ مارتا ہے۔ اسے کوئی مرغی یا مرغا نہیں بتاتا کہ یوں ایسا کر۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للرازی ۱۹۶

یہ کہ اللہ ہی چاہے۔

یہ بھاری بھرکم معلق گیندیں (چاند و سورج) چلتی پھرتی بھی ہیں، گھومتی بھی ہیں، حرکت کرتی ہیں، مگر گرتی نہیں اور آپس میں نہیں ٹکراتیں۔ بس یہ "الحسیب جل جلالہ" کی قدرت کا کرشمہ ہے جس سے عقلیں حیران ہیں۔

عجیب و غریب کاریگری ہے اور عجیب و غریب ہی کا انتظام ہے۔

"الحسیب جل جلالہ" کی کفایت

ہم اپنے اچھے برے اعمال کی جزا و سزا کے لئے کسی کے محتاج نہیں، کیوں کہ وہ "الحسیب جل جلالہ" ہمارے لئے کافی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں اپنے نیک اعمال کی جزا کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا اور اپنے اعمال بد کی سزا کی معافی کے لئے بھی کسی کی خوشامد نہیں کرنی پڑتی۔ وہ ہمارے لئے کافی ہے، ہمیں اس کے در کے سوا کسی کا دروازہ کھٹکھٹانا نہیں پڑتا۔ جب اللہ والوں سے یہ کہا گیا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں، تو فوراً انہوں نے کہا:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[1]

ترجمہ: "ہمارے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہیں۔"

کیسے کیسے کٹھن مقامات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کو نکالا ہے کہ ماننا پڑتا ہے وہ "الحسیب جل جلالہ" یقیناً کافی و وافی ہے اور ساری قوتیں اور وسائل اس کی کفایت کے سامنے بے کار ہیں۔

دشمن نے بار بار رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کو مٹا دینے اور قتل و غارت کر دینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سب کو خائب و خاسر (محروم و ناکام) کر دیا۔[2]

"الحسیب جل جلالہ" کی کفایت سے دشمن کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں

واقعہ نمبر ۹۱: کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کو اپنے گھر میں بلا کر قتل کرنے کی سازش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع کر دی اور ان کی ساری سازش خاک میں مل گئی۔

اسی طرح حضرت مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کسی معاملے کے لئے یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر باتوں میں مشغول کیا اور دوسری طرف عمرو بن جحش کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ پیچھے سے اوپر چڑھ کر پتھر کی ایک چٹان آپ کے اوپر ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو ان کے ارادے پر مطلع فرمایا اور آپ فوراً وہاں سے اٹھ گئے۔[3]

---

[1] آل عمران: ۱۷۳ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للرازی [3] معارف القرآن: ۳/۹۵، المائدۃ: ۱۱

"اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سب کافی ہے تو پھر اسی ذات پر ہمیں بھروسہ رکھنا چاہیے۔ نہ کسی سے دل میں اتنا خوف ہو کہ ڈر کے مارے ہم کر رہیں اور کوئی کام نہ کرسکیں، نہ کسی سے امید اتنی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے غافل ہو جائیں۔

کسی نے "حسیب" کے معنی بعضوں نے یہ کئے ہیں:

"اِنْ کَانَ اللّٰہُ مَعَکَ فَمَنْ تَخَافُ، وَاِنْ کَانَ عَلَیْکَ فَمَنْ تَرْجُوْ"[1]

تَرْجَمَہٗ: "اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تو پھر تمہیں کس چیز کا ڈر ہے؟ اور اگر وہ تمہارے ساتھ نہیں تو تم کس سے امید لگائے بیٹھے ہو؟"

وہ ذات "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سب کے لئے کافی ہے

جب وہ بندوں کی کفایت پر قادر ہے اور ان کے کام بنانے پر قادر ہے تو پھر اس سے فریاد پہنچانے کے لئے اپنے دربار میں کوئی سیکرٹری ...... چپڑاسی ...... منشی ...... قاصد ...... ذمہ دار کارکن ...... یا مختار کار ...... وزیر مشیر معاون مددگار نہیں رکھے تو ہم خدا کو پکارنے یا عرض کرنے کے لئے جھوٹے سہارے کیوں ڈھونڈیں؟ اور سہارے بھی وہ جو خود اپنے کاموں کے بننے یا بگڑنے میں اسی ذات "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے محتاج ہیں کہ جب تک وہ کفایت نہ کرے کسی کے کام نہیں بن سکتے، بس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مرض الموت میں یعنی جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اس وقت یہ شعر ارشاد فرمائے ہیں جس میں "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو اپنے لئے کافی قرار دیا ہے۔

اَنْتَ حَسْبِیْ وَفِیْکَ لِلْقَلْبِ حَسْبٌ وَلِحَسْبِیْ اِنْ صَحَّ لِیْ فِیْکَ حَسْبٌ

لَا اُبَالِیْ مَتٰی وِدَادُکَ لِیْ صَحَّ مِنَ الدَّھْرِ مَا تَعَرَّضَ خَطْبٌ[2]

تَرْجَمَہٗ: "تو میرے لئے کافی ہے اور دل میں تیرے بارے میں اچھا گمان ہے اور میرا تیرے لئے اچھا گمان مجھے کافی ہے۔ جب مجھے تیری سچی محبت حاصل ہے تو مجھے مصیبتوں اور پریشانیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔"

فوائد ونصائح

❶ بندہ کا حصہ اس اسم سے یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ میری ہمت اور ارادے میں صرف "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی صرف اور صرف اس کے لئے کافی ہے۔

❷ ہر مسلمان کو چاہیے کہ کامل بھروسہ اور اعتماد صرف اور صرف "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر ہی رکھے۔ اس کے علاوہ کسی پر

---

[1] مرقاۃ [illegible] شرح اسماء اللہ الحسنیٰ: [illegible]

[2] دیوان امام شافعی: [illegible]

بھروسہ یا کسی سے کوئی امید نہ رکھے۔

❸ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں آسمان، سورج، چاند کو "الْكَافِي جَلَّ جَلَالُهُ" کافی ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے دلوں میں "الْكَافِي جَلَّ جَلَالُهُ" کے کافی ہونے کے یقین کو بٹھائیں اور ہر حال میں اس کو کافی سمجھیں۔

❹ ہر مسلمان کو چاہیے کہ آخرت کے حساب کی تیاری کرے، اگر دنیا میں کسی کا محاسبہ ہو جائے تو کتنا پریشان ہوتا ہے لہٰذا جس دن ہر چیز کا حساب دینا ہوگا دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، نظر کا تو اس دن کی تیاری میں اپنے اوقات لگائے، جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کیا تو آخرت میں ان شاء اللہ اس کا حساب آسان ہوگا۔

وہ ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ مخلوق کی طرح۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے، کیونکہ اس کی نظیر نہیں اور موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت اور مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس و منزہ ہے۔ پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آسکے گی۔ اس کی شان عظمت و بزرگی بہت ہی بلند و بالا ہے۔[1]

اسی طرح علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں، حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ جس کی تاریکیاں چھا چکی ہوں مگر یہ کہ "الْجَلِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ" پکارتے ہیں کہ کون مجھ سے بڑا سخی ہے؟ مخلوقات میری نافرمانی کرتی ہیں اور میں ان کے بستروں میں ان کی ایسی حفاظت کرتا ہوں گویا کہ انہوں نے میری نافرمانی نہیں کی، اور میں نے ان کی حفاظت کی ایسی ذمہ داری لی ہے گویا کہ وہ گناہ کرتے ہی نہیں اور میں اپنے فضل کی سخاوت گناہ گار پر بھی اور خطا کار پر بھی کرتا رہتا ہوں۔

کون ہے جس نے مجھے پکارا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو؟ کون ہے جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے پورا نہ کیا ہو؟ میں غنی ہوں اور سخاوت میری ہی صفت ہے، میں کریم ہوں اور میں ہی بے مانگے دینے والا ہوں۔

اور میں اپنے کرم کی وجہ سے بندہ کو اس کے سوال کے مطابق عطا کرتا ہوں اور بے مانگے بھی عطا کرتا ہوں اور اپنے کرم کی وجہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی بخشش کرتا ہوں گویا کہ اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں، سو مجھ سے مخلوق کہاں بھاگ رہی ہے اور گناہ گار میرے در کو چھوڑ کر کہاں سہارے ڈھونڈ رہے ہیں۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: "میرے ساتھ انسانوں اور جنات کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میں پیدا کرتا ہوں اور عبادت غیر کی کی جاتی ہے، میں رزق دیتا ہوں اور میرے غیر کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے منقول ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کیا، میری طرف سے خیر تیری جانب اترتی رہتی ہے اور تیری جانب سے شر میری طرف چڑھتا رہتا ہے۔ میں نے اپنی نعمتیں تجھ پر نچھاور کر کے کتنے ہی اسباب محبت پیدا کئے، حالانکہ میں تجھ سے غنی ہوں، اور تو نے گناہوں کے ذریعے کتنے ہی سامان نفرت پیدا کر لئے، حالانکہ تو میرا محتاج ہے، اور فرشتہ تیرے اعمال قبیحہ مسلسل میرے دربار میں پیش کرتا رہتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمام اعمال پیش ہوتے ہیں اور ان کے مطابق پھر بندوں سے معاملہ فرماتے ہیں اور کبھی تو ایسی ستاری فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات پر سب کچھ معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن اکثم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک بہت بڑے محدث تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کیا گزری؟ فرمانے

---

[1] تفسیر عثمانی ۲۶۳

[2] اسماء الحسنیٰ لابن قیم: ۱۵۰

لگے: میری خوشی ہوئی، مجھ سے فرمایا: او گنہگار بوڑھے! تو نے فلاں کام کیے، فلاں کام کیا، میرے گناہ گنوانے شروع کر دیے کہ تو نے ایسے ایسے کام کیے۔

میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہنچی، فرمایا: کیا حدیث پہنچی؟

عرض کیا مجھ سے عبدالرزاق نے کہا، ان سے معمر نے کہا، ان سے زہری نے کہا، ان سے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا، ان سے آپ نے فرمایا:

"مَا شَابَ لِي عَبْدٌ فِي الْإِسْلَامِ شَيْبَةً إِلَّا اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ أَنْ أُعَذِّبَهُ بِالنَّارِ"

تَرجَمہ: "جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اور میں اس کو (اس کے گناہ کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں، لیکن اس کے بڑھاپے سے شرم کر کے معاف کر دیتا ہوں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں" ارشاد ہوا کہ

"قَالَ اللّٰهُ صَدَقَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَصَدَقَ مَعْمَرٌ وَصَدَقَ الزُّهْرِيُّ وَصَدَقَ أَنَسٌ وَصَدَقَ نَبِيِّي وَصَدَقَ جِبْرَئِيلُ أَنَا قُلْتُ ذٰلِكَ انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى الْجَنَّةِ"

عبدالرزاق نے سچ کہا اور معمر نے بھی سچ کہا، زہری نے بھی سچ کہا، عروہ نے بھی سچ کہا، عائشہ نے بھی سچ کہا اور نبی نے بھی سچ کہا اور جبرئیل نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی یہ بات کہی۔ حضرت یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس کے بعد مجھے جنت میں داخلے کی اجازت عنایت کر دی۔[1]

ایک ماں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی فرماں برداری کے عادی بن جاؤ کیوں کہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے عادی ہوتے ہیں اور ان کے اعضاء و جوارح اس (اللہ تعالیٰ کی اطاعت) کے علاوہ ہر چیز سے وحشت کرتے ہیں۔ پھر اگر شیطان ملعون کسی گناہ کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ گناہ ان کے سامنے خوب زیب و زینت کے ساتھ آتا ہے تو وہ اس سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔ کسی کی محبت کرنے والے کے لئے اپنے محبوب کو راضی اور خوش کرنے کے سوا کوئی فکر اور غم نہیں ہوتا۔ (محبوب کے علاوہ) جو راضی ہوتا ہے تو راضی ہو اور ناراض ہوتا ہے تو ناراض ہو جائے۔[2]

---

[1] تہذیب الکمال، باب الیاء ۲۳

[2] قالت امرأة لابنائها: تعوّدوا حب الله وطاعته، فإن المتقين ألفوا الطاعة فاستوحشت جوارحهم من غيرها، فإن عرض لهم الملعون بمعصية مرت المعصية بهم محتشمة فهم لها منكرون

لا هم للمحب غير ما يرضي حبيبه، رضي من رضي وسخط من سخط. (الله ... حل الشتاء والصيف (٢٦))

فوائد و نصائح

1. جو شخص اسم "المتکبر جل جلالہ" سے تعلق پیدا کرنا چاہے اسے چاہئے کہ جلالِ حق کے تصور میں خود کو بے حقیقت سمجھے۔ اللہ رب العزت کے نام اور ذات کی بڑائی بیان کرنے کا عادی بنے اور اپنے افعال و اقوال میں جانثار اور وقار سے رہے، ادنیٰ لوگوں سے شفقت اور پیار کا معاملہ کرے۔[1]
2. جب اس "المتکبر جل جلالہ" کی عظمت دل میں بیٹھ جائے گی تو اپنے کو حقیر اور ظاہر اپنے سے کم رتبے والے لوگوں پر بھی شفقت کرے گا۔ ان کے قصوروں کو معاف کر دے گا کہ اس "المتکبر جل جلالہ" کی جلالتِ شان کے سامنے تو ہم سب برابر ہیں، اور کسی کو بھی حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔
3. ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ بڑائی اور عظمت صرف اور صرف "المتکبر جل جلالہ" کے لئے ہے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ مصنفہ [illegible] ۱۹۹

(بہت کرم کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

کریم ایک ایسا لفظ ہے جس کا پوری طرح ترجمہ اردو زبان میں نہیں کیا جا سکتا، عام طور پر اس کا ترجمہ "سخی" کیا جاتا ہے اس لئے کہ سخی انسان شریف آدمی ہوتا ہے۔ دراصل کریم اس کو کہتے ہیں جو ان صفات کا حامل ہو جو سوائے ذات خداوندی کے کسی میں نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص کسی نہ کسی اعتبار سے کسی نہ کسی کی محتاجی میں مبتلا ہوتا ہے۔[1]

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "الکریم جل جلالہ" کی تشریح میں سولہ اقوال نقل کیے ہیں جن کو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں۔ پڑھنے سے پہلے ہو سکے تو دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لیجئے کہ اے کریم! اپنی معرفت سے ہمارے دلوں کو منور فرما دیجئے، جیسے کریم کے معانی بیان ہوں، وہ ہمارے دلوں میں ایسے پیوست فرما دیجئے کہ آپ کے سوا کسی کے در کی طرف ہمارا خیال ہی نہ جائے اور آپ کے رحم و کرم و احسان کی وجہ سے انسانوں تک پہنچ سکیں، وہ اقوال یہ ہیں:

❶ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بغیر کسی عوض کے عطا کرتا ہے۔

❷ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بغیر کسی سبب کے دینے والا ہے۔

❸ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اسباب و وسائل کا محتاج نہیں ہے۔

❹ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کو عطا کرنے میں اور اچھا معاملہ کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلمان، اطاعت گزار ہو یا نافرمان۔

❺ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے انعامات و احسانات بندوں کی طرف سے قبول کرنے پر خوش ہوتا ہے اور پھر ان احسانات کو جتلاتا نہیں ہے۔

❻ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو دیتا بھی خود ہے اور تعریف بھی خود ہی کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ ان کو ایمان عطا کیا اور ان کے دلوں میں کفر، گناہوں اور نافرمانیوں سے نفرت ڈال دی اور پھر

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۳۹۹

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ "الکریم جل جلالہ" کے بارے میں فرماتے ہیں

❶ "کثیر الجود والعطاء، الذي لا ينفد عطاؤه، ولا تفنى خزائنه"[1]

"بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، ایسا عطا کرنے والا ہے کہ اس کی عطائیں ختم نہیں اور اس کے خزانے ختم یا فنا نہیں ہوتے۔

اسی طرح مزید فرماتے ہیں:

❷ "المتفضل بلا مسئلة ولا وسيلة"[2]

"وہ ایسا فضل کرنے والا ہے کہ بغیر مانگے بھی فضل و کرم کرتا ہے اور اس کا فضل طلب کرنے میں بندوں کو کسی وسیلے ...... یا سفارش ...... اور واسطے ...... کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"الکریم جل جلالہ ایسی ذات ہے کہ قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب عطا کرتا ہے تو تمنا کرنے والوں کی تمنا سے زیادہ دیتا ہے اور دینے میں پرواہ نہیں کرتا کہ کتنا دیا اور کس کو دیا۔ (کیوں کہ اس میں اس کا کچھ نقصان نہیں) اور جب اس کے غیر کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتا ہے تو وہ کریم ناراض ہو جاتا ہے۔ (جس کا کرم و فضل و احسان اتنا وسیع ہو پھر بھی بندہ اس کے غیر کے پاس اپنی حاجت لے کر جائے (جس غیر کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی کریم کا دیا ہوا ہے) تو وہ کریم ناراض ہو جاتا ہے۔"[3]

❸ "الذي يعطي بغير استحقاق وبدون المنة"[4]

ترجمہ: "جو بغیر استحقاق اور بغیر کسی احسان جتائے عطا کرے۔"

حضرت شہر ابن حوشب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حاملانِ عرش میں سے چار فرشتے اپنے رب کی تسبیح اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك"

ترجمہ: "پاکی بیان کرتے ہیں ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ ہی کے لئے تعریف ہے اس بات پر بھی کہ آپ سزا دینے پر مکمل قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتے ہیں۔"

اور چار فرشتے اس طرح تسبیح کرتے ہیں:

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: [illegible]   [2] مرقاۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: [illegible]

[3] "هو الذي إذا قدر عفا وإذا وعد وفى، وإذا أعطى زاد على المنتهى ولا يبالي كم أعطى ولمن أعطى وإذا رفعت الحاجة إلى غيره لا يرضى" (مرقاۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: [illegible])

[4] مرقاۃ، کتاب الصلوۃ، باب التطوع: [illegible]

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے ایسی لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں، عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔“

❸ اگر ”کریم“ کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ ”الکریم جل جلالہٗ“ وہ ذات ہے جس کی بہت بڑی قدرت ہے، تو ایسی قدرت کسی ذات کی نہیں ہے سوائے خدا رب العزت کے، اس لئے کہ ہر چیز کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے، اسی کی شرافت کی وجہ سے ہر چیز شرافت حاصل کرتی ہے اور اسی کی بڑائی کی وجہ سے ہر چیز بڑی بنتی ہے۔

❹ اگر ”کریم“ کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ ”الکریم جل جلالہٗ“ وہ ذات ہے جو ہر نقص اور آفات سے پاک ہو، تو یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ وہی ہر نقص اور آفت سے پاک ہے اور اس کی ساری صفات حمیدہ کامل اور مکمل طریقے سے ہر وقت اور ہر حال میں صرف اور صرف اکیلے اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ بخلاف مخلوقات کے کہ وہ کبھی کسی وجہ سے باعزت ہو جاتی ہیں اور کسی وجہ سے ذلیل ہو جاتی ہیں۔

❺ اگر ”کریم“ کے معنی ”اَلْمُکْرِمُ“ (عزت دینے والا) سے کئے جائیں تو یہ صفت بھی اللہ رب العزت کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ عزت دینے کا ارادہ کرے، وہ ذلت کے گڑھوں میں بھی عزیز ہو جاتا ہے، وہ قید خانے کی کوٹھڑی سے نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہت کی کرسی پر بٹھا سکتا ہے اور اللہ رب العزت جس کو اس کی شامت اعمال کی وجہ سے ذلیل کرنا چاہے، اسے عزت کے مقام سے گرا کر ذلت کے گڑھے میں پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے ”الکریم جل جلالہٗ“ صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے، جس کو اللہ تعالیٰ بڑا بنائے، وہ بڑا بن جاتا ہے اور جس کو ذلیل کرے، وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔“

❻ اگر ”کریم“ کے معنی یہ ہوں کہ ”الکریم جل جلالہٗ“ وہ ذات ہے جو محتاجوں اور غیر محتاجوں دونوں کو عطا کرنے والی ہے، تو یہ صفت بھی صرف اور صرف خدا رب العزت کی شان کے لائق ہے اس لئے کہ وہ عطا کرتا ہے بغیر ضرورت کے

[1] البقرة: ١٨٦ [2] الحج: ١٨

زیادہ عطا کرتا ہے، یہاں تک کہ ان پر دنیا میں نعمتوں کی بارش فرماتا ہے۔

۷ اگر "کریم" کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو بڑی حاجت کے ساتھ چھوٹی حاجت کو بھی پورا کرنے والا ہے تو یہ صفت بھی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی شان کے لائق ہے۔

علامہ قشیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بار بار چھوٹی سی چھوٹی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہوئے مجھے شرمندگی محسوس ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی:

"یَا مُوْسٰی لَا تَسْئَلْ غَیْرِیْ وَسَلْنِیْ حَتّٰی مِلْحَ عَجِیْنِکَ وَعَلَفَ شَاتِکَ"[۱]

تَرْجَمَۃ: "اے موسیٰ! میرے علاوہ کسی اور سے مت مانگ، یہاں تک کہ اپنے کھانے کا نمک اور اپنے چوپایوں کا چارہ بھی مجھ ہی سے مانگو۔"

اس لئے کہ وہ ذات کریم ہے اس کا معاملہ تو لفظ "کُنْ" کے کاف اور نون کے درمیان ہے (یعنی وہ کسی کام کے ہوجانے کے متعلق حکم فرماتا ہے کہ وہ ہوجائے ..... تو وہ ہوجاتا ہے)۔ بلکہ اس کے نزدیک بڑا کام اور چھوٹا کام سب برابر ہیں، بلکہ بڑا کام اس کی نظر میں چھوٹا اور مشکل کام آسان اور سخت کام نرم اور ناممکن ممکن، اور عدم وجود ہے۔

۸ اگر "کریم" کے معنی یوں کئے جائیں کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب کوئی انسان وعدہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ وعدہ پورا کرنا بسا اوقات ممکن ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ اس کو کوئی عذر پیش آجائے اور اسے اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ آجائے۔ مگر اللہ رب العزت کو اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی عذر، کوئی مانع، کوئی رکاوٹ نہیں، اپنی قدرت اور ملکیت کی وجہ سے، کیوں کہ اس بات کا اس کے بارے میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے ارادہ کو کوئی ختم کردے یا اس کے کسی کام میں کچھ رکاوٹ ہو۔

۹ اگر "کریم" کے معنی یہ ہوں کہ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو ان کی چاہت اور تمناؤں سے زیادہ دیتی ہے، اس کی عطائیں بندوں کے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہوتی ہیں۔

تو حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ"[۲]

یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی جنت تیار کی ہے، جس کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ ہی کسی کان نے ان کا تذکرہ سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔[۳]

---

[۱] النہج الاسمیٰ: ۲۸۳/۱

[۲] بخاری: التفسیر، باب قولہ تعالیٰ فلا تعلم نفس ما اُخفی لہم، ۷۰۵/۲

[۳] الانتخاب الاسنیٰ: ۲۷۶، ۲۷۷، نقلاً عن النہج الاسمیٰ: ۲۸۷/۱ تا ۲۹۱، بتصرف

ترجمہ: تو ربّ العزت، بحر علم کے تمام رازی باتوں سے قریب ترین اور بے قراری کے وقت دعا قبول کرنے والے ہیں۔

علامہ جوہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الرَّقِیْبُ" کے دو معنی بیان فرمائے ہیں۔

❷ اَلرَّقِيْبُ الْحَافِظُ، وَالرَّقِيْبُ الْمُنْتَظِرُ.

(۱) رقیب کہتے ہیں حفاظت کرنے والے کو۔

(۲) رقیب کہتے ہیں نگرانی کرنے والے کو۔

یہ اسم قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾[1]

❷ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾[2]

❸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾[3]

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے، تمہارا کوئی عمل خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اس کے علم سے باہر نہیں وہ عملوں کا بدلہ پورا پورا دے گا۔ جو ذات پاک خالق و مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو خلوتوں اور جلوتوں کے تمام رازوں کو جانتا ہے، اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔[4]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "یعنی اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے جو تمہارے دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے، اگر کسی عورت نے شوہر کی بے دلی سے کوئی کام بھی کر دیا مگر دل میں جذبہ پیار و خدمت نہ ہو تو وہ بھی قبول نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگران ہے۔ قرآن کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ قانون کو محض دنیا کی حکومتوں کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا بلکہ تربیت و شفقت کے انداز میں بیان کرتا ہے۔ قانون کے بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔"[5]

سارے نظاموں پر الرَّقِیْبُ جلّ جلالہٗ نگران ہیں

بے شک کائنات میں پائے جانے والے توازن کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اجرام فلکی مخصوص مداروں پر ہی "تیرتے ہوئے" سفر کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ماضی قریب تک کچھ معلوم نہ تھا مگر قرآن پاک میں ان مداروں پر بڑا زور دیا گیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾[6]

---

[1] المائدۃ: ۱۱۷ [2] الاحزاب: ۵۲ [3] النساء: ۱

[4] اضواء البیان ۷/۲۴۳ [5] معارف القرآن ۲/۲۹۱، النساء: ۱ [6] الانبیاء: ۳۳

جلنے کے بعد گاڑی نکالی تو اس کو پکڑ لیا گیا اور یہ واقعہ بتی جلنے کے صرف ایک سیکنڈ کے بعد پیش آیا۔

ایک دوسری گاڑی کے ڈرائیور نے یہ کیا کہ لال بتی جل جانے کے باوجود وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کیمرے نے فوراً اس کی تصویر لے لی۔ یہ دوسرا واقعہ لال بتی جلنے کے دو سیکنڈ بعد پیش آیا۔ پہلی تصویر میں کیمرے نے ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی کو پکڑا، اور دوسری تصویر میں دو سیکنڈ کی خلاف ورزی کو۔

ان گاڑیوں کو پکڑنے کی یہ کارروائی دور سے کنٹرول کئے جانے والے کیمروں کی شہادت پر عمل میں آئی۔ مذکورہ گاڑیاں سڑک پر تیزی سے گزرتی ہوئی دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں، مگر کیمرے میں ان کی مکمل تصویر پوری طرح محفوظ تھی، ان تصویروں کے ذریعے انہیں باآسانی پکڑ لیا گیا۔

اس طرح کے واقعات قرآن کے لفظوں میں "آیات اللہ" (خدا کی نشانیاں) ہیں۔ وہ "نشانی" کے روپ میں حقیقت کا اظہار ہیں۔ یہ واقعات دنیوی تجربے کے ذریعہ آخرت کے تجربے کا تعارف کراتے ہیں۔ وہ انسانی سطح پر پیش آنے والے معاملے کی صورت میں خدائی سطح پر پیش آنے والے معاملے کو بتارہے ہیں۔

مذکورہ واقعہ انسان کی خفیہ ریکارڈنگ کی مثال ہے، یہی خفیہ ریکارڈنگ بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ انسان کی تمام گزرگاہوں پر اللہ تعالیٰ کے "تار" لگے ہیں اور اس کے ہر راستے پر اللہ تعالیٰ کے "کیمرے" نصب ہیں۔ آدمی جیسے ہی مقررہ حد کو پار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا تصویر کشی کا انتظام فوراً متحرک ہو کر اس کو محفوظ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آخرت کی عدالت میں اسی ریکارڈ کی بنیاد پر ہر آدمی کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ انسان کا بنایا ہوا نظام ہے جو ایک سیکنڈ کے بقدر خلاف ورزی کو بھی فوراً پکڑ لیتا ہے۔ پھر جب انسان کے بنائے ہوئے نظام کا یہ حال ہے تو خدا کے بنائے ہوئے نظام کی گرفت کتنی زیادہ ہوگی۔ انسانی نظام محدود ہے اور خدائی نظام لامحدود۔ اس سے دونوں نظاموں کے فرق کو سمجھا جا سکتا ہے۔

آدمی اگر اس سنگین حقیقت پر غور کرے تو اس کے چلتے ہوئے قدم رک جائیں، اس کی بولتی ہوئی زبان بند ہو جائے، اس کا قلم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے۔

دنیا میں آدمی کسی سڑک پر صرف اس وقت تک غلط گاڑی کو غلط چلاتا ہے جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس سڑک پر ٹریفک پولیس نے اس کی غلطی کو پکڑنے کا طاقتور انتظام کر رکھا ہے۔ پولیس کے اس انتظام کا علم ہوتے ہی ہر آدمی چوکنا ہو جاتا ہے اور اپنی گاڑی کو غلط دوڑانے سے رک جاتا ہے۔

اسی طرح آدمی کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جائے کہ اس کے چاروں طرف اللہ تعالیٰ کی "پولیس" لگی ہوئی ہے جو ہر لمحہ اس کی نگرانی کر رہی ہے اور اس کی ہر چھوٹی یا بڑی کارروائی کا ریکارڈ تیار کرنے میں مشغول ہے تو اس کی ساری سرکشی ختم ہو جائے۔ یہ احساس پیدا ہوتے ہی آدمی ایک دوسرا انسان بن جائے گا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں ذمہ دارانہ

قصور میں تیرے میں سب کچھ بھلا چکا ہوں　　　　یہ اک دن بھی گزرا یوں ہی شب گزاری

"الرَّقِيبُ جَلَّ جَلَالُهُ" کی صفات کے مراقبہ اور کثرت ذکر سے وہ جماعت سے وہ تعلق نصیب ہو جاتا ہے کہ پھر یہ دولت حاصل کرنے والے جسم کے اعتبار سے تو فرشی ہوتے ہیں اور روح کے اعتبار سے عرشی ہوتے ہیں۔

مراقبہ نمبر ①: علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کی عبادت میں شان عبدیت، اللہ رب العزت کے نام "الرَّقِيبُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے مراقبے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کی تمام حرکات خواہ ظاہر ہوں یا مخفی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس بات کو بندہ ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھے تو یہ بات اس بندے کو ہر اس فکر اور خیال سے محفوظ رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو اور اس بندے کا ظاہر ہر اس فعل اور قول سے محفوظ ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہو اور یہ بندہ بتدریج مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے، پھر یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو۔ اگر اس مقام کو نہ پائے تو کم از کم اتنا ضرور ہوتا ہے کہ اس بندے کو اس بات کا استحضار حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں۔[1]

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قول و فعل پر رقیب ہے۔ چاہے وہ ان کی حرکات ہوں یا ان کی سکنات ہوں اور چاہے ان کے اقوال یا افعال ہوں، بلکہ جو ان کے دلوں میں خیالات اٹھتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں، وہ ان کو بھی جاننے والا ہے، غرض اس کے علم سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، سو اس سے ڈرتے رہو۔"[2]

مراقبہ نمبر ②: علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: مراقبہ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت یقین کرکے اس کو سوچے اور سوچ سوچ کر دل میں اتنا دھیان جمائے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر نگہبان ہیں، اس کی طرف دیکھنے والے ہیں، اس کی باتوں کو سننے والے ہیں، ہر وقت کے ہر عمل کا کامل علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر لحظہ، ہر سانس اور ہر آنکھ کے جھپکنے کا بھی علم رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام "الرَّقِيبُ، الحَفِيظُ، العَلِيمُ، السَّمِيعُ، البَصِيرُ" کا مراقبہ کرے۔[3]

---

[1] شرح الاسماء الحسنیٰ ۲۹۰، ابن قیم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی

[2] يجب على كل مكلف أن يعلم أن الله جل شأنه هو الرقيب على عباده الذي يرقب حركاتهم وسكناتهم، وأقوالهم وأفعالهم، بل ما يجول في قلوبهم وخواطرهم، لا يخرج شيء من خلقه عن ذلك، قال سبحانه: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ﴾ (البقرة: ۲۳۵) (النهج الأسمى: ۲۹۹)

[3] مدارج السالكين: ۲/۶۵-۶۶ باختصار نقلا عن النهج الأسمى ۲۹۷/۱

قال ابن القيم: المراقبة دوام علم العبد وتيقنه باطلاع الحق سبحانه وتعالى على ظاهره وباطنه، فاستدامته لهذا =

"حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تم کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم نہ بتاؤں؟ کہ جس کے ذریعے دعا کی جائے تو قبول فرماتے ہیں اور سوال کیا جائے تو پورا فرماتے ہیں: یہ وہ دعا ہے جس کے ذریعے حضرت یونس (علیہ السلام) نے تین اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا:

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾[1]

ترجمہ: آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ تمام عیبوں سے پاک ہیں، بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔

(تین اندھیروں سے مراد: رات، سمندر اور مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے ہیں) ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا تمام ایمان والوں کے لئے عام ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک نہیں سنا: ﴿وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

ترجمہ: کہ ہم نے یونس علیہ السلام کو مصیبتوں سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان اس دعا کو چالیس مرتبہ اپنی بیماری میں مانگے پھر اگر وہ اس مرض میں فوت ہو جائے تو اس کو شہید کا ثواب دیا جائے گا اور اگر اس بیماری سے اسے شفا مل گئی تو اس حال (مغفرت کی دولت) کے ساتھ اس کے تمام گناہ معاف کئے جا چکے ہوں گے۔[3]

مراقبہ نمبر (۴): کسی دن اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ کرے کہ مجھے اللہ نے کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایک ایک نعمت کو سوچے، میں جب دنیا میں آیا تو ننگا تھا، اللہ تعالیٰ نے کپڑے دیئے، بھوکا تھا کھانا دیا، کمزور تھا طاقت ور بنایا، اکیلا تھا شادی کرا

= العليم والخبير من المراقبة، وهي ثمرة علمه بأن الله سبحانه رقيب عليه ناظر إليه، سامع لقوله، وهو مطلع على عمله كل وقت وكل لحظة وكل نفس وكل طرفة عين

قال: "والمراقبة" من التعبد باسمه الرقيب، الحفيظ، العليم، السميع، البصير

فمن عقل هذه الأسماء وتعبد بمقتضاها حصلت له المراقبة، والله أعلم. (النهج الأسمى ۱/ ۳۰۷)

[1] الأنبياء: ۸۷

[2] الأنبياء: ۸۸

[3] "عن سعد بن مالك رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "هل أدلكم على اسم الله الأعظم الذي إذا دعي به أجاب وإذا سئل به أعطى، الدعوة التي دعا بها يونس حيث ناداه في الظلمات الثلاث: ﴿لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين﴾" فقال رجل: يا رسول الله هل كانت ليونس خاصة أم للمؤمنين عامة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا تسمع قول الله عز وجل: ﴿ونجيناه من الغم وكذلك ننجي المؤمنين﴾" وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيما مسلم دعا بها في مرضه أربعين مرة فمات في مرضه ذلك أعطي أجر شهيد، وإن برأ برأ وقد غفر له جميع ذنوبه" (المستدرك للحاكم، كتاب الدعاء: ۱/ ۶۹۳، ۶۹۵، رقم ۱۹۱۷)

بدنی، مالی، ریا کاری وغیرہ وغیرہ اس طرح سوچنے سے اللہ جل جلالہ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔[1]

مراقبہ نمبر ④: جب بندہ صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لینے کے لئے چند گھڑیاں فارغ کرے اور پھر اپنے نفس سے کہے: اے نفس! ممکن ہے تیرے لئے تیری پونجی یا کچھ جزو گر صرف اور صرف تیری عمر اور یہی تیرا اصل سرمایہ ہے، اور جب سرمایہ ہی فنا ہو جائے گا تو تجارت اور نفع دونوں سے محرومی ہو جائے گی، تو جتنی جلدی ہو سکے۔ آج کے دن میں اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اور تیری موت کو مؤخر کیا اور تجھ پر انعام و اکرام کیا۔ اگر وہ تجھ کو موت دے دیتے تو تو تمنا کرتا کہ کاش! ایک دن مجھے مل جاتا تو اس میں نیکی کر لیتا۔ لہٰذا اے نفس! آج کے دن کی قدر کر لے، پچھلے اعمال سے اس کو آباد کر لے، ماضی کو سوچ کر مایوس نہ ہو اور مستقبل کو سوچ کر خوف زدہ نہ ہو صرف اور صرف آج کی قدر کر۔[2]

مراقبہ نمبر ⑤: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نام سے سرور حاصل کرنا اور اس کے ذریعے دل کا خوش ہونا اور آنکھوں کا ٹھنڈا ہونا، یہ دنیا کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کے مشابہ نہیں اور اس پر دنیا کی کسی اور نعمت کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور یہ جنتیوں کے احوال میں سے ایک حالت ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) لہٰذا یہ سوچ سوچ کر خوش ہو جائے کہ اللہ میرے ساتھ ہیں، میرا پالنے والا میرے ساتھ ہے، میرا نگران، میرا رب "الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهُ" میرے ساتھ ہے، پھر مجھے کسی کی پروا نہیں۔[3]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ اپنے خیالات و معاملات کو باری تعالیٰ کی نگرانی میں دے دیں۔ نفس و شیطان سے محفوظ ہونے کا یہی آسان طریقہ ہے۔[4]

❷ بندہ کو چاہیے کہ وہ اس بات کا مراقبہ کرے: "الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهُ" ہر وقت میرا رقیب اور شاہد ہے، اسے دیکھ رہا ہے، اس کی بات سن رہا ہے، وہ اس کے ہر عمل کی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور

---

١ إذا فرغ العبد من فريضة الصبح، ينبغي أن يفرغ قلبه ساعة لمشارطة النفس فيقول لنفسي: ما لي بضاعة إلا العمر فإذا فني منه نفس ذهب رأس المال ووقع اليأس من التجارة وطلب الربح وهذا اليوم الجديد قد أمهلني الله فيه وأخر أجلي وأنعم علي به ولو توفاني لكنت أتمنى أن يرجعني إلى الدنيا حتى أعمل صالحا

٢ مختصر منهاج القاصدين ص ٣٨٥ نقلاً عن النهج الأسمى ٢/٣٤٣

٣ قال ابن القيم رحمه الله: إن سرور القلب بالله وفرحه به وقرة العين به لا يشبهه شيء من نعيم الدنيا البتة وليس له نظير يقاس به، وهو حال من أحوال أهل الجنة. (النهج الأسمى ٢/٨٩)

٤ شرح أسماء الحسنى للمنصور پوری ص ٩٥

الرقیب

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ
(الانبیاء: ۳۳)
"اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج و چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک
اپنے اپنے آسمان میں تیرتا پھرتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾[1]

ترجمہ: کون ہے جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (دوسرا بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

اس آیت میں شرک کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر (بے بس) ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو پھر فطرت و ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔[2]

کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو مضطر کہا جاتا ہے اور وہ جب ہی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو۔ اس لئے "مضطر" وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریاد رس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے "مضطر" کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ"[3]

ترجمہ: یا اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، اس لئے مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

"مضطر" اس شخص کو کہتے ہیں: جو کسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہے۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کا مصداق ہے۔ پس خدائے برحق ہے کہ جب اسباب ظاہری تم کو جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور اس وقت تم اپنے قصوں میں اس کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری پریشانی دور کرتا ہے۔[4]

یہ نام مبارک "قرآن کریم" میں دو مرتبہ آیا ہے:

1. ﴿ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ﴾[5]

اور تم اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔

2. ﴿وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ﴾[6]

اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔

(اس آیت میں یہ نام جمع کے صیغے کے ساتھ آیا ہے)

---

[1] النمل: ۶۲ — [2] تفسیر عثمانی: ص ۵۰۱ — [3] قرطبی: ۱۳/۲۲۳
[4] معارف القرآن: ۶/۹ (کاندھلوی) — [5] ھود ۶۱ — [6] الصافات ۷۵

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سلافہ کے بیٹے کو جنگ اُحد کے دن قتل کیا تھا تو سلافہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اسے حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سر مل گیا تو وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی (جب قبیلہ ہذیل کے لوگ ان کا سر کاٹنے گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا جس نے حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے جسم کو ہر طرف سے گھیر لیا اور ان مکھیوں نے قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو ان کے قریب نہ آنے دیا۔

جب یہ مکھیاں ان کے اور حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے درمیان حائل ہو گئیں تو ان لوگوں نے کہا: ان کو ایسے ہی رہنے دو۔ جب شام ہو گی یہ مکھیاں چلی جائیں گی تو پھر ہم آکر ان کا سر کاٹ لیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کی ایسی رو بھیجی جو ان کی نعش کو بہا کر لے گئی۔ حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو ناپاک ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ لگا سکے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یہ خبر پہنچی کہ شہد کی مکھیوں نے ان کافروں کو قریب نہ آنے دیا تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے کی ایسے ہی حفاظت فرمایا کرتے ہیں۔[1]

زنجیر پاؤں سے گر پڑی

وَاقِعَہ نَمْبَر (۱۹۲) حضرت بقی بن مخلد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی (متوفی ۲۷۶ھ) مشہور محدثین میں سے ہیں۔ حدیث میں ان کی مسند اہل علم میں معروف ہے۔ یہ بلند پایہ محدث ہونے کے علاوہ نہایت عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میرے بیٹے کو فرنگیوں نے قید کر رکھا ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے میں چاہتی ہوں کہ اسے فروخت کر کے اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کر دوں اور اسے قید سے چھڑالوں، آپ کسی سے کہہ دیجئے کہ میرا گھر خرید لے اس لئے کہ میرے دن کا سکون اور راتوں کا چین رخصت ہو چکا ہے۔

حضرت بقی بن مخلد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نے اس کی فریاد سنی تو اس سے کہا: ”تم جاؤ میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا۔“ پھر اس کے ساتھ ہی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اس کی رہائی کے لئے دعا کرتے رہے۔ اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی عورت پھر دوبارہ آئی اور اس مرتبہ اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا۔

وہ کہنے لگی: ”اس سے سنئے اس کے ساتھ کیا عجیب واقعہ پیش آیا۔“ حضرت بقی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نے واقعہ پوچھا، کہنے لگا: ”مجھے بادشاہ نے ان قیدیوں کے ساتھ شامل کر دیا تھا جو پابہ زنجیر بادشاہ کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن میں اپنے ذمہ کی خدمت انجام دینے کے لئے جا رہا تھا، پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی کہ اچانک چلتے چلتے زنجیر پاؤں سے گر پڑی مجھ پر جو سپاہی متعین تھا وہ مجھے گالیاں دینے لگا کہ پاؤں سے زنجیر کیوں نکالی؟

[1] حیاۃ الصحابہ باب غزوۃ رجیع ۱/۵۸۸

نے ایک بانس وہاں سے سواری پر گزری اس نے پرندے کی آواز سنی اور اسے دیکھا تو اسے پرندہ پسند آیا، وہ اس آدمی کے پاس اتری اور اس نے زریاب کے بچے کو دو ہزار درہم میں خرید لیا اور اس شخص کو دو درہم دے دیے اور زریاب پرندے کے بچے کو لے گیا۔ یہ اس دعا کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چار سو کے عوض دو ہزار نصیب فرما دیے۔[1]

”المُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے پکارنا بدترین گمراہی ہے

قرآن کریم نے مخلوق کو پکارنے اور اس سے دعائیں مانگنے کو سب سے بدترین گمراہی قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتے اور وہ ان کی دعا سے بالکل بے خبر ہیں۔

بزرگوں سے مرادیں مانگنا اور ان سے اپنی حاجات کے لئے دعائیں کرنا اس لئے بھی غلط ہے کہ دعا ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی کی جاتی ہے، چنانچہ آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے:

”اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ“[3]

تَرْجَمَۃ: دعا عبادت کا مغز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

”اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾“[4]

تَرْجَمَۃ: دعا ہی اصل عبادت ہے، یہ ارشاد فرما کر آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا سنوں گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

”لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ“[5]

تَرْجَمَۃ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی چیز قابل قدر نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں: دعا افضل ترین عبادت اور عبادت

---

[1] سمیر المؤمنین: ۱۰۰ ، ۱۰۱، الفرج بعد الشدۃ والضیقۃ ۲: ۹۱

[2] الاحقاف: ۵

[3] الترمذی، الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء ۲: ۱۷۳

[4] الترمذی، ابواب الدعوات باب ما جاء فی فضل الدعاء ۲: ۱۷۳

[5] الترمذی، الدعوات باب ما جاء فی فضل الدعاء ۲: ۱۷۳

کا مغز اس لئے ہے کہ عبادت کا خلاصہ ہے۔

"معبود کے سامنے انتہائی عجز و بے بسی اور خضوع و تذلل کا مظاہرہ کرنا" اور یہ بات دعا میں کامل طور پر پائی جاتی ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب عبادات سے زیادہ لائق قدر ہے۔[1]

بہرحال جب یہ معلوم ہوا کہ دعا صرف عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت کا مغز ہے اور خلاصہ ہے تو حق تعالیٰ کے سوا جس طرح کسی اور کی عبادت جائز نہیں، اسی طرح کسی بزرگ ہستی سے دعائیں کرنا اور مرادیں مانگنا بھی روا نہیں، اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔[2]

"المجیب جل جلالہ" وہ ذات ہے جو سب کی دعائیں اور پکار سننے والی ہے، اس سے اہتمام سے دعائیں مانگتے رہنا اور ہر مرحلے پر اسی سے لو لگانا درحقیقت اس کے سامنے ہی عاجزی پیش کرنے میں لگا ہوگا۔

دعا سے کوئی شخص مستغنی نہیں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ سب کو دعا والے بنا کر گئے۔ یہ بھی نہیں کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے ہم کیا دعا کریں۔ سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہوتے ہوئے بڑے بڑے رحمۃ اللہ تعالیٰ دعا مانگتے ہیں اور ان کی دعا پر ساری زندگی ہوتی ہے۔ یوں نہیں دیا گیا یہ راستہ کہ بعض دعا والے بن جائیں، بعض بن جائیں شیطان، جب ان پر مصیبت آجائے تو دعا والوں کے پاس چلے جائیں۔ حضور ﷺ یہ راستہ دے کر نہیں گئے۔ نہ عالموں کو عوام پر چھوڑا، نہ حاکم کو محکوم پر، نہ محکوم کو حاکم پر چھوڑا ہے۔ تم ذرا تصور کرو اس زندگی کا کہ کوئی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی کی چیز پر نگاہ نہیں رکھتا، کوئی کسی سے کسی چیز کا لالچ نہیں رکھتا۔ ہر ایک کی زندگی مستقل بن رہی ہے چیزوں پر موقوف نہیں۔ ۲۴ گھنٹے کی زندگی کو حضرت محمد ﷺ کے طریقوں پر گزارو۔ ان کے طریقے اپنانے سے پیسہ گھٹے تو گھٹنے دو، کیوں کہ پیسے کے راستے سے دعا قبول نہیں ہوگی، آپ ﷺ کے راستے سے دعا قبول ہوگی، تو صالح بن، تو ولی بن، تو دعا والا بن۔

قرآن و حدیث پر عمل کر کے ولی بننا ہے۔ اگر آپ نے قرآن و حدیث پر عمل کر لیا، ولی ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ چشمہ ہیں۔ ساری ولایتیں اسی سمندر سے پھوٹ رہی ہیں۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو حضور ﷺ سے ہٹ کر ولی بن گیا ہو۔ جو ولی بنا ہے تو حضور ﷺ کے ساتھ بندھ کر ولی بنا ہے۔ تم خوشبو بن کر، پھول بن کر، چمک دار سورج بن کر، سخاوت کے ساتھ پہنچنے والا سمندر بن کر ان کے سامنے آؤ (یہ ساری دنیا والے) ہر چیز کو چھوڑ کر تمہاری طرف آجائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تو خود دین کے پھیلانے کی محنت کر کے دعا والا بن، دعا جتنی فکر سے تو اپنے لئے مانگتا ہے اتنی

---

[1] حاشیہ مشکوٰۃ حاشیہ نمبر ۷، ۱۹۴

[2] اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۵۹،۵۸

کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی علیہ السلام کی جانب وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے قدموں سے میرے پاس چل کر آؤ یہاں تک کہ تمہارے گھٹنے بھی گھس جائیں اور تمہارے ہاتھ آسمان تک پہنچ جائیں اور تمہاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے تھک جائیں تب بھی میں تمہارے کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب نہ دوں گا اور نہ ہی کسی رونے والے پر رحم کروں گا یہاں تک کہ تم حق والوں کو حق انہیں لوٹا دو۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا لوگوں کے مال جو ظلم سے لئے ہوئے تھے وہ واپس کئے حق والوں کو حق دیا اور جن کے دل دکھائے تھے ان سے معافی مانگ لی تو اسی دن ان پر بارش برسا دی گئی۔[1]

مناجات

اللہ تعالیٰ سے رات کی راز میں سرگوشی کرنا مناجات کہلاتا ہے، ایسی کیفیت میں اللہ تعالیٰ بھی بندے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ راتوں کو جب اس ذات عالی سے اپنے تعلق استوار کریں تو تھوڑا وہ ان مناجات کو بھی دربار عالی میں ضرور پیش کریں جن کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: اے وہ کہ دلوں کی باتوں کو دیکھتا اور سنتا ہے تو ہی پوری کرنے والا ہے ہر امید کو، اے وہ کہ تمام مشکلات کے لئے اسی سے امید کی جاتی ہے، اے وہ کہ اسی کے پاس شکایت کی جاتی ہے اور وہی ملجا ہے۔

اے وہ کہ تمام رزق کے خزانے اس کے لفظ "کن" میں ہیں، فضل کر اس لئے کہ تمام بھلائی تیرے ہی پاس ہے۔

میرے پاس تیری طرف سوائے محتاجگی کے کوئی وسیلہ نہیں، پس محض اپنی محتاجگی کے ذریعے سے اپنی حاجت پوری کرنا چاہتا ہوں۔

میرے پاس تیرے در کے کھٹکھٹانے کے سوا کوئی حیلہ نہیں، پس اگر تو نے واپس کر دیا تو پھر کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں۔

اور کون ہے کہ جس کے نام کو پکاروں اور وسیلہ کروں، اگر تیرا فضل تیرے فقیر کو روک دے۔

کبھی تیرے فضل سے گنہگار ناامید نہیں ہو سکتا، تیرا فضل بے حساب ہے اور بخشش تیری وسیع ہے۔

---

[1] عن عمر بن ذر الهمداني إلى قولها: يقول سفيان الثوري رحمه الله: بلغني أن بني إسرائيل قحطوا سبع سنين حتى أكلوا الميتة من المزابل وأكلوا الأطفال، وكانوا كذلك يخرجون إلى الجبال يبكون ويتضرعون. فأوحى الله عز وجل إلى أنبيائهم عليهم السلام: لو مشيتم إلي بأقدامكم حتى تحفى ركبكم وتبلغ أيديكم عنان السماء وتكل ألسنتكم عن الدعاء فإني لا أجيب لكم داعيا ولا أرحم لكم باكيا حتى تردوا المظالم إلى أهلها، ففعلوا فمطروا من يومهم. (الله ... [illegible])

❶ اس اسم سے تخلّق (تعلق) حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ جب موقع ملے تب ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر پوری توجہ، پوری رغبت سے اور پورے یقینِ قبولیت سے دعا کیا کریں، نامنظوری یا عدمِ قبولیت کا وہم بھی دل میں نہ آنے دیں۔[1]

اس لئے کہ مجیب وہ ذات ہے:

اَلَّذِيْ يُجِيْبُ الْمُضْطَرِّيْنَ، وَلَا يَخِيْبُ لَدَيْهِ اٰمَالُ الطَّالِبِيْنَ۔[2]

تَرْجَمَۃ: جو بے قراروں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اس کے دربار سے طالبین اور سائلین نامراد نہیں لوٹتے۔

دعا قبول کروانے کا بہترین مستند نبوی نسخہ

❷ کم از کم چالیس دن تک اس نسخے پر عمل کر کے دیکھئے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی آپ کی تمام پریشانیاں کافور ہو جائیں گی، دلی سکون حاصل ہو گا، گھبراہٹ، پریشانی دور ہو جائے گی، وحشت سکون سے تبدیل ہو جائے گی۔

پانچوں وقت کی نماز باخشوع وخضوع اور اطمینان کے ساتھ پڑھنا نصیب ہوں گی اور دعائیں قبول ہوں گی۔

وہ عمل یہ ہے کہ اذان کا ادب کریں، اذان جب ہو تو خاموشی سے سنیں، اور پھر اذان کا جواب زبان سے بھی دیں اور قدم سے بھی دیں، اذان کے بعد صرف اور صرف نماز کی تیاری کریں اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مصیبت یا تنگی میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ مؤذن کا منتظر رہے، جب وہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے تو یہ بھی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے اور جب وہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو یہ بھی یہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور جب وہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو یہ بھی اسی طرح کہے۔ پھر یہ دعا مانگیں:

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الصَّادِقَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا دَعْوَةِ الْحَقِّ وَكَلِمَةِ التَّقْوٰى اَحْيِنَا عَلَيْهَا وَاَمِتْنَا عَلَيْهَا وَابْعَثْنَا عَلَيْهَا وَاجْعَلْنَا مِنْ خِيَارِ اَهْلِهَا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا۔"

تَرْجَمَۃ: اے اللہ! اس سچی پکار کو قبول کرنے والے، حق کی دعوت کے رب اور کلمہ تقویٰ کے رب ہمیں اسی دعوتِ حق پر زندہ رکھ اور اسی پر موت عطا فرما اور اسی دعوت پر ہمیں روزِ قیامت اٹھا اور ہمیں زندہ و مردہ اس دعوت کے بہترین اہلِ حق میں سے بنا۔

پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگے۔ اذان اور اقامت کے درمیان دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس نماز کے بعد خلوصِ نیت سے یہ دعا مانگیں:

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للقصیری ص ۹۶ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للرازی ۲۹۶

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ."

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت میں درگزر اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ ل

۲ ہر مؤمن بندہ کو چاہئے کہ سچے یقین و دل سے یہ بات تسلیم کرے کہ "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا کوئی مشکل کشا، فریاد رس، عالم الغیب، جاننے والا، حاضر ناظر نہیں ورنہ تو کسی کی معمولی سی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ یہی بات لوگوں کو بھی دے کہ جس پیر صاحب، فقیر، عامل، جوتشی کی اپنی روزی اولاد نہیں وہ دوسرے کو کیسے اولاد دے گا؟ جس کی اپنی دکان چھپر والی ہے وہ دوسرے کے کاروبار کو کیسے نفع والا بنائے گا؟ اس لئے کہ دعائیں قبول کرنے والا، حاجت پوری کرنے والا صرف "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی ہے اور کوئی نہیں۔

ل من نزل به كرب أو شدة فليتحين المنادي فإذا كبّر كبّر وإذا تشهد تشهد وإذا قال حيّ على الصلوة قال حيّ على الصلوة وإذا قال حيّ على الفلاح قال حيّ على الفلاح ثم يقول: اللّهمّ ربّ هذه الدعوة الصادقة المستجاب لها دعوة الحقّ وكلمة التقوى أحينا عليها وأمتنا عليها وابعثنا عليها واجعلنا من خيار أهلها أحياء وأمواتا ثم يسأل الله حاجته.

[illegible] اللّهمّ إنّي أسألك العافية في الدنيا والآخرة، مستدرك، كتاب الدعاء [illegible]

(۲۰۰۶)

الْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(وسعت و کشادگی والا)

اس اسم مبارک کے تحت چند تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ الْوَاسِعُ هُوَ الْغَنِيُّ الَّذِي وَسِعَ غِنَاهُ مَفَاقِرَ عِبَادِهِ، وَوَسِعَ رِزْقُهُ جَمِيعَ خَلْقِهِ.[1]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ غنی ذات ہے جس کی سخاوت اس کے محتاج بندوں کے لئے کافی ہے اور اس کا رزق تمام مخلوقات کے لئے وسیع ہے۔

❷ امام حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الْوَاسِعُ" سے مراد وہ ذات ہے کہ تمام چیزیں اس کے قبضہ قدرت اور اس کے علم میں ہوں۔ اپنے فضل اور اپنی رحمت کو پھیلانے والا ہو۔ یہ چیز اس کو تمام نقائص اور عیبوں سے پاک کرتی ہے اور یہ بات اس کی دلیل ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور کوئی چیز اس سے مخفی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی رحمت نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا ہے۔[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی واسع مطلق ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کے علم کی طرف دیکھا جائے تو اس کے علم کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں ہے ... بلکہ سمندر بھی ختم ہو جائیں اگر اس کی تعریفات کو لکھا جائے ... اگر اس کے احسان اور نعمتوں کی طرف دیکھا جائے تو اس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں ... اس کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا ... حالانکہ ہر وسیع چیز چاہے کتنی ہی بڑی ہو ایک حد کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور جس ذات کی معلومات، قدرت اور وسعت کی کوئی حد ہی نہ ہو تو وہی ذات "الْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کہلانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کا اگر مقابلہ کیا جائے تو وہ اپنے سے بڑی چیز کے سامنے تنگ ہے اور ہر وسعت کی ایک حد ہے اور اس حد پر زیادتی کا تصور بھی کیا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس پر زیادتی کا کوئی تصور ہے۔[3]

---

[1] شأن الدعاء ۷۲

[2] قَالَ الْحَلِيمِيُّ: (الْوَاسِعُ) وَمَعْنَاهُ الْكَثِيرُ مَقْدُورَاتُهُ وَمَعْلُومَاتُهُ، الْمُنْبَسِطُ فَضْلُهُ وَرَحْمَتُهُ، وَهَذَا تَنْزِيهٌ لَهُ عَنِ النَّقْصِ وَالْعَيْبِ وَإِثْبَاتٌ لَهُ بِأَنَّهُ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَلَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَرَحْمَتُهُ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. (المنهاج ۱/۱۹۱) كلها نقلا عن النهج الأسمى (۱/۳۶۵)

[3] المقصد الأسنى ۱۲۵

مخلوقات کی وسعت ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتی ہے مثلاً:

فرشتوں کی طاقت بہت بڑی ہے۔ ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی انجام نہیں دے سکتے، لیکن ہر فرشتے کی قوت اور اس کی عملی مصروفیت اسی دائرہ میں محدود رہتی ہے جس کے لئے وہ مقرر ہے۔ جیسے موت کے محکمہ پر لگے ہوئے مَلَکُ الْمَوْت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے، مگر ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام آن واحد میں وحی لا سکتے ہیں، لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ اسی طرح انسان کی قوتیں محدود ہیں، کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے، لیکن وہ ایک چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا۔ آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں، لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں۔[1]

۳ حضرت ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا غنی ہے جو سوال کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ (اس کی سخاوت کی وسعت ہر سائل کے سوال کو پورا کر سکتی ہے)۔[2]

۴ حضرت ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف واسع کی صفت سے کی ہے کہ اس نے اپنی کفایت، فضل و احسان، تدبیر اور سخاوت کو اپنی تمام مخلوقات کے لئے وسیع کر دیا ہے۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس نے اپنے رزق کو اپنی تمام مخلوقات کے لئے پھیلا دیا ہے اور کوئی بھی ایسی مخلوق نہیں ہے جو اس کے دیئے ہوئے رزق سے نہ کھاتی ہو اور کوئی اس بات پر بھی قادر نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے لئے ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو چھوڑ کر کسی اور سے اپنی ضرورت پوری کر لے، کیونکہ رزق دینے والی ایک ہی ذات ہے۔

[illegible] ۵ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔ ایک مرتبہ اللہ سے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تمام مخلوقات کی ایک سال کی میزبانی کی اجازت دے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہو سکے گا۔ تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ہفتے کی اجازت چاہی تو دوبارہ وہی جواب ملا۔

آخر ایک دن کی میزبانی کی اجازت مل گئی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام جن و انس کو پوری دنیا کے جانور، مال

---

[1] معارف القرآن للشیخ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ [illegible]

[2] قال ابو عبيدة معمر بن المثنى: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ۱۱۵) أي جواد يسع لما يُسأل. (مجاز القرآن: [illegible])

[3] قال ابن جرير: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ يعني جل ثناؤه بقوله: واسع: يسع خلقه كلهم بالكفاية والإفضال والجود والتدبير. (جامع البيان: [illegible])

جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے پست و ذلیل کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے اور یہ تمام کام اپنے علم و حکمت کے مطابق فرماتا ہے اور اس کا علم تمام اشیاء پر حاوی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ واسع ہے۔ اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ وہی نہ ختم ہونے والی وسعت کا مالک ہے۔ اسی نے موجودات کو وسعت و بسط بخشا ہے۔ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾[2]

اس کا علم آسمانوں اور زمین سے فراخی میں بہت زیادہ ہے۔

﴿وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾[3]

ترجمہ: "وہی ہے جس کا علم ہر شے پر حاوی ہے۔"

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[4]

ترجمہ: "وہی ہے جس کی رحمت ہر شے سے فراخ تر ہے۔"

اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپ رکھا ہے۔ ایک لمحہ کو بھی اس کی رحمت ہٹ گئی تو تمام عالم تباہ ہو جائے گا۔ ہر جاندار میں روح حیات اس کی رحمت سے ہے۔ جس کسی پر اس کی نظر کرم زیادہ ہے وہ سراپا رحمت میں ڈوبا ہوا ہے اور یہ وہ ہے جس نے اپنے وجود کو اس کی چاہت اور عشق میں فنا اور ختم کر لیا ہے۔ اپنی ہر ہر حرکت کو "اللہ جل جلالہ" کی رضا جوئی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ایسے ہی بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

جس سے "اللہ جل جلالہ" کی نظر کرم ہٹ جائے اس کے مقدر میں خسران و ناکامی ہی ہوتی ہے۔ خواہ اس کے پاس کتنے ہی ظاہری اسباب ہوں لیکن وہ دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دل کی چاہت کو مولیٰ کی چاہت پر مقدم کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جب رحمت کے خزانے سے بھی محروم کر دیئے جاتے ہیں تو عذاب ان کو آ پکڑتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم اسی ذات "اللہ جل جلالہ" کے ساتھ تعلق قائم کریں۔ جس کے قبضے میں ہر ہر چیز کی قسمت ہے۔

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

لہٰذا تمام ظاہری اسباب سے نظر کو ہٹا کر اس ذات مسبب الاسباب پر نظر مرکوز کرنی چاہئے۔ اسی سے حاجات مانگنی چاہئیں، اسی کے آگے اپنی ضروریات پیش کرنی چاہئیں، اسی سے تعلق قائم کرنا چاہئے۔ اس کے تعلق کے آگے دنیا کے تعلقات ہیچ، اس کی قدرت کے سامنے تمام اسباب ایک طرف، اس کی وسعت کے آگے تمام وسعت و کشائش بے قدر

---

[1] النہج الاسمیٰ ۱۰۹۶ [2] البقرۃ: ۲۵۵ [3] الانعام: ۸۰ [4] الاعراف: ۱۵۶

بھی دل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات کو جس قدر سنا جائے گا اور جس قدر بیان کیا جائے گا، تو تو ہی اس کی صفات پر یقین پیدا ہوگا اور جیسے جیسے یقین پیدا ہوتا جائے گا، احکامات باری تعالیٰ کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوتا چلا جائے گا۔

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:[1]

"ہوا، بادل، چاند، سورج اور آسمان سب کے سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔"

"تاکہ تو اپنا توشہ حاصل کرے اور اسے غفلت سے نہ کھائے۔"

"یہ سب تیرے لئے سرگشتہ اور فرماں بردار ہیں۔"

"اب بھی تو حق تعالیٰ کی فرماں برداری نہ کرے تو یہ ظلم ہوگا۔"

رحمتِ خداوندی کی وسعت بے انتہا ہے

واقعہ نمبر (۸۹): حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وحشی (حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قاتل) کو اسلام قبول کرنے کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں کہلایا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھے اپنے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ میں نے قتل بھی کیا ہے، زنا بھی اور شرک بھی اور قرآن مجید میں ہے

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾[2] "یعنی جو ان (مذکورہ بالا گناہوں) کا ارتکاب کرے تو وہ گناہ میں جا پڑا۔ (قیامت کے دن) اس کے عذاب کو دگنا کردیا جائے گا۔"

اور میں تو یہ سب گناہ کرچکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا﴾[3] "مگر وہ آدمی جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور اعمال صالحہ کئے (یعنی اس کی مغفرت ہو جائے گی)۔"[4]

وحشی نے کہا: یہ تو بڑی کڑی شرائط ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں یہ شرائط پوری نہ کرسکوں (یعنی توبہ، ایمان اور اعمالِ صالحہ کا درجہ حاصل نہ کرسکوں)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[5]

---

[1]

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ۔۔۔ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ۔۔۔ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

[2] الفرقان: ۶۸، ۶۹ [3] الفرقان: ۷۰ [4] الفرقان: ۷۰ [5] النساء: ۴۸

پانچ ہزار بکریوں سے افضل پانچ کلمات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دوں یا تمہیں ایسے پانچ کلمات سکھلا دوں جن میں تمہارے لئے دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں ہیں؟" میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پانچ ہزار بکریاں تو بہت ہیں، لیکن آپ مجھے یہ کلمات سکھلا دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا مانگا کرو:

❶ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ خُلُقِیْ وَطَیِّبْ لِیْ کَسْبِیْ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَا تُذْھِبْ قَلْبِیْ اِلٰی شَیْءٍ صَرَفْتَہٗ عَنِّیْ" [1]

اے اللہ! ① میرے گناہ بخش دے ... ② میرے اخلاق وسیع کر دے ... ③ اور میری کمائی پاک کر دے ... ④ جو روزی تو مجھے عنایت فرمائے اس پر قناعت نصیب فرما ... ⑤ جو چیز تو مجھ سے ہٹا دے تو میرے دل میں اس کی تلاش باقی نہ رکھ ... یعنی جو میرے مقدر میں نہیں ہے اس کی طرف میرا دھیان بھی نہ جائے۔ یہ آخری جملہ کتنا پیارا اور کتنا اہم ہے کہ بسا اوقات انسان کے مقدر میں کوئی چیز ہوتی ہی نہیں اور وہ رات دن اس کے لئے کوشش کرتا ہے، بعد میں پتہ چلتا ہے وہ میرے مقدر میں نہیں تھی۔

گھر میں کشادگی کی دعا

❷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں۔ اگر انسان اپنی ساری حاجتوں کا تصور بھی کرے کہ مجھے اس دنیا میں کیا کیا چیزیں درکار ہیں، اور تصور کر کے مانگتا چاہے تب بھی وہ چیزیں نہیں مانگ سکتا جس کا مانگنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے۔ وضو کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی اس میں پہلی چیز گناہوں کی معافی ہے۔ دوسری چیز وسعت دار لہٰذا وضو کے وقت یہ دعا بڑی اہتمام سے مانگیں:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ" [2]

ترجمہ: "اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، میرے گھر میں کشادگی اور وسعت فرما، اور جو رزق تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔"

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب وسعت دار والی دعا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فرمایا: "وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ"

---

[1] کنز العمال، ذکر من قسم الافعال ۲/۲۷۵، رقم ۵۰۰۸ [2] مسند احمد ۴/۶۳، رقم ۱۶۶۴۳

ترجمہ: "اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرمائیے"

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ گھر کی کشادگی مطلوب ہے، تنگی مطلوب نہیں۔ اور یہ کشادگی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کشادگی ظاہری ہوتی ہے کہ گھر لمبا چوڑا ہے، کمرے بڑے ہیں، صحن بڑا ہے، برآمدہ وسیع و عریض ہے، ایک کشادگی تو یہ ہے۔

دوسری کشادگی معنوی ہے، وہ یہ کہ جب آدمی گھر کے اندر جائے تو اس کے دل کو سکون نصیب ہو، آرام اور راحت نصیب ہو، لیکن اگر گھر تو بہت بڑا ہے، بڑی کوٹھی اور بنگلہ ہے، مگر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو گھر والوں کا طرز عمل اور بیوی بچوں کا طرز عمل ایسا ہے جس سے انسان کو گھٹن اور تنگی ہوتی ہے اور اس گھر میں اس کو آرام اور سکون نہیں ملتا تو اس صورت میں گھر کی ظاہری کشادگی کس کام کی؟ وہ کشادگی بے کار ہے۔

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے جو کشادگی مانگی، اس کے اندر دونوں قسم کی کشادگی داخل ہے، یعنی اے اللہ! ظاہری کشادگی بھی عطا فرما اور باطنی کشادگی بھی عطا فرما، تاکہ جب میں گھر میں جاؤں تو راحت اور سکون نصیب ہو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے سکون کی جگہ بنایا، لہٰذا گھر کا سب سے اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس کے اندر جانے کے بعد انسان کو سکون نصیب ہو، اگر سکون نصیب نہیں تو پھر وہ گھر چاہے کتنا ہی بڑا بنگلہ ہو، اس کا کچھ فائدہ نہیں، اور اگر جھونپڑی ہو اور اس کے اندر سکون حاصل ہو جائے تو وہ بڑے بڑے محلات سے بہتر ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

دلوں کا ملا ہوا ہونا کشادگی میں داخل ہے

پھر "کشادگی" کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ گھر بڑا ہو، بلکہ اس کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر والوں کے دل باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، اگر گھر تو بڑا ہے لیکن گھر والوں کے دل ملے ہوئے نہیں ہیں تو وہ گھر بڑا ہونے کے باوجود گھر کی راحت اس میں حاصل نہیں ہو سکے گی، لہٰذا اس دعا کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر کے ماحول کے اندر راحت ہو، یہ نہ ہو کہ گھر میں داخل ہو کر انسان ایک عذاب کے اندر مبتلا ہو جائے۔

گھر میں خوب صورتی سے زیادہ کشادگی مطلوب ہے

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے ... گھر کو خوب

(۱) النحل: ۸۰

صحبت بنا دیجئے یا میرے گھر کو عالی شان بنا دیجئے، بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کشادگی" کا لفظ استعمال فرمایا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اس لفظ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گھر کی اصل صفت یہ ہے کہ اس میں کشادگی ہو، تنگی نہ ہو، کیوں کہ اگر تنگی ہوگی تو وہ انسان کے لئے تکلیف دہ ہوگی اور کشادگی انسان کے لئے راحت کا سبب ہوگی، باقی ٹیپ ٹاپ اور آرائش یہ زائد چیزیں ہیں، انسان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ گھر کے اندر کشادگی ہو، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔[1]

اس کی رحمت کی وسعت کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں

واقعۂ عبرت: "لیلیٰ طہٰ" مراکش کی رہنے والی تھی۔ وہ تھوڑی مدت پہلے ایک مشہور ایکٹریس تھی، فنی حلقوں میں اس کا نام بڑا معروف تھا، اسے ایک انتہائی مہلک مرض لاحق ہوگیا جسے دنیا اب تک لاعلاج تصور کرتی ہے اور جسے "کینسر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔ خاتون نے اپنے مہلک مرض کے علاج کے لئے مختلف ماہرینِ طب کے دروازے کھٹکھٹائے، لیکن! ڈاکٹروں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوگئیں اور اب خاتون کو اپنی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ ہاں ایک امید باقی تھی اور وہ اس کے رب کا دروازہ تھا۔

بیان کرتی ہے: میں ایک عرصے سے ایک بے حد خطرناک مرض کا شکار ہوگئی تھی جسے دنیا "سرطان" یا "کینسر" کے نام سے جانتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ مرض انتہائی خطرناک اور مہلک ہے، لیکن مراکش میں ہم اسے "کینسر" کا نام نہیں دیتے ہیں، بلکہ ہمارے یہاں اس کو "خبیث مرض" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ میرے دل کی دو شریانیں جو ایک جانب سے نکل کر دل کو خون بہم پہنچاتی ہے اور جو دوسری نما ہوتی ہے، اس موذی مرض میں مبتلا ہوگئی۔ اس وقت میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان کمزور، دل زندہ ہونے کے بجائے مردہ تھا۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے یکسر خالی تھا، کیوں کہ میں اللہ سے بالکل غافل تھی۔ میں تو مشہور فلمی ایکٹریس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ انسان کا حسن و جمال ہی وہ چیز ہے جو اس کی شخصیت کو زندگی بخشتا رہتا ہے اور یہ نعمت پوری عمر زائل ہونے کا نام نہیں لیتی اور عنفوانِ شباب کی مسرتوں سے ہمیشہ لطف اندوزی کا خوش کن موقع نصیب رہتا ہے، نیز اس کی صحت ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کی شگفتگی فرحت کو دنیا کی رونق دیکھتی رہتی ہے۔ میرے حاشیہ خیال میں یہ تصور تک بھی نہیں گزرا تھا کہ میں بھی "کینسر" جیسی مہلک وبا میں مبتلا یا بیماری میں گرفتار ہوجاؤں گی، لیکن جب میں اس خطرناک مرض میں مبتلا ہوگئی تو اس کے خوف و دہشت نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں بڑی طرح سے پریشان ہوگئی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جاؤں، لیکن بھاگ کر بھی کدھر جاتی؟ جہاں کہیں بھی جاؤں گی یہ لاعلاج مرض بھی تو میرے ساتھ ساتھ جائے گا۔ اس لئے میں نے سوچا کیوں نہ میں خودکشی کرلوں، لیکن مجھے میرے شوہر اور بچوں سے شدید محبت تھی، اس لئے میں نے خودکشی نہ کی۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱۴/۱۹۱

میں چھوٹی سی نماز پڑھیا کرتی اور کئی استعمال کرتی رہی۔ لیکن کسی طرح بھی افاقہ نہ ہوا۔

اچانک میرے خاوند کے ذہن میں آیا کہ ہم تمام دنیاوی علاج کروا چکے ہیں مگر ایک طبیب باقی رہ گیا ہے ہمیں اس کے پاس جانا چاہئے۔ اس نے جب مجھ سے بات کی تو جیسے مجھے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ بلاشبہ ہمیں مکہ مکرمہ جانا چاہئے، بیت اللہ کی زیارت کریں اور وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دربار میں توبہ واستغفار کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس مہلک مرض سے مجھے شفایاب کر دے، کیونکہ آسمان کے دروازے ہر مریض کے لئے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور وہاں ہر بیماری کا کامیاب علاج ہمہ وقت دستیاب ہے!

غرض ہم میاں بیوی پیرس سے خانہ کعبہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستہ بھر ہم "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" کے ورد سے رطب اللسان تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہو رہی تھی کیونکہ بیت اللہ شریف کی طرف میری زندگی کا یہ پہلا سفر تھا اور پہلی مرتبہ اللہ کے گھر کا دیدار نصیب ہونے والا تھا۔ میں نے پیرس ہی میں قرآن کریم کا ایک نسخہ خرید لیا تھا اور جگہ بجگہ اس کی تلاوت کرتی رہتی۔

آخرکار وہ مبارک وقت آگیا جب ہم مکہ مکرمہ پہنچ کر حرم کعبہ میں داخل ہوئے۔ جونہی نگاہ کعبہ پر پڑی میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ مجھے پچھلی گزشتہ زندگی یاد آگئی، رب کی نافرمانی اور معصیت کی زندگی۔ میرا ماضی بے حد تاریک تھا۔ نماز روزے سے قطعاً دوری۔ فرائض کا پتہ تک نہ تھا۔ اب میں نہایت عاجزی کے ساتھ اس "رب العالمین" کے دروازے پر حاضر تھی جو توبہ قبول کرنے والا، اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے اور پھر میں نے خانہ کعبہ کے دروازے کے قریب جا کر رو رو کر یہ دعا کی

"اے میرے پروردگار! میری جس بیماری کا علاج ڈاکٹروں کے بس میں نہیں۔ وہ ہزاروں مشکل کے باوجود میرے علاج سے انکار کر چکے ہیں۔ میرے پیارے رب! بیماری تیری ہی طرف سے آتی ہے اور اس کا علاج بھی تو ہی کرتا ہے۔ میری بیماری کے علاج کے معاملے میں ڈاکٹروں نے ہسپتالوں کے دروازے بند کر رکھے ہیں صرف تیرا دروازہ میرے لئے کھلا ہوا ہے۔ میں اپنے علاج کے لئے تیرے آستانے پر حاضر ہوگئی ہوں۔ میرے رب! اپنا دروازہ میرے لئے بند مت کرنا۔"

پھر میں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور اس دوران میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرتی رہی کہ

"اے اللہ! میری دعا کو نامراد واپس نہ کر اور مجھے نا امید مت کر اور مجھے شفا عنایت کر کے ڈاکٹروں کو اپنی عظمت شان سے حیران وششدر کر دے۔"

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے، میں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھی اور اس کے دین پر بھی عمل نہ کیا تھا لیکن اب میری وہ کیفیت نہ رہی جو پہلے تھی بلکہ اب میں نے اللہ کے دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، چنانچہ میں

قریب رہتی تھی۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے ذکر و اذکار اور نوافل میں وقت گزار دیا۔ صبح سویرے پھر جلاد آ گیا۔ میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، ساتھیوں نے اشک بار آنکھوں سے الوداع کیا۔ میں نے بڑی حسرت کے ساتھ ان دیواروں پر آخری نظر ڈالی اور پولیس کی کڑی نگرانی میں چل پڑا۔ جیل کی گاڑی کا دروازہ کھلا اور مجھے اندر دھکیل دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میدان قصاص میں اتارا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مگر لوگوں کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہ جگہ شہر کا مرکزی چوک تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میرے قتل کا منظر دیکھنے کے لئے جمع تھی۔ میرے رشتہ دار عزیز و اقارب ایک دن پہلے مجھ سے الوداعی ملاقات کر چکے تھے۔ مجھے بٹھا کر عدالتی اہلکار نے میرے جرم کا اعلان کیا۔ میرا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ سب لوگ دم بخود ہو رہے تھے۔ پھر جلاد کو حکم دیا گیا کہ مجرم کا سر قلم کر دیا جائے۔ وہ آگے بڑھا اس نے تلوار اپنی میان سے نکالی۔ میں نے کلمہ پڑھتے ہوئے سوچا ابھی تلوار میری گردن کو الگ کر دے گی۔ میں نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کیا کہ اچانک ایک آواز گونجی۔

"عَفَوْتُ عَنْكَ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی"

ترجمہ: "جاؤ میں نے تمہیں اللہ کی رضا کے لئے معاف کر دیا۔"

یہ مقتول کے بڑے بیٹے کی آواز تھی۔ لوگ جو تصور میں میری لاش دیکھ رہے تھے اب معافی کا اعلان سن رہے تھے۔ سارا چوک "اللہ اکبر" کی آواز سے گونج اٹھا۔ "لا الٰہ الا اللہ" ہر شخص کی زبان پر تھا۔ مجھے حیرت، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے معافی مل سکتی ہے۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ مجھے اٹھا کر دوبارہ گاڑی میں ڈالا گیا اور دوبارہ جیل میں لے آئے۔ ہر چند کہ لوگوں نے مجھے معاف کر دیا تھا مگر میری رہائی میں قانونی کارروائی باقی تھی۔ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو معلوم نہ تھا کہ مجھے کس روز جیل سے رہائی ملے گی۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ مجھے جیلر نے بلا کر بتایا کہ سارے قانونی تقاضے پورے ہو چکے ہیں لہٰذا تمہیں ابھی رہا کیا جا رہا ہے۔ میری زندگی کا نیا آغاز ہو رہا تھا۔ خوشی کے اس موقع پر مجھے اتنا وقت بھی نہ ملا کہ میں اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دے سکوں۔ میں رہا ہو چکا تھا اور باہر آ رہا تھا۔ میں جیل سے نکلا۔ ایک ٹیکسی نظر آئی۔ میں نے اس کو اشارہ کیا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں اپنا گھر اور رشتہ دار آئے۔ وہ کون سا وقت ہوگا کہ میں ان کے درمیان ہوں گا۔

مگر اچانک ہی میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے سب سے پہلے "ابو شہوز" کے گھر جانا چاہئے تاکہ ان کا شکریہ ادا کروں، ان کے بیٹوں کا، ان کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کا۔ میں نے اپنی یادداشت کو بحال کرنا شروع کیا۔ الحمدللہ ساری باتیں ہر چیز کی جب بچی تھی۔ میں نے ٹیکسی والے کو گاؤں کا پتہ بتایا اور میں تھوڑی دیر کے بعد "ابو شہوز" کے

خاندان والوں سے مل رہا تھا۔

"میرے پاس آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے کلمات نہیں ہیں۔ یہ خاندانی کوئی بھی نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ بلاشبہ اصل بدلہ تو آپ کو اللہ ہی عطا کرے گا۔"

میں ان کو گلے لگا رہا تھا۔ ان کے ماتھے چوم رہا تھا۔

اب مقتول کا بڑا بیٹا مشہود گویا ہوا: "جیلو میں تمہیں اپنی کہانی سناتا ہوں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خاندان کی طرف سے ہمیں دیت لاکھوں ریال کی پیش کش کی گئی۔ بعد میں زمین کا قطعہ بھی پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے کتنے ہی لوگوں نے معاف کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر ہم نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ایک دن ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میری والدہ بھی اب میرے پاس ہی رہتی ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی بھی اب جوان ہو چکا ہے۔ تمام گھر والوں نے مجھے تحریری طور پر سونپ دیا کہ میں جو بھی فیصلہ کروں انہیں منظور ہے۔ میرے پاس جو بھی سفارش لے کر آتا، میرے غصے میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میری آنکھوں کے سامنے والد کی شکل آ جاتی جو مجھے بدلہ لینے پر ابھارتی۔ لہٰذا میں نے ہر سفارش ہر مشورہ ٹھکرا دیا۔ میرا ایک ہی جواب ہوتا کہ ہمیں رقم نہیں چاہیے، ہم بدلہ چاہتے ہیں، صرف بدلہ۔ یوں میں نے سب کو انکار کر دیا۔

ایک دن پھر ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میں نے ان سے کہا: "تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر ہم قاتل کو رضائے الٰہی کی خاطر معاف کر دیں اور یہ ہمارے والد کی طرف سے صدقہ ہو۔" اس دن ہم نے بہت غور و فکر کیا۔ بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہاں ہمیں لوجہ اللہ معاف کر دینا چاہیے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی کو قطعاً اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔

ادھر عدالتی کارروائی ہو رہی تھی۔ ہم سے پوچھا گیا کہ کیا صلح کی کوئی امید یا صورت ہے؟ مگر میں نے مکمل انکار کر دیا تا کہ "الریاض" کی پولیس کو حکم تنفیذ کا آرڈر مل گیا۔ مجھ سے آخری مرتبہ پھر پوچھا گیا کہ "... کیا تم معاف کرتے ہو یا قصاص لینا چاہتے ہو؟" میں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور قصاص لینے پر اصرار کیا اور پولیس والوں سے کہا کہ میں اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب سمیت قصاص کے وقت حاضر ہوں گا۔

پھر جب تمہیں میدان قصاص (عدل) میں لایا گیا، تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ عدالتی اہلکار نے جرم، تمہارا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ پڑھ کر سنایا اور پھر جلاد نے تلوار نکالی۔ وہ تمہاری گردن مارنے جا رہا تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ میں نے اللہ کے لیے تمہیں معاف کر دیا۔

میں کسی شخص سے کوئی تعریف یا مدح نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سارا کام اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ اگر میں اپنی

مدح یا شہرت چاہتا تو جب میرے پاس سفارشیں آ رہی تھیں، مجھے اس عہدہ کی پیش کش ہوئی تھی، میں اس کو قبول کر لیتا مگر میں نے اپنے والد کی طرف سے صدقہ کیا ہے، اللہ اس کو قبول فرمائے۔"

اور یوں قارئین! ابو مشہور نے ایک سنہرا فیصلہ کر کے اپنے قبیلے کی تاریخ میں سنہری باب رقم کیا۔[1]

پند و نصائح

❶ بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے کہ "الواسع جل جلالہ" کی بادشاہت کی وسعت میں غور و فکر کرے، سخاوت طبعی کو اپنے اندر پیدا کرے، نفس کے اعتبار سے مستغنی رہے، ضائع ہونے والی چیز کے ضائع ہونے پر (شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے) افسوس نہ کرے، ور خواہشات کے حصول کے لئے (شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے) اہتمام نہ کرے ملازموں کو بقدر گنجائش ان کے حق سے زیادہ دے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں بونس دے، ملازموں کی شادی، بچے کی پیدائش پر ان کی تنخواہ میں اضافہ کرے، رکشا ٹیکسی والوں سے جو کرایہ طے کیا اس سے کچھ زیادہ دے، اسی طرح ملازمین کو چاہئے کہ ادارہ میں کام دل کی وسعت کے ساتھ کرے، اپنے ذمہ داری سمجھ کر کام کرے اور "الواسع جل جلالہ" سے وسعت کی امید رکھے۔"[2]

❷ بندے کی وسعت اس کے اخلاق و اعمال میں ہوتی ہے، لہٰذا اچھے اعمال اور اخلاق پر کار بند رہنا چاہئے، تاکہ اس کی وسعت کا فائدہ عام ہو۔

❸ ہر خیر اور بھلائی "الواسع جل جلالہ" کی وسعت اور فضل سے ہے۔ تمام بندوں کو رزق پہنچاتا ہے، آسمانوں و زمین کی ہر چیز تک اس کی پہنچ ہے کوئی چیز اس کی نظر کی وسعت سے غائب نہیں، لہٰذا ہر حاجت کی وسعت صرف اور صرف "الواسع جل جلالہ" سے مانگے غیر اللہ کے در پر نہ جائے۔

---

[1] اس واقعہ کو سعودی عرب کے روزنامے عکاظ کے شمارہ نمبر ۹۰۸۲ ... میں بیان کیا گیا۔ محترم عبدالحمید ... نے اپنی کتاب "الفرج بعد الشدۃ والضیقۃ" کے اندر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ... نے اس کا "پریشانی کے بعد راحت" کے نام سے ترجمہ بھی کیا ہے، راقم (مولف) نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ سنہرے فیصلے ص ۱۱۴ تا ۱۱۶

[2] وَحَظُّ الْعَبْدِ مِنْهُ أَنْ يَتَّسِعَ بِسَعَةِ مَعَارِفِهِ وَأَخْلَاقِهِ وَيَكُونَ جَوَادًا بِالْعِلْمِ غَنِيَّ النَّفْسِ لَا يَضِيقُ قَلْبُهُ بِفَقْدِ الْمَفْقُودِ وَلَا يَهْتَمُّ بِتَحْصِيلِ الْفَائِتِ (مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۵/۸۹)

جلد ہٰذا میں ذکر کی گئی دعاؤں کی فہرست اور فوائد و فضائل

جلد اوّل میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست

واقعہ نمبر	عنوان جس کے تحت واقعہ بیان ہوا	صفحہ نمبر

یادداشت